۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

شمارہ ۱۸

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان

شمارہ: (۱۸)

معارفِ رضا

۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

بانی: سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

المختار پبلی کیشنز

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

۲۵ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر کراچی ۷۴۴۰۰
فون: ۷۷۲۵۱۵۰ پوسٹ بکس: ۴۸۹ ٹیلیگرام: "المختار" اسلامی جمہوریہ پاکستان

بیاد گار

○

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء .... ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

○

رسالہ .... معارف رضا

شمارہ .... ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء

تعداد ۱۰۰۰

نگران طباعت .... اقبال احمد اختر القادری

ہدیہ .... =/۷۵ روپیہ

ناشر

○

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان

.... ○ ....

.... ○ ....

واحد تقسیم کار

المختار پبلی کیشنز

کراچی : ۲۵، جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی ۷۴۴۰۰، فون : ۷۷۲۱۲۱۹، ۷۷۲۵۱۵۰

اسلام آباد : ڈی ۴/۴۴/۴۴، اسٹریٹ ۳۸، سیکٹر ایف ۱/۶، اسلام آباد ۴۴۰۰۰، فون : ۸۲۵۵۸۷

مشمولات

सूरए फ़ातिहा
मक्की है इस में सात आयतें और एक रुकूअ है

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

अल्लाह के नाम से शुरुअ जो बहुत मेहरबान रहम वाला

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

१. सब खूबियाँ अल्लाह को जो मालिक सारे जहानवालों का।

२. बहुत मेहरबान रहमत वाला।

३. रोज़े-जज़ा का मालिक ।

४. हम तुझी को पूजें और तुझी से मदद चाहें।

५. हम को सीधा रास्ता चला।

६. रास्ता उनका जिन पर तू ने एहसान किया।

७. न उनका जिन पर ग़ज़ब हुआ और न बहके हुओं का।

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

हिन्दी लिपि
जनाब हाजी मुहम्मद तौफ़ीक़ रज़वी (नवी वाला)
(सदर, रज़ा एकेडमी, शाख नांदेड़)

كنزالایمان کا ہندی زبان میں ترجمہ مترجم حاجی محمد توفیق رضوی

امام الکلام امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ

چو مرگم نخلِ جاں سوزد بہارم را خزاں سوزد
نہ ریزد برگ ایمانم اغثنی یارسول اللہ
ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یارسول اللہ

چو محشر فتنہ انگیزد بلائے بے اماں خیزد
بجویم از تو درمانم اغثنی یارسول اللہ
شہا بے کس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یارسول اللہ

پدر را نفرتے آید پسر را وحشت افزاید
تو گیری زیر دامانم اغثنی یارسول اللہ
نرفتم راہ بینایاں فتادم در چہ عصیاں
بیا اے حبلِ رحمانم اغثنی یارسول اللہ

عزیزاں گشتہ دور از من ہمہ یاراں نفور از من
دریں وحشت ترا خوانم اغثنی یارسول اللہ
گنہ بر سر بلا بارد دلم دردِ ہوا دارد
کہ دارد جز تو درمانم اغثنی یارسول اللہ

گدائے آمدانے سلطاں بامید کرم نالاں
تہی داماں مگردانم اغثنی یارسول اللہ
اگر رانی و گر خوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یارسول اللہ

اگر میرانیم از در بمن بنما درے دیگر
کجا نالم کرا خوانم اغثنی یارسول اللہ
بکہف رحمتم پرور ز قطمیرم منہ کمتر
سگِ درگاہِ سلطانم اغثنی یارسول اللہ

گرفتارم رہائی دہ مسیحا مومیائی دہ
شکستم رنگ سامانم اغثنی یارسول اللہ
گنہ در جانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد
مدد اے آبِ حیوانم اغثنی یارسول اللہ

رضایت سائلِ بے پر توئی سلطانِ لاتنہر
شہا بہرِ ازیں خوانم اغثنی یارسول اللہ

منقبت

امام احمد رضا فاضل بریلوی

از مداح الحبیب حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب رضوی بریلوی علیہ الرحمہ

آبروئے مومناں احمد رضا خاں قادری ۔۔۔ رہنمائے گمرہاں احمد رضا خاں قادری
علم کے ہیں گلستاں احمد رضا خاں قادری ۔۔۔ باغِ دیں کے گلستاں احمد رضا خاں قادری
تیرا علم و فضل شان و شوکت و جاہ و حشم ۔۔۔ شش جہت پہ ہے عیاں احمد رضا خاں قادری
ہے عرب کے عالموں کا مدح خواں سارا جہاں ۔۔۔ اور وہ تیرے مدح خواں احمد رضا خاں قادری
صدقۂ شاہِ عرب یونہی ہمیشہ ہو بلند ۔۔۔ تیری عزت کا نشاں احمد رضا خاں قادری
فتح دی حق نے تجھے اعدائے دیں پر دائما ۔۔۔ تجھ پہ ہے حق مہرباں احمد رضا خاں قادری
حق اسے کہتے ہیں دیکھو رد نہ کوئی کر سکا ۔۔۔ تیرا فتوائے اذاں احمد رضا خاں قادری
تھے وصی احمد محدث رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔ آپ کے اک رتبہ داں احمد رضا خاں قادری
خاندانِ پاک برکاتیہ کا چشم و چراغ ۔۔۔ کہتے تھے نوری میاں احمد رضا خاں قادری
شاہ بیلی بھیت کے حضرت محمد شیر خاں ۔۔۔ تھے تمہارے مدح خواں احمد رضا خاں قادری
رامپوری صابری چشتی میاں ناصر ولی ۔۔۔ جانتے تھے تیری شاں احمد رضا خاں قادری
حاضر و غائب ترے حق میں دعاؤں کے لئے ۔۔۔ عمر بھر کھولی زباں احمد رضا خاں قادری
محی سنت اور مجدد اس صدی کے آپ ہیں ۔۔۔ اے امام مفتیاں احمد رضا خاں قادری
یاد رکھیں گے قیامت تک غلامانِ رسول ۔۔۔ تیرے جلسوں کا سماں احمد رضا خاں قادری
اے مرے اچھے کے اچھے مجھ کو بھی اچھا بنا ۔۔۔ صدقۂ اچھے میاں احمد رضا خاں قادری
صدقۂ سرکار جیلانی پھلیں پھولیں مدام ۔۔۔ مصطفےٰ حامد میاں احمد رضا خاں قادری

دے مبارک باد ان کو قادری رضوی جمیل
جن کے مرشد ہیں میاں احمد رضا خاں قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

سید وجاہت رسول قادری

این شرح بے نہایت کز حسن یار گفتند
حرفیست از ہزاراں کاندر عبارت آمد

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ

بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زیادہ (یونس ۱۰ : ۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے تقرب الٰہی کے حصول اور حسنات و خیرات کے ابلاغ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے بدلے میں اس سے کہیں زیادہ اجر و ثواب بخشتا ہے اور دنیا و آخرت میں بے شمار فتوحات عطا فرماتا ہے۔

ابو حامد حجۃ الاسلام امام/غزالی علیہ الرحمۃ و الرضوان اپنی مشہور زمانہ تصنیف "احیاء العلوم" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جن امور سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ تین ہیں:

۱۔ صرف علم وہ "علم مکاشفہ" ہے۔

۲۔ صرف عمل جیسے بادشاہ کا عدل کرنا اور لوگوں کو مجتمع انتظام سے رکھنا۔

۳۔ عمل و علم سے مرکب، وہ آخرت کا علم ہے جو اس علم کا جاننے والا ہے وہ عالم اور عامل دونوں کا جامع ہے۔

امام غزالی قدس سرہ العزیز مزید فرماتے ہیں کہ جو علماء تیسری صفت سے متصف ہوتے ہیں یعنی علم و عمل کا پیکر ہوتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل پانچ خصلتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

○ عابد ہوتے ہیں۔ ○ زاہد ہوتے ہیں۔

○ علوم و آخرت کے ماہر ہوتے ہیں۔

○ خلق خدا کے ہمدرد اور ان کی بہتری کے سمجھنے والے ہوتے ہیں، اور وہ اپنی فقہ کی ترویج و اشاعت میں رضائے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ وہ **"ان اکرمکم عنداللہ اتقکم"** (بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو) کی سچی تصویر ہوتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ نے یہ خصوصیات علمائے سابقین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان فرمائی ہیں۔ دور حاضر میں جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو شیخ الاسلام و المسلمین، مجدد دین و ملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ و الرضوان، ہی کی ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت دیکھنے میں آتی ہے جو مذکورہ بالا تمام خصائص کی جامع اور خصائص و کمالات اور اخلاق و معاملات میں، اسلاف کرام اور ائمہ مجتہدین کا آئینہ جمال ہے۔ ہم جب تاریخ ہند کا مطالعہ کرتے ہیں تو علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمتہ کے بعد امام احمد رضا کی ذات ہی ایک ایسی روشن و تابندہ ذات دکھائی پڑتی ہے جس کے وجود میں **"للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ"** کے برکات و فضائل کی تمام وسعتیں سمٹی ہوئی تھیں۔ ان کی حیات مبارکہ کا لمحہ لمحہ **"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"** کی عملی تفسیر اور عشق رسول اور اتباع شریعت کی کرامات و برکات کا مظہر تھی۔

بلاشبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ و الرضوان ایک جامع الکمالات اور عبقری شخصیت تھے۔ علامہ مفتی قاضی عبدالدائم، دائم ہزاروی مدظلہ العالی

امام صاحب کی عبقریت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں :

"قابل رشک اوصاف میں سے شاید کوئی ایسا وصف ہو جس سے آپ کو حصہ وافر نہ ملا ہو ابوطیب متنبی کے درج ذیل دو شعر اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ آپ ہی کی ذات گرامی پر صادق آتے ہیں :

"کالشمس فی کبدا السماء وضوئها
یغشی البلاد مشارقا" و مغاربا"
کالبدر من حیث التفت رایته
یهدی الی عینیک نورا" ثاقبا""

ترجمہ : جیسے کہ سورج ہو--- جو وسط آسمان میں درخشاں ہوتا ہے اور اس کی روشنی مشرق و مغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

جیسے چودھویں کا چاند ہو--- کہ اس کی طرف جس جانب سے بھی رخ کرو، تم دیکھو گے کہ وہ تمہاری آنکھوں تک اپنی تابناک روشنی پہنچا رہا ہے۔

قاضی صاحب نے مختصر مگر جامع الفاظ میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ کی ہمہ جہت شخصیت کا بھرپور تعارف کرایا ہے۔ بے شک امام احمد رضا ایک ایسے ہی صاحب علم و فن اور قرطاس و قلم تھے کہ علوم **عقلیہ و نقلیہ** قدیمہ جدیدہ کی کوئی ایسی فرع نہ تھی جس پر ان کو دسترس نہ حاصل رہی ہو اور کوئی ایسا موضوع نہیں جس کی شرح و بسط صفحہ قرطاس پر اپنے نوک قلم سے نہ کی ہو۔ وہ فلسفہ، تصوف، حکمت، فقہ اور ستر سے زیادہ علوم و فنون میں اور بقول شیخ الحدیث و التفسیر علامہ نصر اللہ خاں افغانی، سابق رئیس محکمہ قضاۃ و الافتاء اسلامی جمہوریہ افغانستان، تمام علوم عالم میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اگر کسی فلسفی کو کوئی مسئلہ میں مشکلات کی راہیں نظر آئیں تو امام احمد رضا کے نقوش کو سمجھے، ان کی بنائی ہوئی اشکال سے اپنی اشکال کو رفع کرے، اگر کسی طالب، صوفی یا سالک کو ارسال منزل یا وصال حق میں سد راہ کا سامنا ہو تو "قطب الارشاد" امام احمد رضا محدث بریلوی کے آگے زانوئے ادب تہہ کرے اور ان کی دستگیری کا طالب ہو۔ اگر علمائے ملت اسلامیہ کو جزئیات فقہ کی تلاش اور مسائل فقہ کی چھان بین کرنی ہو تو "عطائے بارگاہ نبویہ" یعنی فتاوی رضویہ کی ۱۲ ضخیم جلدوں کی ورق گردانی کرے، یہ عطائے نبویہ ہے یہاں تمام علوم بدرجہ اتم ملتے ہیں، بتمام جاہ و جلال اور بہ اہتمام و کمال ملتے ہیں۔

امام احمد رضا کے علوم کو سمجھنے کے لئے امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، "عشق رسول" میں پوشیدہ قوت و طاقت کے ادراک اور "علم لدنی" کی پہچان اور اس سے فیض یاب ہونے کی صلاحیت و استطاعت کی ضرورت ہے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ کے لئے علوم روحانی کی ضرورت ہے۔ ان کی عبارات و غزلیات سے مستفیض ہونے کے لئے "عقل نورانی" اور ان کے ملفوظات سے استفادے کے لئے "فراست ایمانی" کی ضرورت ہے، ان کے فتاوی کی تفہیم کے لئے علوم زمانہ کی فراوانی کی ضرورت ہے، ان کے "نغمہ ہائے محبت رسول" کو سننے سمجھنے اور گنگنانے کے لئے ذوق وجدانی اور عمل "فاتبعونی" کی ضرورت ہے، ان کی منطق کے ادراک کے لئے متکلم حقیقی کی ضرورت ہے۔ ان کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے اک "دانش نورانی" کی ضرورت ہے۔

لیکن ان کے تمام علوم کا خلاصہ ان کی تمام تصانیف کا نچوڑ، ان کا نظریہ زندگی اور عنوان حیات ان کے فلسفہ و فکر کا عطر مجموعہ "عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" اور صرف "عشق مصطفی" ہے، خود فرماتے ہیں :

جان ہے عشق مصطفی اور فزوں کرے خدا

جس کے لئے زہد و تقوی، فتوحات علمی، فطانت و ذہانت، عمل بالسنہ پر استقامت و مداومت، پاسداری عظمت

الٰہی و عصمت رسول'، "عشق رسول" میں سرشاری و سرمستی' جذبہ حب آل و اصحاب رسول' توقیر و تعظیم اولیاء' افراد ملت اسلامیہ سے محبت و مودت' ملت کفر و منافقت پر شدت و غلظت اور مخلوق خدا کے ساتھ جذبہ شفقت و رافت کو دیکھ کر صلحائے حرمین شریفین مثلاً" علامہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی علیہ الرحمہ نے یہ دعائیہ کلمات سنداً" تحریر فرمائے :

"اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے ان کی روش نصیب کرے کہ ان کی روش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش ہے۔"

امام احمد رضا قدس سرہ' کی روش کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش قرار دینا یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے' یہ ایک تاج کرامت ہے جو امام احمد رضا کے فرق باوقار پر "دیار حبیب" کے اتقیا و علمائے کاملین نے رکھا' اور سچ ہے یہ آج انہی کی نورانی صورت اور علمی قدو قامت پر سجتا ہے!

تو ایسے شخص کے نابغہ عصر' امام وقت' رہبر شریعت و طریقت اور عارف باللہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ کسی شے کی قدر و قیمت کو جوہر شناس نگاہیں ہی پہچان سکتی ہیں' نور بصیرت سے محروم قلوب انوار و تجلیات اولیاء کا کیا ادراک کر سکتی ہیں؟

بلاشبہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ و الرضوان اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے ایک نعمت اور اس کے رسول محتشم و مکرم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں' ان کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

منم کہ علم بہ نیروئے بازوم نازد
منم کہ حملہ من شیررا برانداز د
چشیدہ باشی تیر قضا من آنستم
شنیدہ بودی احمد رضا من آنستم

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی ابن علامہ مولانا نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (یوپی - بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ عین اس وقت جب موئذن نے اذان جمعہ میں "حی علی الفلاح" پکارا اپنے خالق حقیقی سے جا ملے' بریلی میں آج بھی ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ و الرضوان نے تقریباً" ۱۳ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد بقیہ تمام زندگی اپنی آخری سانس تک مسلسل درس و تدریس' تصنیف و تالیف' فتویٰ نویسی' اور مسلمانوں کی اخلاقی' روحانی اور معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کے لئے جدوجہد میں بسر کی۔ انہوں نے ستر (۷۰) سے زیادہ علوم پر ایک ہزار سے زیادہ تصانیف و تالیفات چھوڑی ہیں جو تاریخ عالم کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی بگاڑ کی اصلاح اور جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے درج ذیل پروگرام پر عمل درآمد کیا :

۱۔ فروغ علم نافع' بذریعہ درس و تدریس اور تصنیف تالیف
۲۔ فروغ محبت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ تحریر و تقریر
۳۔ سلسلہ قادریہ کا انشاء و ابلاغ
۴۔ فقہ حنفیہ کی تدوین و فروغ۔
۵۔ دشمنان اسلام اور گستاخان رسول کی بیخ کنی کے لئے ملکی اور غیر ملکی سطح پر تمام ممکن الحصول ذرائع ابلاغ کا استعمال۔

امام احمد رضا کے نزدیک علم ایک نور ہے' چنانچہ فرماتے ہیں :

"علم وہ نور ہے جو شے اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی اور یہ جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔"

پھر فرمایا :

"علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل

ہوگئی نہ کہ حصول صورت سے علم (جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے) جب فلاسفہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے تو علم الٰہی کو کیا جانیں گے۔"

اس تعریف سے پتہ چلا کہ علم وہ نور ہے جو خالق کائنات کی معرفت کرواتا ہے اور اگر علم قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں بنتا تو ایسا علم فضول اور واجب الترک ہے کیونکہ ایسا علم شیطانی علم ہے جس سے گمراہی و ظلالت اور فتنہ و فساد کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے امام صاحب نے ایک اور مقام پر اس نورانی علم کے منبع و ماخذ کی بھی نشان دہی کردی کہ:

"علم وہ ہے جو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ ہے' نہ وہ جو کفار یونان کا پس خودہ---"

امام احمد رضا محدث بریلوی کے مذکورہ پروگرام پر عمل درآمد کرنے خصوصاً" جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ' تحفظ عظمت الٰہی اور عزت و عصمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس جذبہ "غیرت عشق" کی ضرورت ہے اسے اجاگر کرنے' اور اس علم کو جسے امام احمد رضا نے نور سے تعبیر کیا ہے اور جو سید اعلم و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار دربار سے امام احمد رضا کو وراثتاً" عطا ہوا ہے' اس کی تقسیم و افزائش کے لئے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ہر سال امام موصوف کے یوم وصال پر ایک سالنامہ بعنوان "معارف رضا" شائع کرتا ہے۔ "معارف رضا" میں ہر سال امام احمد رضا رحمہ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت' اور ان کی دینی' علمی' ملی اور اصلاحی کارناموں کے متنوع موضوعات سے چیدہ چیدہ عنوان پر برصغیر پاک و ہند کے معروف علماء' محققین' دانشور اور نامور اہل قلم حضرات کے مقالہ جات' جو ہماری تحریک پر لکھے جاتے ہیں' شائع ہوتے ہیں۔

گزشتہ ۱۸ سال (۱۹۸۱ء) سے شائع ہونے والا یہ واحد معیاری تحقیقی' علمی اور دینی مجلّہ ہے جو کسی واحد شخصیت کے حالات و افکار اور تصنیف و تالیف کے حوالے سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ معارف رضا ۱۹۹۸ء آپ کے زیر مطالعہ ہے' آپ اس کے مطالعہ سے قبل اس کی فہرست پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ کیسے کیسے نامور محقق اور فاضل اہل قلم حضرات کے اسمائے گرامی اس فہرست میں شامل ہیں' اور مقالہ نگاری کی یہ سعادت ایک' دو یا تین چار افراد کو نہیں حاصل ہے۔ بلکہ ان کی تعداد ۲۰ کے لگ بھگ ہے' جس میں علماء ذی وقار' صاحبان خرقہ و سجادہ' ماہرین طب' جامعات کے ماہر فن اساتذہ اور دانشوران دور جدید غرض ہر ذوق اور سطح کے اہل قلم شامل ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی بین الاقوامی سطح پر ایک بڑی کامیابی ہے کہ اس نے ہر عمر اور سطح کے اسکالر کو امام صاحب کی ہمہ صفت شخصیت اور ان کے مبلغ و منبع علم کی طرف متوجہ کیا ہے' **فللحمد اللہ علی ذالک**' یہ محض اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے' وہ جس سے جو چاہے کام لے لے۔ ہم اس کے فضل عمیم پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔

اسی طرح اگر آپ اس کے عنوانات پر نظر ڈالیں تو آپ ضرور محسوس کریں گے کہ ان میں کس قدر تنوع اور وسعت ہے' پھر آپ جب ان مقالہ جات کا مطالعہ فرمائیں گے تو باوجودیکہ ہر مقالہ اپنی جگہ معیاری ہے (اگرچہ ان کے معیار میں تفاوت بھی ہوگا)' آپ کو احساس ہوگا کہ اب بھی ان عنوانات میں بہت وسعت ہے' مزید مواد و ماخذ مہیا' یا تلاش کیا جاسکتا ہے' نقد و نظر کے کئی زاویے نکل سکتے ہیں۔ یہ امر ہمارے موقر مقالہ نگار حضرات کی کاوش قلم میں کوتاہی کا مظہر نہیں' الا ماشاء اللہ' بلکہ یہ ممدوح محترم ذوی **المجد والکرم** کے وسعت علم' عبقریت' علمی گہرائی و گیرائی اور متنوع علوم و فنون پر کامل دستگاہ کی بین دلیل ہے۔ کہ شخصیت اس قدر ہمہ جہت' متنوع اور قد آور علوم و فنون میں اس قدر تنوع' کمال علم میں وہ رفعت و بلندی' اور جس منبع علم سے یہ سیراب ہیں وہ "عیب

تنہائی" سے بری۔

عبد مصطفےٰ محمد احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری قدس سرہ العزیز کو احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ، نبی محترم، معدن الجود والحلم والعلم والکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے، جو علم کا بحر بیکراں ہیں، وہ حصہ وافر عطا ہوا ہے کہ بقول حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کہ جتنا ہی اس کو خرچ کیا جائے گا اسی قدر اس کی افزائش اور روئیدگی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ان شاء اللہ صبح قیامت تک اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر لکھا جاتا رہے گا، اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا جیسے عشاق کا بھی چرچا ہوتا رہے گا۔ ع

پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے

اس لئے کہ ع

"ورفعنالک ذکرک" کا ہے سایہ تجھ پر

آخر میں راقم اپنے ان تمام مقالہ نگار حضرات کا جنہوں نے ہماری دعوت پر اپنے قیمتی مقالے سے ہمیں نوازا، اور ان حضرات گرامی کا بھی جن کے پر مغز مقالے ہم نے کسی رسالے سے اس کے مدیر کے شکریہ کے ساتھ اخذ کئے ہیں، شکر گذار ہیں۔ ہم ان مدیران جرائد اور ان کے مالکان کے بھی ممنون ہیں۔ جن سے ہم نے بعض مقالے اخذ کئے ہیں۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم ان محترم حضرات کا شکریہ ادا نہ کریں جن کی وجہ سے معارف رضا ۱۹۹۸ء کی طباعت و اشاعت ممکن ہوسکی، خاص طور پر ہمارے سرپرست اعلیٰ حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ، محترم شیخ نثار احمد صاحب چیئرمین پراچہ ٹیکسٹائل ملز حاجی امین برکاتی صاحب، حاجی رفیق برکاتی صاحب، محترم جاوید حبیب، محترم زبیر حبیب، حاجی مہر دین صاحب، محترم حاجی حنیف جانو صاحب اور دیگر مخیر حضرات۔

اس موقع پر راقم اپنے ادارہ کے اراکین کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے جن کی صبح و شام کی محنت، پر خلوص تعاون، لگن اور ذاتی توجہ سے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور طباعت و اشاعت کی منزلیں، بخیر و عافیت اور بسرعت اور بصد حسن و خوبی طے ہوسکیں، خاص طور سے آنریری فائنانس سیکریٹری جناب منظور حسین جیلانی صاحب جنہوں نے کراچی میں قیام نہ کرتے ہوئے بھی ہمیں یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہیں، ٹیلی فون پر مسلسل رابطہ رکھا، ہر ہر سطح پر پیش رفت سے باخبر رہے اور وسائل کی فراہمی کے لئے دوسرے شہر میں بیٹھ کر جو "سعی مشکور" فرماتے رہے اس سے بھی ہمیں آگاہ رکھا اور مفید مشورے سے بھی نوازتے رہے۔ مزید یہ کہ صاحب خیر و ثروت حضرات سے ایک خطیر رقم ادارے کو مہیا کی، جناب عبدالطیف قادری صاحب جنہوں نے کئی نازک موقعوں پر نہ صرف ادارے کو مالیاتی نقصان سے بچایا بلکہ ہر آڑے وقت میں ادارہ کو اپنے جیب خاص سے فنڈ بھی فراہم کیا۔ جناب اقبال احمد قادری مرکزی آفس سیکریٹری، جناب سید خالد سراج صاحب اکاؤنٹینٹ اور جناب زاہد اللہ قادری کی مخلصانہ انتھک محنتیں بھی معارف رضا ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں شامل ہیں۔ کمپوزنگ سے لے کر طباعت تک ہر مرحلے پر ان حضرات نے الیکٹرک پاور نہ ہونے کے باوجود محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنا قیمتی وقت ادارہ کو دیا اور معارف رضا ۱۹۹۸ء کے گیٹ اپ کو نہ صرف خوبصورت کیا بلکہ معارف رضا کی صوری اور معنوی زیب و آرائش میں اپنی بہترین صلاحتیں صرف کیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام حضرات و احباب ادارہ کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ ہم نے مقالہ جات کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں حتی المقدور احتیاط برتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر ان میں کوئی سہو یا فروگزاشت رہ گئی ہو

بقیہ صفحہ ۳۳ پر

کنزالایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

علامہ اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ دارالعلوم غوثیہ، دیوریا، انڈیا)

کنزالایمان جو قرآن مجید کا اردو میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے، جسے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مختصر سی مدت میں حضرت صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) کو املا کرایا۔ اس ترجمہ میں امام رضا نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ مفاہیم قرآنی کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، یہ انہیں کا حصہ تھا۔ پورے ترجمے میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی جگہ نہیں لیکن معاندین کو ہر خوبی عیب ہی نظر آتی ہے، اعتراض کا حاسدانہ جذبہ پیدا ہوا تو بزعم خویش بہت زبردست اور اہم اعتراض یہ کیا :

"مولوی احمد رضا نے جب اپنا ترجمہ قرآن کنزالایمان کے نام سے پیش کیا اس وقت بھی بہت سے اردو ترجمے موجود تھے ان حالات میں ایک نئے اردو ترجمہ کی کیا ضرورت تھی۔" (ا)

یہ اعتراض کس قدر مضحکہ خیز، بے بنیاد اور محض معاندانہ و جاہلانہ روش پر مبنی ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ملاحظہ ہو دیوبندیوں کے شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں :

"بندہ کے احباب میں اول مولوی عاشق الٰہی سلمہ ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا اس کے بعد مولانا اشرف علی صاحب نے ترجمہ کیا، احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو جملہ خرابیوں سے پاک و صاف اور عمدہ ترجمے ہیں۔" (٢)

اب مذکورہ بالا عبارت پر معترض کے انداز میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب مولوی عاشق الٰہی کا ترجمہ پہلے سے موجود تھا تو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے کون سی کمی محسوس کی کہ ایک

دوسرے ترجمہ کی ضرورت پڑی۔ مولوی عاشق الٰہی نے ۱۳۱۸ھ /۱۹۰۰ء (۳) میں ترجمہ پیش کیا اور مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء (۴) میں پانچ سال پورا ہوتے ہوتے ایک دوسرا ترجمہ پیش کیا۔ یہیں سے بس نہیں بعد میں چل کر حضرت شیخ الہند نے بھی تھانوی صاحب کے ترجمے کے چار سال بعد ترجمہ کرنا شروع کیا جس کی ابتداء ۱۳۲۷ھ /۱۹۰۹ء (۵) سے ہوتی ہے اور تکمیل ۱۳۳۷ھ /۱۹۱۹ء (۶) میں۔ گویا کہ دس سال کی جہد مسلسل کے بعد یہ ترجمہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

مزید چند ترجموں کی ایک مختصر سی فہرست پیش خدمت ہے جو مذکورہ تینوں ترجموں کے بعد وجود میں آئے۔

مولوی احمد حسین ندوی کا ترجمہ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء (۷) میں لکھا گیا--- مولوی عبدالماجد دریابادی کا ترجمہ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۴ء (۸) میں لکھا گیا--- اور مولوی احمد سعید دہلوی کا ترجمہ ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء (۹) میں لکھا گیا---اس کے بعد بھی بعض علماء دیوبند نے مزید ترجمے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے متعدد تراجم پیش کئے۔

اب میں دوبارہ اس سوال کو دہرا رہا ہوں کہ جب عمدہ اور صاف ستھرے ترجمے موجود تھے تو بعد میں ان سارے ترجموں کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

اور سچ کہا ہے کسی نے :

ہے اعتراض غیروں پہ اپنی خبر نہیں

اب یہاں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے رضوی ترجمہ پر اعتراضات کا جائزہ لیں--- امام احمد رضا قدس سرہ نے بسم اللہ کا بایں الفاظ ترجمہ کیا۔

"اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔" (کنزالایمان)

مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ یہ ہے :

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔"

شیخ الہند محمودالحسن دیوبندی کا ترجمہ یہ ہے :

"شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

مذکورہ تینوں ترجموں میں اول الذکر امام احمد رضا قدس سرہ کا ترجمہ ہے' اس میں آپ نے اسم جلالت (اللہ) کو شروع عبارت میں پیش کیا ہے اور باقی دونوں ترجموں میں درمیان عبارت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں معاندین کا یہ خیال ہے کہ امام احمد رضا نے لفظ اسم جلالت (اللہ) کو شروع میں لاکر کون سی خوبصورتی پیدا کردی' فعل

مقدر کو شروع میں ظاہر کیا جائے یا بعد میں دونوں صورتوں میں ترجمہ کے اندر کوئی فرق لازم نہیں آتا۔ یہ مخالفین کا عام اعتراض ہے جسے کنزالایمان کے خلاف لکھی جانے والی تقریباً" ہر کتاب میں دہرایا گیا ہے۔

"مجرم کون" جو قاری **رضاء المصطفی** اعظمی مقیم پاکستان کی کتاب "قرآن کے غلط ترجموں کی نشاندہی" کا جواب ہے اس کے مصنف لکھتے ہیں :

"حضور سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے وحی نازل ہوئی اس کے الفاظ **(اقرا باسم ربک الذی خلق)** میں معبود کائنات اپنے محبوب کامل کو سب سے پہلا سبق دے رہا ہے اور **(باسم رب اقرا)** نہیں فرماتا بلکہ **اقرا باسم ربک** فرماتا ہے۔" (۱۰)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسم جلالت کو مقدم کرنے میں کوئی خوبی ہوتی تو رب کائنات **اقرا باسم ربک** نہ فرماتا بلکہ **باسم ربک اقرا** فرماتا یعنی اسم جلالت کو مقدم کرتا تو پتہ چلا کہ اسم جلالت کو شروع میں لایا جائے یا بعد میں بات برابر ہے۔

اس سلسلے میں اپنی طرف سے کوئی صفائی نہیں پیش کرنی ہے ہاں چند معتبر کتابوں کے حوالے پیش کرنے کی جرات کروں گا جس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ حقیقتاً" ترجمہ کس طور کا ہونا چاہئے۔

علامہ قاضی بیضاوی تفسیر بیضاوی میں رقم طراز ہیں :

"الباء متعلقہ بمحذوف یقدیرہ بسم اللہ اقرا ---- تقدیم المعمول ھھنا اوقع کما فی قولہ تعالی بسم اللہ مجریھا۔" (۱۱)

(تفیسر بیضاوی، ص ۳-۴)

"بائے بسم اللہ ایک محذوف سے متعلق ہے جس کی تقدیری عبارت بسم اللہ اقرا ہو گی---- اور اس مقام پر معمول کا مقدم کرنا ہی زیادہ مستعمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **بسم اللہ مجریھا۔**

تلخیص المفتاح مین بحث احوال متعلقات الفعل کے تحت مرقوم ہے :

"ویفید فی الجمیع وراء التخصیص اھتماما بالمقدم ولھذا یقدر فی بسم اللہ موخرا و اورد اقرا باسم ربک واجیب بان الاھم فیہ القراءۃ"

(تلخیص المفتاح، ص ۲۵)

"اور اس شئی کی تقدیم جس کا حق موخر ہونا ہے تمام میں تخصیص کے علاوہ مقدم کے اہتمام کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بسم اللہ میں عامل مقدر کو موخر کیا جاتا ہے۔ (تاکہ اختصاص اور اہتمام کا فائدہ دے۔)

اس آیت میں **اقرا باسم ربک** کو لیکر اعتراض کیا گیا کہ اگر تقدیم سے اہتمام کا فائدہ حاصل ہوتا تو **باسم ربک اقراء** کہنا چاہئے تھا یعنی فعل کو موخر کرنا اور جار مجرور کو مقدم لانا چاہئے تھا۔ تو جواب دیا گیا کہ اس میں قراءت اہم ہے۔ اسی لئے اس کو مقدم کیا گیا اور بسم اللہ میں اسم اللہ سے تبرک مقصود ہے، اس لئے یہاں مقدر کو موخر مانا گیا۔

صاحب مختصرالمعانی نے کشاف کے حوالے سے لکھا ہے :

"حقیقتاً اللہ کا ذکر اہم ہے، لیکن اس خاص موقع پر قراءت ہی اہم ہے، اس لئے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی اور قرآن مجید کی قراءت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اسم جلالت (اللہ) کا مقدم ہونا بطور اہتمام ذاتی ہے۔ اور تقدیم قراءت بطور اہتمام عارضی" (۱۳)--- اور فن بلاغت کی رو سے بوجہ اقتضائے مقام اہتمام عارضی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے اس آیت میں **اقراء** کو مقدم کیا گیا۔

اقرا باسم ربک میں اہتمام عارضی کو لیکر اہتمام ذاتی پر اعتراض کرنا جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے نری جہالت ہے اور گھناؤنا تعصب۔

ہدایتہ النحو کی شرح **درایہ النحو** میں بھی ہے کہ "بسم اللہ" میں فعل محذوف کو آخر میں ظاہر کیا جائے گا نہ کہ شروع میں جیسے **بسم اللہ ارتحل**، **بسم اللہ اسافر** وغیرہ۔ اس لئے کہ ہر شئے جس کا حق موخر ہونا ہے اگر اسے مقدم کر دیا جائے تو اختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے **ایاک نعبد و ایاک نستعین** اور **اقراء باسم ربک** میں اسم جلالت (اللہ) کو مقدم نہیں کیا گیا **بکلہ** اقراء کو مقدم کیا گیا اس لئے یہاں قراءت کا حکم ہے جو تبلیغ رسالت کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ (۱۴)

(خلاصہ - از **درایہ النحو**)

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں جب ہم امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ کا ترجمہ دیکھتے ہیں تو اصول نحو اور فن بلاغت کے عین مطابق نظر آتا ہے۔ لیجئے اس ترجمہ کو ایک مرتبہ پھر پڑھئے اور لذت حاصل کیجئے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔"

لگے ہاتھوں درج ذیل اعتراض کی بھی حقیقت کو سمجھتے چلیں معترض لکھتے ہیں :

"خاں صاحب نے ترجمہ کیا "نہایت مہربان رحم والا" نہایت مہربان رحمٰن کا ترجمہ ہے جبکہ رحم والا رحیم کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ترجمہ راحم

کا ہے کیوں کہ رحیم کا لفظ متقاضی تھا کہ اس کے اندر کچھ نہ کچھ معنی کی زیادتی ہو جیسا کہ **مترجمین** کے تراجم میں موجود ہے مگر خاں صاحب نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔" (۱۵)

اردو سے تھوڑا سا بھی **شغف** رکھنے والا انسان اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح "نہایت" کا تعلق مہربان سے ہے، اسی طرح رحم والا سے بھی ہے، گویا کہ اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ نہایت مہربان، نہایت رحم والا، اور حقیقتاً اسی ترجمہ میں زیادہ خوبصورتی اور جامعیت ہے کہ عربی کا ایک مقولہ ہے "**خیر الکلام ما قل و دل**" بہتر کلام وہی ہے جو کم عبارت میں ہوتے ہوئے بھی مفہوم اصلی کو خوب واضح کرتا ہو۔ **مثلاً**" اردو میں کہتے ہیں بڑی خوشی و مسرت کا موقع ہے، فلاں بڑے زبردست عالم فاضل ہیں--- اب کوئی اتنی بھی اردو نہ جانے اور اعتراض کرنے چلے امام علم و فن کے ترجمہ قرآن پر تو اسے خود اپنی ہی عقل و بساط علم پر ماتم کرنا چاہئے اور جو حضرات محض معاندانہ روش اپنائے ہوئے ایسے بھونڈے اعتراضات کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ان کو بھی ذرا تعصب کی عینک ہٹا کر حقیقت کو صاف و شفاف دن کے اجالے میں دیکھ لینا چاہئے۔

تھانوی صاحب کے ترجمہ میں لفظ "ہیں" پر کلام ہوا کہ یہ لفظ "ہیں" کس لفظ کا ترجمہ ہے تو جواباً" ایک چھوٹی سی مثال لکھ کر یوں سمجھاتے ہیں۔ مثال یہ ہے "**اللہ واحد**"

"کیونکہ اللہ ایک ہے ان کے قواعد کی رو سے درست نہیں کہ اللہ کا ترجمہ اللہ اور واحد کا معنی ایک، یہ "ہے" کہاں سے بن بلایا مہمان بن گیا۔ موصوف اگر مبتدا اور خبر کے رابطے کے وجود سے لاعلم ہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہے، دوسری بات یہ کہ خاں صاحب نے بھی ترجمہ میں "جو" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، تو وہ اپنے ہی انداز میں سوال کی اجازت دیں کہ "جو" کس لفظ کا ترجمہ ہے۔" (۱۶)

بڑی حیرت کی بات ہے کہ کہاں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" میں نسبت ناقصہ اور معترض کی پیش کردہ مثال "اللہ واحد" میں نسبت تامہ، نسبت ناقصہ کو سمجھانے کے لئے نسبت تامہ کو مثال میں پیش کرنا عجیب تر ہے--- یہ صرف اردو خواں طبقہ کو دھوکا دینا ہے احقاق حق مقصود نہیں--- اللہ واحد میں ہم رابطہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن موصوف برائے کرم اس کی بھی نشاندہی کریں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں کون سا رابطہ ہے جس کی بنیاد پر "ہیں" کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔

اب اس کا بھی جواب سنتے چلئے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "جو" کا ترجمہ کہاں سے کیا۔

تو جناب ہی بتائیں کہ تھانوی صاحب نے "جو" کا ترجمہ کہاں سے کیا۔ **فما هو جوابك هو جوابنا۔** اور شاید یہ آپ کو نہیں معلوم کہ الف لام **مشتقات میں "الذی"** کا معنی دیتا ہے پھر اعتراض چہ معنی دارد' کیا یہ نرا تعصب نہیں؟

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمودالحسن دیوبندی ان دونوں حضرات نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان رحم والے ہیں۔" (اشرف علی)

"شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔" (محمودالحسن)

ان دونوں ترجموں میں "ہیں اور ہے" مذکور ہے۔ جبکہ عربی کے ابتدائی درجے کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ موصوف اور صفت کے ترجمے میں لفظ "ہیں" یا "ہے" ذکر کرنا غلط ہے' کیونکہ "ہیں یا ہے" نسبت تامہ کا ترجمہ ہے' موصوف اور صفت میں نسبت تامہ نہیں ہوتی بلکہ ناقصہ ہوتی ہے' اور یہ دونوں لفظ نسبت ناقصہ کا ترجمہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔۔۔ اس لئے یہ ترجمے اسلوب قرآنی اور قواعد عربی کے بالکل خلاف ہیں۔

حوالہ جات

(۱) جمیل احمد نذیری' رضا خانی ترجمہ و تفسیر پر ایک نظر' ص ۱۱۹' مکتبہ صداقت مبارکپور۔

(۲) محمود الحسن دیوبندی' مقدمہ ترجمہ قرآن' ص۔۔۔' مجمع ملک فہد مکہ مکرمہ

(۳) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۴۱' دیوبند

(۴) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۵۱' دیوبند

(۵) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۵۱' دیوبند

(۶) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۵۱' دیوبند

(۷) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۶۰' دیوبند

(۸) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۶۰' دیوبند

(۹) سالم قاسمی' جائزہ تراجم قرآنی' ص ۶۹' دیوبند

(۱۰)۔۔۔ مجرم کون' ص ۳۴' دیوبند

(۱۱) ناصر الدین قاضی بیضاوی' تفسیر بیضاوی' ص ۳۔۴' مکتبہ رحیمیہ' دیوبند

(۱۲) محمد عبدالرحمٰن قزوینی' تلخیص الفتاح' ص ۲۵' کتابستان' دیوبند

(۱۳) سعدالدین تفتازانی' مختصر المعانی' ص ۱۸۱' مکتبہ رشیدیہ' دہلی

(۱۴) درایتہ النحو' ص ۳' مکتبہ تھانوی' دیوبند

(۱۵) مجرم کون' ص ۳۶

(۱۶) مجرم کون' ص ۳۵

عُلومِ حدیث اور محدّث بریلوی

علامہ محمد انور نظامی۔ مصباحی (انڈیا)

محدثین کرام کا ایک طویل سلسلہ ماضی کی تاریخ میں ملتا ہے۔ جنہوں نے دین حق کی خدمت میں زندگی کے بیشتر لمحات صرف کئے اس سلسلے کی ایک کڑی گزشتہ صدی میں ہمیں ملتی ہے۔ وہ شخصیت ایسے وقت میں جلوہ گر ہوئی جب ہر چہار جانب مختلف شرک و بدعت کے علاوہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا حرج و قدح کیا جارہا تھا۔ صحاح حدیثیں ضعیف اور صحیحین کے رواہ مردود قرار دیئے جارہے تھے۔ دنیا ایسی ذات کے لئے سراپا انتظار تھی۔ جس کا ہر ہر لحہ احادیث رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو جو علم حدیث میں ملکہ راسخہ کا حامل ہو جو فن رجال میں کمال مہارت رکھتا ہو۔ جو علم حدیث کا بحر زخار ہو اور احادیث کے سلسلے میں بے بنیاد افواہوں اور رواۃ پر بے جا الزامات کو برگ خزاں کی طرح بہا لے جائے۔ آخر شرک و بدعت کی سیاہ بدلی چھٹی اور علوم و فنون کا خورشید تاباں علم حدیث کا نیر اعظم ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں افق بریلی سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا اور پچاس سے زائد علوم و فنون کے علاوہ علم حدیث کی روشنی سے جہالت کے دبیز پردوں کو چاک کردیا۔ علم و فضل کا وہ آفتاب جسے دنیا مجدد دین و ملت، امام اہل سنت، اعلی حضرت، حجۃ اللہ علیہ العالمین امام المحدثین امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ و الرضوان کے نام سے جانتی اور پہچانتی اور مانتی ہے۔ چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن ختم کیا۔ چھ سال میں پہلا خطبہ دیا۔ آٹھویں سال ہدایت النحو کی عربی شرح لکھی دس سال میں مسلم الثبوت پر حاشیہ تحریر فرمایا چودہ سال کی عمر میں دستار فضیلت اور اسی سال مسند افتاء پر فائز

ہوئے۔ سند حدیث والد ماجد مولانا نقی علی خاں، سید آل رسول ماہروی، سید عابد حسین سندھی امام شافعیہ حضرت حسین ابن صالح جمال۔ مفتی شافعیہ سید احمد دین دجلانی اور مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج علیم الرحمتہ و الرضوان سے حاصل کیا۔ آپ کی سند حدیث مسلسل تین واسطوں سے ہے جس کا آپ نے "الاجازۃ الرضویہ" میں تذکرہ فرمایا ہے۔ ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اور دوسرا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ سے وابستہ ہے۔ فن رجال میں آپ کو کافی دسترس تھی اسمائے رجال پر ایسے نظر عمیق کے حامل تھے کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے علم حدیث میں آپ منفرد تھے معنی میں بحث ناسخ و منسوخ کی تمیز متعارضین کی تطبیق تو آپ کا خاصہ تھا اس میں آپ کا جواب نہ تھا محدثین کے درمیان ممتاز تھے احادیث سندوں کے ساتھ ذہن میں حاضر رہتی تھیں ایک ایک مسئلہ سے متعلق متعدد حدیثیں یاد تھیں۔

علم کے وہ بحر ذخار جس سے علم حدیث کی نہر نکلی تو محدثین کی کتابوں کے مطالب کو سیراب کرتی حاشیہ کی شکل اختیار کرگئی فن تخریج اور طبقات حدیث کی باریکیاں ظاہر کرتی مستقل کتاب کے روپ میں سامنے آئی۔ اور جب سیل رواں بن کر چلی تو حدیث کے متعلق گمراہوں کی جس قدر بے تمیزیاں، فتنہ سامانیاں، افواہیں اور پروپیگنڈے تھے سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئی۔ حدیث میں آپ کو وہ نمایاں مقام حاصل تھا کہ احادیث کریمہ کا بحر ذخار آپ کے سینے میں موجزن رہتا یہی وجہ تھی کہ جس موضوع پر آپ کا قلم اٹھتا اسلامی مزاج اور اسلامی افکار و نظریات کی حمایت اور کفر و ضلالت کی تردید و ابطال میں احادیث کا اتنا انبار لگا دیتے کہ مخالف کو بھی ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ چھ مستقل رسائل کے علاوہ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر ۳۴ کتب حدیث کو حواشی سے مزین فرمایا اور اس طرح علم حدیث میں کل ۴۵ تصنیفیں بطور یادگار چھوڑ گئے جو ان کی شخصیت کو تاقیامت اجاگر کرتی رہیں گی۔

۱۳۰۳ھ میں مدرستہ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسے میں علمائے سہارنپور، کانپور، رامپور، جونپور اور بدایوں کی موجودگی میں محدث سورتی کی خواہش پر اعلی حضرت نے علم حدیث کے موضوع پر متواتر تین گھنٹوں تک پر مغز و مدلل تقریر فرمائی جلسہ میں موجود علمائے کرام نے ان کی تقریر کو استعجاب کے ساتھ سنا اور کافی تحسین کی مولانا خلیل الرحمٰن ابن مولانا احمد علی سہارنپوری نے تقریر ختم ہونے پر بے ساختہ اٹھ کر اعلی حضرت کی

دست بوسی کی اور فرمایا اس وقت والد ماجد ہوتے تو آپ کی تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہیں کو اس کا حق بھی تھا۔ محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اس کی تائید فرمائی (امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں صفحہ نمبر ۱۳۲)

تلمیذ فاضل بریلوی مولانا سید محمد کچھو چھوی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے۔ اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم رجال کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کے جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تھا تو تہذیب و تذہیب میں وہی لفاظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سینکڑوں راویان حدیث ہیں مگر جس یحییٰ کے طبقہ و استاذ و شاگرد کا نام بتا دیا وہی ہوتا گویا اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ واسما سے بتا دیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح--- اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خدادا علمی کرامت" (خطبہ صدارت ناگپور ۱۳۷۹ھ)

تخریج میں آپ یدطولی کے مالک تھے اس فن میں آپ نے ایک رسالہ "الروضہ البھیجتہ فی آداب التخریج" تحریر فرمایا یہ اس فن میں جامعیت کے ساتھ ساتھ ندرت کا حامل ہے۔ پڑھنے والا خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ مؤرخ مولانا رحمٰن علی ممبر کونسل آف ریاست دیوان (مدھیہ پردیش) اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اگر پیش ازیں کتابے دریں فن
یافتہ نشود پس مصنف را موجد
تصنیف ہذا می تواں گفت

ترجمہ : اگر اس کتاب کے سامنے اس فن کی کوئی کتاب نہ ہوتی تو مصنف کو اس فن کا موجد کہا جاسکتا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند صفحہ نمبر ۱۷)

حرمت سجدہ تحیت کا مسئلہ آیا تو چالیس احادیث سے آپ نے ثابت کیا کہ غیر خدا کا سجدہ حرام ہے خود فرماتے ہیں :

حدیث میں چہل حدیث کی فضیلت آئی ہے ائمہ و علماء نے رنگ برنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں :

(الزبدۃ الذکیہ فی تحریم سجدۃ التحتیہ

صفحہ نمبر ۱۰) اس کتاب کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے نزہتہ الخواطر (۱۳۲۷ھ) کے مصنف نے لکھا ہے۔ وہ حرمت سجدہ تعظیمی کے قائل تھے اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بنام (الزبدة الزکیتہ فی تحریم سجدہ التحیۃ) تصنیف کیا یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔ (نزہتہ الخواطر جلد ثامن صفحہ نمبر ۳۸)

غیر مقلدوں کے امام اور مجتہد میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے جمعہ تقدیم و تاخیر کے اثبات میں ان حدیثوں کو پیش کیا جو ان پر بالکل دلالت نہیں کرتیں اور احادیث صحاح پر لغو جرح و قدح صحیحین کے رواۃ کو مردود کہا تو فاضل بریلوی نے اس مجتہد العصر کی جو علم حدیث کے بحر ناپیدا کنار کے ساحل سے کھیل رہا تھا' بے بضاعتی کو اظہر من الشمس اور ابین من الامس کردیا اور ثابت کردیا کہ میاں نذیر جو کہ مجتہد العصر کہلاتے ہیں ان کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے کم درجے کی ہے اور اس کی تردید میں ایک مفید رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع بین الصلاتین" تحریر فرمایا :

آپ کے وفور علم نے یہ کتاب لکھنے پر برانگیختہ کیا اور علم حدیث کے لعل و جواہر مچلتے ہوئے جذبات کی طرح نوک قلم سے نکل کر تحریر کی شکل میں صفحہ قرطاس پر پھیلنے لگے۔ حدیث تخریج اور رجال کا سیل رواں اپنے شباب پر آیا اور مخالف کو سوکھے ہوئے تنکے کی طرح بہا لے گیا۔ جمع صوری کے اثبات کا مقام آیا تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو دس سے زائد طرق سے روایت فرمایا اس کے علاوہ متعدد احادیث صحاح جمع صوری کے اثبات میں نقل فرمایا۔

میاں نذیر حسین جمع تقدیم و تاخیر میں دو دو ایسی حدیثیں پیش کرسکے تھے جن میں بزعم ان کے "تاویل مخالف کو دخل نہیں اور کسی طرح عذر و تاویل جرح و قدح کو دخل نہیں" اور جو ان کے وہم میں نصوص قاطعہ تاویل" جمع تھیں۔ تقدی' جس کے بہت سے علمائے مالکیہ اور شافعیہ تک معترف ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں اور ملا جی اپنی ملائیت کے بھروسے سے احادیث صحیحہ صریحہ' مفسرہ' قاطعہ سے ثابت کردکھانے کا بیڑا اٹھا کر چلے لیکن فاضل بریلوی نے ثابت کردیا کہ ۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرہ خوں نہ نکلا

فاضل بریلوی نے احادیث میں ثابت کردیا کہ "عذر و تاویل جرح و قدح کو دخل نہیں" کا دعوی محض اس کا وہم اور کم مائگی اور و کم علمی

کی دلیل ہے۔ آپ نے جب انہیں احادیث کو متعدد طرق سے مع سند بیان کرنا اور ضعف و غرابت دکھانا شروع کیا تو بیان کا تسلسل قائم ہوگیا۔ جمع تاخیر کے ثبوت میں جو دو حدیثیں میاں نذیر حسین نے پیش کی تھیں ان میں سے ایک ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو متعدد طرق سے مع سند بیان فرمایا خود لکھتے ہیں۔

"حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے چالیس طرق اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں۔"

(حاجز البحرین الواقی عن جمع بین الصلاتین صفحہ نمبر۶۷)

پھر آپ نے ثابت کیا کہ ان میں اکثر محض مجمل اور کچھ صوری کی تصریح میں ہیں۔ بعض میں جمع تاخیر کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر موقوف ہیں ان میں سے تین میں کسی طرح صحت پائی جاتی تھی ان کے جوابات دیئے۔

میاں نذیر حسین آپ کی زد میں آئے تو آپ نے اس کی حدیث میں بے تمیزیاں جرح و تعدیل میں بے اعتدالیاں رجال میں کم مائیگی اصول میں کم علمی، ظاہر کردیا اور ملاجی کی خیانتیں، حدیث میں معنوی تحریفیں، ان کی شوخ چشمیاں اور جہالتیں واضح کرکے اس "مجتہد العصر" کو اہل علم کے سامنے عریاں کردیا۔

آپ کی حدیث دانی کو اہل ہندو و پاک ہی نے نہیں بلکہ علمائے عرب نے بھی سراہا چنانچہ "الدولتہ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" پر جو کہ علم غیب سے متعلق وہابیہ کے پانچ سوالات کے جواب میں آپ نے آٹھ گھنٹے کے اندر عربی میں تحریر فرمائی۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ یٰسین الغیاری علیہ الرحمتہ (مدینہ منورہ) رقم طراز ہیں :

یہ کتاب مسائل شریفہ کی تحقیق کے لئے ایک قاموس ہے بزرگ اور بلند معارف کی تفتیش کے لئے ایک حصار ہے کیوں نہ ہو کہ وہ محدثین کے امام ہیں ملحدین کی گردنوں کے لئے تلوار ہیں یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ ہیں مولانا شیخ کامل بزرگ سردار احمد رضا خاں ہمیشہ لباس معرفت میں جلوہ گر رہیں۔ (امام احمد رضا علمائے حجاز کی نظر میں)

اہل علم اور حقیقت شناس علماء نے ان کی تبحر علمی کا اور حدیث دانی کا اعتراف کیا ہے اور حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے نزہتہ الخواطر کے مصنف نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کا انکار یوں کیا ہے۔

قلیل البضاعۃ فی الحدیث و التفسیر۔

حدیث اور تفسیر میں کم علم (نزہتہ الخواطر جلد ثامن

آبدار موتی سمندر کی تہوں میں مخفی ہوتے ہیں اگر ان تک کسی اپاہج کی رسائی نہ ہو سکے تو ان میں موتیوں کا کیا قصور۔

(بشکریہ۔ ماہنامہ اشرفیہ' مبارک پور

فتاویٰ رضویہ۔ ایک فقہی شاہکار

پروفیسر علامہ جی اے حق محمد (ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد)

فتاویٰ کی واحد فتویٰ ہے جو لغوی اعتبار سے "فتوۃ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کرم، سخاوت، مروت اور قوت۔ شرعی اصطلاحی فتویٰ میں یہ معانی ضرور پنہاں ہوتے ہیں یعنی شرعی فتویٰ ایک علمی سخاوت، کرم مروت اور قوت ہوتا ہے مفتی علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا ہے اور فتویٰ علمی وسعتوں کے ساتھ حکم شرعی اور یقین کامل کی پوری قوت کا حامل ہوتا ہے۔

فتویٰ کی تعریف کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے **"افتی العالم اذا بین الحکم"** عالم کا فتویٰ دینا اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ ایک حکم بیان کرتا ہے یعنی حکم تو اللہ عز و جل اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے مگر عالم اس پر پڑے ہوئے خفا کے پردے اٹھاتا ہے اور جہالت و لاعلمی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

فتویٰ کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتویٰ مشکل احکام کے بارے میں دیئے گئے جواب کو کہتے ہیں۔ اس تعریف میں کہے گئے لفظ "مشکل" پر غور کرنا چاہئے یعنی مفتی ایک مشکل کام سرانجام دیتا ہے نہ جانے ایک فتویٰ تحریر کرتے وقت کس قدر دماغی قوت صرف کرنی پڑتی ہے اور غور و فکر کی کتنی کاوش سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے جب کوئی اہم اور مشکل امر درپیش ہو اور ایک ماہر فن سے رجوع کرنا ضروری ہو تو عرب کہتے ہیں **"استفیت"** میں نے فتویٰ طلب کیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فتویٰ لکھنا ہر ایسے ویسے کی دسترس میں نہیں ہوتا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ فتویٰ "الفتی" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے الثابت، القوی۔ ہر اصطلاحی معنی میں اصل لغوی معنی کی مناسبت ضرور

ہوتی ہے اگرچہ لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا چلا جاتا ہے اور معنوی رنگ کئی رنگ اختیار کر لیتا ہے مگر بنیادی معنی کی رنگت بھی اس میں جھلکتی ہے۔ "الفتی" میں ثابت اور قوی ہونے کا مفہوم ہے یعنی فتویٰ وہی ہے جو شرعی دلائل سے ثابت ہو اور استدلال و استناد کی قوت کا حامل ہو۔

فتویٰ دینے' کا معنی حاصل کرنے کے لئے یہ لفظ ابواب صرف میں سے دو باب افتی اور فتی میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی ثلاثی مجرد اور ثلاثی مزید فیہ میں یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس پہلو کے مدنظر علماء نے یہ علمی نکتہ بیان کیا ہے کہ مفتی اصول و قواعد میں تصرف نہیں کرسکتا مگر جزئیات میں تصرف کرسکتا ہے۔

افتی کے لفظ کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ فعل متعدی ہے اور متعدی میں آگے پھیلنے اور دور تک اثر و نفوذ رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ فتویٰ دوسروں کے لئے نفع بخش اور اپنے شرعی اثرات دور تک پھیلاتا ہے۔ فتویٰ میں قوت کا معنی بھی مضمر ہوتا ہے اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ مفتی کو شرعی تحکم کی قوت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ باطل قوتوں سے نہیں ڈرتا اور حق بات کہنے میں بے باک ہوتا ہے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

فتویٰ کا لفظ مختلف صورتوں میں کئی مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور اللہ جل شانہ کو فتویٰ دینے والا کہا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے :

"قل اللہ یفتیکم" (النساء : ۱۲۷)

"آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے۔" اس لحاظ سے فتویٰ دینا اللہ عز و جل کی سنت ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرعی فتاویٰ کا اجرا فرمایا لہٰذا فتویٰ دینا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عہد رسالت میں اور اس کے بعد فتاویٰ زبانی طور پر اور تحریری طور پر بھی ارشاد فرمائے باقاعدہ فتویٰ دینے والے کم و بیش ۱۳۰ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں چند جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ، معاذ بن جبل، حضرت حذیفہ، عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابی بن کعب، عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود حضرت انس، ابو موسی اشعری، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمرو بن العاص، (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

تابعین عظام نے بھی افتاء کے عظیم الشان علمی ادارہ کو فروغ دیا جن میں سے مندرجہ ذیل کو کافی شہرت ملی سعید بن مسیب' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' عکرمہ' مجاہد' عطا' علقمہ' قاضی شریح' ابراہیم نخعی اور حماد اور امام اعظم ابوحنیفہ کا شمار بھی تابعین میں کیا جاتا ہے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

مفتیان مجتہدین کے کئی طبقات بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ مجتہدین فی المذہب : جو اپنے امام کے مسلک پر قائم رہے ہیں مگر جزئی مسائل میں اختلاف کیا مثلاً" امام ابو یوسف' امام محمد' امام زفر اگرچہ "مجتہد مطلق" تھے مگر حضرت ابوحنیفہ کے متبع رہے لہٰذا "مجتہد مطلق منتسب" کہلائے۔

۲۔ مجتہدین فی المسائل : وہ لوگ جنہوں نے جزئیات میں بھی اپنے امام کی اتباع کی مگر جہاں جزئیات میں اپنے امام کا قول نہ پایا تو خود اجتہاد کیا "مجتہدین فی المسائل" کہلائے۔

۳۔ اصحاب التخریج : جنہوں نے صرف احکام کی توضیح و تفصیل فرمائی انہیں "اصحاب التخریج" کہا گیا۔

۴۔ اصحاب الترجیح : یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے علم کی روشنی میں ائمہ کے باہمی اختلاف رکھنے والے اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دی۔

امام اہلسنّت حضرت الشاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی فقہی تالیفات پر غور کرنے کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ آپ مجتہد فی المسائل بھی تھے صاحب التخریج بھی اور صاحب الترجیح بھی۔

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ مفتی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور "ان العلماء ورثۃ الانبیاء" کا حقیقی مصداق ہوتا ہے۔ (الموافقات للشاطبی جلد نمبر۳ صفحہ نمبر۲۴۴)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ استفتا کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

(البحرالرائق لابن نجیم : جلد نمبر۶ صفحہ نمبر۲۹۰ الفروق للقرافی : جلد نمبر۴ صفحہ نمبر۸۹)

مفتی چونکہ حضرت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے اس لئے جو عالم دین میدان فتویٰ میں شاہسواری پر جس قدر کمال رکھتا ہوگا وہ اسی قدر اس قائم مقامی میں عالی مرتبت قرار پائے گا۔

اس پس منظر میں اگر اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ کا مطالعہ کیا جائے تو کسی پہلو کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ فتاویٰ رضویہ کا اصل نام "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" ہے یعنی یہ فتاویٰ خالصتاً" بارگاہ نبوت

علی صاحبھا الصلوۃ و السلام کا عطیہ ہے۔ یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ یہ فتاویٰ اعلیٰ حضرت کے لئے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی کا بین ثبوت ہے۔

فقہ کی کتابیں تین درجات میں تقسیم کی جاتی ہیں (۱) متون (۲) شروح (۳) فتاویٰ۔

علماء کرام نے متون کو پہلا درجہ دیا ہے اور فتاویٰ کو تیسرا درجہ مگر یہ تقسیم ان کے اپنی استعمالات کی روشنی میں کی گئی ہے بے شک عالم دین اپنے مطالعہ میں متون کو اولیت دیتا ہے پھر شروح کو اور پھر فتاویٰ کو مگر جہاں تک عام مسلمانوں کے استعمالات کا تعلق ہے ان کے لئے فتاویٰ کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔

عام لوگ فقہ کی متون یا شروح سے اپنے مسائل کا حل تلاش نہیں کرسکتے وہ فتاویٰ میں احکام شرعیہ اور دینی مسائل کا حل آسان اور بہتر طور پر موجود پاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی کتب فقہ کو اسی طور پر بیان فرمایا ہے کہ پہلے متون کا درجہ ہے پھر شروح کا اور پھر فتاویٰ کا یعنی کوئی عالم دین جب کسی شرعی حکم کی تحقیق چاہے تو پہلے متون پھر شروح اور پھر فتاویٰ کا مطالعہ کرے آپ نے امید فرمائی ہے کہ ان کے فتاویٰ اسی (تیسرے) درجے پر قبول کر لئے جائیں تو بھی اعزاز کی بات ہوگی۔ یہ آپ کی نیاز مندی اور منکسر المزاجی کا اظہار تھا۔ ورنہ تو یہی فتاویٰ رضویہ شریف تینوں اقسام پر مشتمل ہے اس کے بعض حصے متون میں بعض شروح میں اور بعض فتاویٰ میں شمار کئے جاسکتے ہیں اس اعتبار سے بھی یہ ایک عجیب اور نادر تصنیف ہے۔

شکر روسر کے بارے میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں دس مقدمات اور ایک ضابطہ کلیہ ہے اگر غور کریں تو نظر آتا ہے کہ ہر مقدمہ کی تمہید اور ضابطہ کلیہ متن ہے۔

اسی طرح رضا فاؤنڈیشن لاہور کا طبع کردہ فتاویٰ شریف جلد چہارم صفحہ ۴۹۱ پر "ولھذا" فرما کر لکھتے ہیں:

"عادت علمائے دین یوں ہے کہ حکم **بطہات** کے لئے ادنیٰ احتمال کافی سمجھتے ہیں اور اس کا عکس ہرگز معہود نہیں کہ محض خیالات پر حکم نجاست لگا دیں۔ دیکھو گائے، بکری اور ان کے امثال اگر کوئیں میں گر کر زندہ نکل آئیں قطعاً حکم طہارت ہے حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی رانیں پیشاب کی چھینٹوں سے پاک ہوتی ہیں مگر علماء فرماتے ہیں **محتمل** کہ اس سے پہلے کسی آب کثیر میں اتری ہوں اور ان کا جسم دھل کر صاف ہو گیا ہو۔"

یہ عبارت اور اسی طرح کی ساری عبارتیں متون کے زمرے میں ہیں بلکہ یہ کہنا بھی نا روا نہ ہوگا کہ فتاویٰ شریف میں شامل مستقل رسائل میں سے ہر رسالہ ایک مکمل اور مستقل متن کی حیثیت رکھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے صدر شریعہ کے قول پر بحث کی ہے۔ عمومی سطح پر نظر کرنے والا یہی کہے گا کہ یہ بحث شرح ہے مگر آپ خود فرماتے ہیں کہ "اس میں تفاصیل کثیرہ ہیں کہ کتابوں میں نہ ملیں گی۔ ان کے بیان میں یہ سطور وباللہ التوفیق" (جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۸۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس جملے سے اندازہ لگایئے کہ جو تفاصیل دیگر کتابوں میں نہ ملیں انہیں بہترین اور نادر شرح کہنے کے باوجود مستقل متن بھی کہا جاسکتا ہے۔

بالکل اسی طرح جلد چہارم صفحہ نمبر ۳۸۸ (رضا فاؤنڈیشن لاہور) پر "قلت" کہہ کر جو نور علم کی کرنیں بکھیری گئی ہیں اور اس مرغی کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے جس کا پیٹ چاک کئے بغیر پر اکھیڑنے کے لئے اس کو ابلتے ہوئے پانی میں ڈالا جائے۔ اگرچہ فقہا نے اس مرغی کو کلیتا" مردار قرار دے کر اس کو حرام ٹھیرا دیا ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اس کے پاک ہونے کے لئے جو طریقہ تعلیم کیا گیا ہے اعلیٰ حضرت نے اس پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کو بھی متن میں شمار کیا جانا چاہئے۔

جہاں تک شروح کا تعلق ہے اتنا کہنا کافی ہوگا کہ فتاویٰ شریف میں جابجا "قال" کہہ کر کسی عالم کا قول پیش کیا گیا ہے اور پھر "اقول" کہہ کر اس قول کی ایسی تشریح کی گئی ہے کہ اس کی تمامتر ممکنہ جزئیات کھول کر رکھ دی گئی ہیں۔ حمایت فرمائی ہے تو مجال انکار باقی نہیں رہی اور اگر رد کیا ہے تو بولنے کا موقعہ نہیں چھوڑا۔ یہ ساری مباحث بہترین شروح کے زمرے میں آتی ہیں اور اس میں کسی کو بھی ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا۔

شکر روسر کی بحث میں مقدمہ سابعہ کے تحت "الاشباہ والنظائر" شرح "غمزالعیون والبصائر" کا وہ مقام جہاں "شک" کے لغوی اور اصولی معانی پر گفتگو کی ہے پیش کرنے کے بعد "اقول" فرما کر امام اہل سنت نے نہایت پر مغز تشریح کی ہے۔ اس میں مربع حوض کے دونوں طرف برابر ہونے پر بات کی گئی ہے آپ فرماتے ہیں کہ مربع کی دونوں طرف جس طرح خارج میں برابر ہوتی ہیں اس طرح ذہن میں بھی برابر ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ دونوں اطراف عموم پر باقی رہتی ہیں نیز ان کا برابر ہونا مطلق ہے۔ بعض اوقات انسان کے سامنے دو چیزیں ہوتی ہیں وہ ان میں سے ایک کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے لیکن

دوسری کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔

بہرصورت فتاویٰ شریف کی تمام مباحث کی طرح یہ بحث بھی پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ گہری نظر ڈالنے کے بعد یہی نظر آتا ہے کہ "اقوال" کے تحت درج کی گئی تمام عبادتیں لازماً" شروح کے درجے میں ہیں اور بعض متون کا مرتبہ رکھتی ہیں۔

کئی لحاظ سے یہ فتاویٰ اپنی منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے جو دیگر فتاویٰ کو حاصل نہیں خواہ قدیم ہو یا جدید۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ فتاویٰ صرف فتاوی نہیں بلکہ متن بھی ہے شرح بھی ہے اور فتاویٰ بھی ہے۔ اس کی جامعیت کا ایک پہلو ہے جو بیان کیا گیا۔ اس کی جامعیت کا ایک اور ممتاز پہلو بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں متعدد اور انوکھے علوم و فنون کے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسا شاہکار ہے جو صرف مروجہ فقہی مسائل پر رہنمائی نہیں دیتا بلکہ سائنسی، تاریخی، جغرافیائی، طبی، نفسیاتی، عمرانی اور نہ جانے کن کن علوم کے نہ سمیٹے جاسکنے والے آفاق کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

بے شک ایک ریاضی دان اور علم ہیئت کا ماہر ورطہ حیرت میں ڈوب جائے گا جب فتاویٰ رضویہ میں اوقات نماز یا زکوۃ و ترکہ کے احکام کے ضمن میں علم ریاضی و ہیئت کے مسائل کو بکھرے ہوئے سمندر کی طغیان موجوں کی طرح اپنے ذہن و شعور پر غالب آتے ہوئے پائے گا۔

قدیم پیمانوں کو جدید مروجہ عام پیمانوں میں بیان کرنا خاصا مشکل کام ہے مگر اعلیٰ حضرت نے جابجا قدیم پیمانوں کو ٹھیک ٹھیک میٹر، سنٹی میٹر، اور کلوگراموں میں ایسے بیان کیا ہے جیسے انہوں نے قدیم زمانے کے پیمانوں کو خود ذاتی استعمالات کے ذریعے پورے طور پر سمجھا تھا اور جدید پیمانوں کو خود انہوں نے وضع کیا ہے بالکل اسی طرح کہ جس طرح اپنی تخلیق کردہ کسی شے کو اس کا خالق کماحقہ جانتا اور سمجھتا ہے، وہی صورت یہاں نظر آتی ہے۔

یہ ایک مشکل مسئلہ ہے کہ گول حوض کے دور کی پیمائش کیا ہونی چاہئے کہ وہ دہ در دہ ہوجائے اور اس کا پانی ماء کثیر قرار دیا جائے۔ اس مسئلے میں جتنے اقوال تھے اعلیٰ حضرت نے بیان فرمائے اور ایسی نفیس بحث کی اور اس طرح جدید پیمانوں میں وضاحت کی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

یہ بالکل جدید طریقہ ہے کہ کسی چیز کو جداول اور اشکال میں بیان کیا جائے اور اعلیٰ حضرت نے اس قدر بے تکلفانہ سائنسی علوم کے قواعد اور مشکل مسائل کو جداول اور اشکال میں واضح فرمایا ہے کہ گویا آپ ہی اس جدید طریقے کے بانی نظر آتے ہیں۔

مساجد کے لئے سمت قبلہ کا تعین ایک اہم اور دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ زمین گول ہے ہر شہر اور قریہ کا طول بلد اور عرض بلد مختلف ہوتا ہے آپ نے برصغیر کے اکثر شہروں کے لئے ایک جدول کے شکل میں جہت قبلہ بیان فرمائی اور ہر جگہ کا طول بلد اور عرض بلد بھی ذکر کردیا۔

اس ضمن میں آپ نے ایسے قواعد بھی بتلائے جو آپ ہی کے ایجاد کردہ ہیں ان کی مدد سے ایسی جگہ کی جہت قبلہ بھی معلوم کی جاسکتی ہے جہاں کا طول بلد اور عرض بلد معلوم نہ ہو۔

طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا وقت نماز کے لئے مکروہ وقت ہے اس کا تعین کس طرح کیا جا سکتا ہے، ائمہ مجتہدین نے ایک قاعدہ بنایا کہ طلوع و غروب میں جب تک عین آفتاب پر نظر جم سکتی ہے وہ مکروہ وقت ہے۔ اب ہر شخص بہ آسانی اس مکروہ وقت کی میعاد وقت کے پیمانے میں نہیں سمجھ سکتا اعلی حضرت نے تجربات و مشاہدات کے ذریعے طے فرمایا کہ یہ وقت بیس منٹ پر محیط ہے۔

اس فتاویٰ کی ممتاز صفات گنوائی جائیں تو یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ یہ فتاویٰ شریف صرف فقہی مسائل و احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ قرآن تفسیری آراء، حدیث، شروع حدیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ بشمول کتب متون، شروح، حواشی اور فتاویٰ، اصول فقہ، علم تاویل و تعبیر و ترجیح، لغت، فلسفہ، منطق، ریاضی، ہیئت، تاریخ، جغرافیہ، نفسیات، فلکیات، نجوم، طب، اور کئی علوم و فنون کا محیرالعقول انسائیکلو پیڈیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا اسلوب نگارش یک جہتی نہیں بلکہ ہمہ جہتی ہے اس کا ایک زاویہ اس طرح ہے کہ جہاں یہ فتاویٰ ماہرین علوم کے لئے ناپیدا کنار سمندر ہے کہ جہاں چاہیں جتنا چاہیں جیسے چاہیں غوطہ زنی کریں اور اپنی شناوری کے ذریعے عجیب و غریب چمکتے موتی تلاش کریں وہیں یہ فتاویٰ عام تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے متعلقہ سوال کا مختصر اور آسان حل بھی مہیا کرتا ہے۔

مثلاً "کتا نجس عین ہے یا نہیں کے سوال پر تمام جزئیات پر چھوٹی بڑی ساری معلومات جمع کرتے ہوئے صرف ایک اصول ایسا بیان کردیا کہ جو شخص ساری بحث کو سمجھنے سے قاصر رہا ہو وہ اس اصول کو پڑھ کر اصل مسئلہ سمجھ سکتا ہے آپ نے بیان فرمایا کہ کتا احادیث کی روشنی میں مال متقوم ثابت ہوا ہے اور جو چیز نجس عین ہو وہ مال متقوم نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہوا کہ کتا نجس عین نہیں ہے۔ صرف یہی دو سطریں پڑھ کر عام آدمی بھی مسئلہ بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اس فتاویٰ شریف میں ایک امتیازی وصف یہ بھی نظر آتا ہے کہ جن علم کے دعوے داروں

سے علمی کوتاہیاں سرزد ہوئیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا اعلیٰ حضرت نے ان کی خوب علمی گرفت فرمائی اور اصل حقائق اور شرعی احکام کو واضح فرمایا۔

مثلاً : ٢٠ ربیع الاول شریف ١٣٢١ھ میں کلکتہ امرتلالین سے حاجی لعل خاں صاحب نے اور ٢١ جمادی الاخری ١٣٢١ھ کو کانپور سے مولوی احمد حسن صاحب نے مسئلہ دریافت فرمایا کہ قبرستان میں جہاں چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں بقیہ جگہ بھی وقف ہے قبرستان کے نام سے مشہور ہے کیا اس جگہ پر مدرسہ اور کتب خانہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے مدرس دوم جناب محمد رشید صاحب نے فتویٰ دیا کہ اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا اور اس کی قبر پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے یہ فتویٰ امام زیلعی اور شامیہ کے حوالے سے لکھا گیا۔

اس سوال پر مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی جواز کا فتویٰ دیا اور عینی شرح بخاری سے ایک حدیث کو بنیاد بنایا۔ مولوی محمود، مولوی محمد یٰسین اور مولوی غلام رسول نے اس کی تصدیق کردی اور مولوی عزیز الرحمٰن نے عالمگیریہ اور تبیین کے حوالے سے اس جواز کی مزید تصدیق کردی۔

اعلیٰ حضرت نے اس فتویٰ پر جواز کی تردید فرمائی اور تحریر فرمایا کہ جب استفتا میں صاف تصریح تھی کہ "ایک سطح وقف زمین" تو پھر یہ کہنا کہ "قبرستان کو وقف مشہور کردیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں" غلط ہے جو جگہ وقف ہے اور وقف ہی مشہور ہے اس کو اس بنا پر رد کرنا کہ سب جگہ ایسا نہیں ہوتا کیا معنی رکھتا ہے۔

متون و شروح و فتاویٰ میں صراحتاً لکھا گیا ہے کہ شہرت وقف کو ثابت کرنے کے لئے کافی شہادت ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ قبرستان کے لئے وقف تسلیم کرکے اس میں مدرسہ یا کوئی مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم اور جہل ہے کیونکہ اس میں صراحتاً تغیرِوقف ہے اور وہ حرام ہے حتیٰ کہ متولی وقف بھی تبدیلی نہیں کرسکتا۔

یہاں ایک اصولی مسئلہ واضح فرمایا گیا ہے یعنی اگر یہ کہا جائے کہ اس زمین کو دوبارہ مدرسہ اور کتب خانے کے لئے وقف کردیا گیا ہے اس لئے یہ جائز ہے تو بھی غلط ہے کیونکہ وقف وہی کرسکتا ہے جو مالک ہو۔ جب مالک نے ایک بار اپنی زمین وقف کردی تو اب وہ خود بھی اس کا مالک نہیں رہا لہٰذا وہ خود بھی دوبارہ اس جگہ کو کسی اور کام کے لئے وقف نہیں کرسکتا۔ لہٰذا دوبارہ وقف کرنا جائز نہیں۔

پھر قاضی خاں، عالمگیری فتاویٰ ظہیریہ، خزانتہ المفتین اور دیگر کتب میں صراحت موجود ہے کہ پرانے قبرستان میں قبروں کے کوئی آثار باقی نہ رہیں تو بھی وہ قبرستان رہے گا وہاں کچھ اور نہیں بنایا جاسکتا۔

مولوی گنگوہی نے عینی شرح بخاری کا حوالہ دیا تھا اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ عینی کا انداز بیان ایسا ہے کہ وہ متعلقہ مسئلہ کے بارے میں ہر قسم کے اقوال نقل کرتے ہیں ان کا مقصد تمام معلومات کو جمع کرنا ہوتا ہے پھر عالم فقیہہ کا کام ہے تنقیح کرے اور مستند اقوال پر حکم کی بنیاد رکھے۔ لہٰذا ان اقوال میں کوئی قول نقل کرکے فتویٰ دینا استناد علمی کے خلاف ہے۔

امام اہل سنت نے فرمایا کہ اگر عینی کا نقل کردہ ہر قول سند بنایا جاسکتا ہے تو وہ قول کیوں نہ لیا گیا جس کی رو سے مسجدوں میں ہل چلانے گھوڑے یا گدھے باندھنے کی راہ ملتی ہے۔ یقینی بات ہے کہ امام بدر الدین عینی نے محض ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لئے تمام اقوال تحریر کئے ہیں ورنہ تو سارے اقوال کسی طرح قابل استناد نہیں ہیں۔

جو قول مولوی گنگوہی نے لیا ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے بلکہ سرے سے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ استفتا میں بیان کردہ حالات سے مطابقت نہیں رکھتا استفتا میں جو صورت حال بیان کی گئی وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو اس قول میں بتلائی گئی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر گنگوہی صاحب کے فتویٰ کے مطابق ایک وقف میں دوسرا وقف قائم کرنا جائز قرار دیا جائے تو پھر مسجد کو مقبرہ بنانا یا مسجد کو سرائے بناکر وہاں بیت الخلا بنانا بھی جائز قرار پائے گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے اسلوب استدلال کے مطابق اصول فقہ کی بنیاد پر مزید فرمایا کہ قبر میں ہڈی پسلی کا مٹ جانا کیسے طے ہوسکتا ہے کیا اس کے لئے وقت کا کوئی پیمانہ ہے اگر ہے تو بتلائیں اور اگر محض خیال ہے کہ شاید ہڈیاں مٹ چکی ہوں گی تو قاعدہ ہے کہ "الیقین لایزول بالشک" یقین شک کے ذریعے زائل نہیں ہوتا لہٰذا محض خیال کی بنیاد پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ہل چلانے اور مکان تعمیر کرنے کے جواز پر جو روایت پیش کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب مالک کی اجازت سے اس کی مملوکہ زمین میں کوئی میت دفن کردی گئی ہو تو مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس زمین پر ہل چلائے یا مکان بنائے اور اگر اجازت بغیر ہو تو مالک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو میت کو باہر نکال دے اور وہاں جو چاہے بنادے۔

فتاویٰ رضویہ شریف علوم و فنون کا ایک

ایسا بحرنا پیدا کنار ہے کہ اگر کوئی بھی شخص کسی تعصب کے بغیر اس کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس کی عظمتوں کا بلا تکلف معترف ہوجائے۔ اور اسے راہ صواب نظر آئے۔

میری دلی خواہش تھی کہ میں کوئی ایسا کام کرسکوں جو اہل علم کی نظر میں کسی وقعت کا حق دار کہلاسکے بفضل تعالیٰ میں نے ایک نئی ترتیب کے ساتھ فتاویٰ رضویہ شریف کی تلخیص کا کام شروع کیا ہے اللہ جل شانہ مجھے بطفیل حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم توفیق مرحمت فرمائے کہ میں اس کو جلد مکمل کرسکوں اور میرا نام بھی اس بے مثل علمی شاہکار کے خدام میں شامل ہوسکے۔

میں اس سلسلے میں ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل محترم ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے کام کو ادارے کے پراجیکٹ کے طور پر منظور فرمایا۔

نیز ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر محترم سید وجاہت رسول قادری صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے میری ہمت افزائی فرمائی اور اس سلسلے میں تمام تر تعاون مہیا فرمارہے ہیں۔

بقیہ ---- اداریہ

تو اس کی ذمہ داری مقالہ نگار پر نہیں بلکہ ہم پر ہوگی' مقالہ نگار کے اسم گرامی کے تحریر کرنے میں پروٹوکول کی کوئی نادانستہ غلطی ہوگئی ہو تو اس بے ادبی کو ہماری کمزوری پر محمول کرکے معاف کردیا جائے۔ دیگر یہ کہ معارف میں' مضامین کی ترتیب موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ صاحب مضمون کے علمی مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نہیں' اس لئے محترم مقالہ نگار حضرات کے اسم گرامی کے سیاق و سباق کو اسی تناظر میں دیکھا جائے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مقالہ "معارف رضا" میں شائع ہونے سے پہلے کسی رسالے/جریدے وغیرہ میں شائع ہوچکا ہوتا ہے لیکن فاضل مصنف وہی مقالہ "معارف رضا" میں اشاعت کے لئے بھی ہمیں عطا فرمادیتے ہیں اس کی اشاعت اول کی خبر ہمیں نہیں ہوتی ہے' تو اگر ایسا کوئی معاملہ زیر نظر معارف میں نظر آئے ہمیں ان جرائد کے مدیر حضرات کا شکریہ ادا کرنے کے سلسلے میں معذور سمجھ کر وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش علمی کو شرف قبول عطا فرمائے اور ہمیں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے نقش قدم پر چل کر علم حقیقی کے چراغ جلانے اور "محبت رسول" کی خوشبوؤں کے پھیلانے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ' ازواجہ وذریاتہ وعلماء ملتہ اجمعین وبارک وسلم۔

امام احمد رضا کی علمی گرفت

مولانا محمد فیروز عالم بخت القادری (مدھوبنی انڈیا)

بات اگر حقیقت سے دور۔ یا کذب آمیز ہو تو ہزاروں عبادات کے رنگ و روغن کے باوجود اس کی حقیقت کا پردہ فاش ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن بات اگر سچی اور حقیقت پر مبنی ہو تو ہزار چھپائے اس کی حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ بلکہ مخالف بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ بلاشبہ امام احمد رضا کی فقاہت اور فقہی جزئیات میں ان کا حفظ و **استحضار** ایک ایسی حقیقت ہے جسے نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اور اس پر تبصرے بھی کئے ہیں۔ چنانچہ۔ صاحب "نزہتہ الخواطر" نے امام اہلسنّت کے متعلق یہ تبصرہ کیا ہے۔ **یندر نظیرہ فی الفقہ**" فقہ میں مولانا احمد رضا کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ (نزھتہ الخواطر' ج ۸)

امام احمد رضا کی فقاہت اس وقت اور واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔ جب ہم موصوف کے ان فتاوی کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں انہوں نے اپنے ہم عصر علماء کے فتاوی پر سخت گرفت کی ہے۔ نفس مسئلہ کا بیان تو کسی حد تک آسان ہے مگر کسی کے دیئے ہوئے فتویٰ کی تغلیط دلائل و براہین کی روشنی میں مشکل ہی نہیں بلکہ مشکل ترین کام ہے۔ مگر جب آپ امام اہلسنّت مولانا احمد رضا کے فتاوی پر تحقیقی نظر ڈالیں گے تو یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے عیاں ہوجائے گی۔ ہم نے اس مقالہ میں اسی جہت سے امام احمد رضا کے بعض فتاوی کا جائزہ لیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

کوا کھانے کا مسئلہ اور فتویٰ رشید گنگوہی صاحب

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی مکتبہ فکر

کے ان علماء میں شمار کئے جاتے ہیں جن کی فقاہت پر اہل دیو بند کو بڑا ناز ہے۔ انہوں نے کثیر تعداد میں فتاوی بھی تحریر کئے ہیں اور ان کا مجموعہ فتاوی۔ فتاوی رشیدیہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ مگر گنگوہی صاحب اپنے حلقہ دیوبند میں چاہے جتنی بھی شہرت رکھتے ہوں۔ لیکن جب ان کی تحریروں پر آپ نگاہ عمیق ڈالیں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ وہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے حلقہ درس میں بھی شامل ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ گنگوہی صاحب نے اپنے فتاوی میں ایسی ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ اگر ان کو تحریر کیا جائے۔ تو ایک طویل فہرست تیار ہوجائے گی۔ مگر سردست موضوع کا خیال رکھتے ہوئے۔ "زاغ معروف" کا مسئلہ اور اس پر امام احمد رضا کی تنقید و تردید پیش کررہے ہیں۔ گنگوہی صاحب سے زاغ معروف (مشہور ہندوستانی کوا) کے بارے میں اس طرح استفتاء کیا گیا۔

سوال : جس جگہ زاغ معروف کو اکثر حرام جانتے ہوں۔ اور کھانے والوں کو برا کہتے ہوں۔ تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والوں کو کچھ ثواب ہوگا۔ یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب؟

گنگوہی صاحب نے اس پر اپنی فقہی معلومات کے آئینہ میں جو جواب دیا ہے ملاحظہ ہو۔

الجواب : ثواب ہوگا۔ (بحوالہ فتاوی رشیدیہ صفحہ نمبر ۱۴۵)

آپ نے جواب ملاحظہ فرمایا۔ مولوی رشید احمد نے اپنے فتویٰ میں یہ تشریح کردی کہ کوا کھانا نہ تو حرام' نہ ناجائز' نہ مکروہ بلکہ جائز اور نہ صرف جائز بلکہ اس کے کھانے میں ثواب۔۔۔ یہ وہی مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں جنہیں گرامی القاب وسیع المناقب جیسے الفاظ سے نوازا جاتا ہے۔ اور دیو بندی اسے اپنا آقا جانتے اور مانتے ہیں۔ جب یہ فتویٰ شائع ہوا تو لوگوں میں شورش بڑھی اور امام اہلسنت کے پاس مختلف سوالات آئے۔ پھر آپ نے مستند دلائل و براہین سے گنگوہی صاحب کے اس فتوے کی تردید فرماتے ہوئے ثابت فرمایا کہ یہ کوا حرام ہے۔ چنانچہ آپ کے فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں "خبیث ہے اور بحکم قرآن و حدیث حرام" پھر آپ نے اس بڑھی ہوئی شورش و انتشار کو ختم اور موصوف کی ذہنی خباثتوں کو بے نقاب کرنے کے لئے چالیس سوالات شرعیہ گنگوہی صاحب کے نام بھیجے اور واضح قلم سے یہ الفاظ تحریر فرمائے :

"دینی مسئلہ ہے صرف تحقیق حق مقصود ہے کوئی مخاصمہ نہیں اگر رجسٹری واپس کردی تو حق پرستی کے خلاف ہوگا اور عجز پر دلیل صاف" اور اس کے آگے جو تحریر فرمایا اس کا ایک گوشہ یہ تھا۔

"فقیر محض بطور استفادہ مسئلہ شرعیہ آپ سے جواب سوالات پوچھتا ہے۔ جب آپ کے نزدیک کوا حلال ہے اور لوگ اس حلال کو حرام سمجھے ہوئے ہیں اور خاص آپ سے اس دینی مسئلہ کی تحقیق چاہتے ہیں تو جواب نہ دینا کیا معنی رکھتا ہے' آپ کا جواب درکار ہے اسی سے رفع نزاع ممکن ہے زید و عمرو سے غرض نہیں' این و آں پر التفات نہ ہوگا آپ سے مسائل شرعیہ کا سوال ہے جواب واجب ہے' آخر ماہ رمضان المبارک تک چالیس دن کی مہلت نذر ہے' اگر عید ہوگئی اور جناب نے ہر سوال کا مفصل جواب مع اپنا مہری نہ بھیجا تو واضح ہوگا کہ آپ کو حلال و حرام کی پرواہ نہیں آپ بے سمجھے مسائل منہ سے نکالتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرتے ہیں اور جواب کے وقت خاموشی پالیتے ہیں۔"

"بحوالہ دفع زیغ زاغ" (لامام احمد رضا القادری)

جناب گنگوہی صاحب آنجہانی پیشوائے دیوبندیت نے انکاری ہوکر معارضہ واپس کردیا۔ اہالی ڈاک نے یہ لکھ دیا کہ حضرت کو انکار ہے۔ لہٰذا واپس

بحوالہ۔ (دفع زیغ زاغ مصنفہ امام احمد رضا)

مزید تفصیلات اور اعلیٰ حضرت کی جانب سے حرمت زاغ پر وارد کئے گئے چالیس سوالات شرعیہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف لطیف دفع زیغ زاغ میں ملاحظہ کیجئے۔

ان چالیس سوالات شرعیہ میں سے ہم بعض سوالات کو زینت قرطاس کررہے ہیں۔ جو اعلیٰ حضرت نے رشید احمد گنگوہی کے پاس ان کے فتوٰی کی تردید میں تقیدا" روانہ کئے تھے۔

۱ : سوال اول : شامی و طحطاوی و جلی وغیرہ ہا میں عقعق و ابقع و عداف واعصم و زاغ کی طرف عزاب کی تقسیم ہے صحیح و حاصر ہے یا غلط و قاصر؟ علی الثانی' اس میں کیا کیا اغلاط اور کتنا قصور ہے اور ان پر کیا دلیل؟

۲ : سوال دوم : غراب جب مطلق بولا جائے تو ان متعارف متنازع فیہ کوؤں کو شامل ہے یا نہیں؟ کیا غراب کا ترجمہ کوا نہیں؟

۳ : سوال سوم : اقسام خمسہ میں ہر ایک کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟

۴ : سوال چہارم : اگر تعریفات میں کچھ اختلاف واقع ہوئے ہیں تو ان میں کوئی ترجیح یا تطبیق ہے یا اختیار ہے کہ جزافا" جو چاہے سمجھ لیجئے؟ علی الاول' آپ نے کیا کیا اختلاف پائے اور ان میں کسی ذریعہ سے ترجیح یا تطبیق دے کر کیا قوال منقح نکالا؟

۵ : سوال پنجم : یہ کوے جس طرح ادب دائر و سائر ہیں کہ ہر جگہ ہر شہر و قریہ میں بکثرت وافرہ ہمیشہ ملتے ہیں اور ان کا غیر شہروں میں نادر

ہے' کیا اس پر کوئی دلیل ہے کہ ان کی یہ شہرت و کثرت اور امصار میں ان کے غیر کی ندرت اب حادث ہوگئی ہے فقہائے کرام اصحاب متون و شروح فتاوے کے زمانے میں نہ تھی؟ وہ حضرات ان کوؤں سے واقف نہ تھے یا نادر الوجود ہونے کے باعث ان کا حکم بیان فرمانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے جو ان کے زمانے میں کثیر الوجود تھے یا ان کے احکام بیان کئے؟ آپ کو اختیار دیا جاتا ہے جو شق چاہیں اختیار کرلیجئے۔ مگر ان کے سوا کوئی راہ چلئے تو ان دونوں کے بطلان اور اس کی صحت پر اقامت برہان ضروری ہوگی۔

۶ : سوال ششم متون و شرح فتاوے میں اختلاف ہو تو ترجیح کسے ہے؟ اصل مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہے جو متون لکھے یا وہ کہ بعض فتاوی یا شرح حاصل کی ہوں؟ علماء نے ہدایہ کو بھی متون میں شامل فرمایا ہے یا نہیں؟ یاد کرکے کہئے۔

۷ : سوال ہفتم : پہاڑی کوا اس کوے سے یک رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں آتا ہے کیا ان کوؤں کی طرح آپ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے یا حرام؟ علی الاول کس کتاب میں حلال لکھا ہے؟ علی الثانی اس کی حرمت کی وجہ؟

۸ : سوال ہشتم : قول صحابی اصول منفی میں حجت شرعی ہے یا نہیں خصوصاً" جب کہ اس کا خلاف دیگر صحابہ سے مسموع نہ ہو رضی اللہ عنہم؟ (دفع زیغ زاغ)

ہندوستان دارالاسلام یا دارالحرب

آیئے ذیل کے ایک مختلف فیہ مسئلہ میں امام احمد رضا القادری کی تحقیق کا معائنہ کیجئے: سوال یہ ہوا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ اس مسئلہ میں بہت سے مفکرین وقت نے طبع آزمائی کی۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے نہ دارالاسلام بلکہ دارالامن ہے۔ بعض نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے۔ **مثلاً**" مولانا کفایت اللہ صاحب اور غیر مقلدین و دیابند کے سرغنہ جناب انور شاہ کشمیری یہ لوگ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے قائل ہیں لیکن امام احمد رضا سیدنا اعلی حضرت نے اپنی علمی بصیرت اور فقہی مہارت و ممارست کے آئینہ میں ائمہ ثلثہ کے مذہب پر ہندوستان کے دارالحرب ماننے کو باطل قرار دیا ہے اور یہ ثابت فرمادیا ہے کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوں۔ اور شریعت اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً" جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین

کے نزدیک اس قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ تعالیٰ یہاں قطعاً" موجود نہیں۔ کیوں کہ اہل اسلام جملہ عیدین و اذان و اقامت و نماز باجماعت وغیرہ ہا شرائع شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان کرتے ہیں۔ فرائض۔ نکاح۔ رضاع۔ طلاق۔ عدت۔ رجعت۔ مہر نفقات وغیرھا بہت سے معاملات مسلمین ہماری شریعت پر فیصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان دارالاسلام ہے۔ نہ کہ دارالحرب۔ بحوالہ (اعلام الاعلام بحوالہ فقیہہ اسلام صفحہ نمبر ۴۱۸)

مسئلہ انعقاد مجلس مولود شریف اور مولوی رشید گنگوہی صاحب

اب آیئے رشید احمد گنگوہی صاحب کے فتویٰ پر امام احمد رضا کا رد بلیغ ملاحظہ فرمایئے۔ انعقاد مجلس مولود شریف کے بارے میں گنگوہی صاحب کا جواب دیکھئے:

سوال : انعقاد مجلس میلاد بدوں قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟ سنئے۔

الجواب : انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے فقط۔ بحوالہ۔ فتاوی رشیدیہ۔

خلاصہ کلام : مولوی رشید احمد کے یہاں قیام تو ناجائز و حرام ہے مجلس میلاد بھی ہر حال میں ناجائز یعنی مطلقاً" حرام ہے کج فہمی اور جہالت کی حد ہوگئی!

افسوس صد افسوس ! پتہ نہیں گنگوہی صاحب نے کیسے مجلس میلاد اور قیام کو حرام قرار دے دیا۔ کاش ان کی بصارت نے احادیث کریمہ اور آیات قرآنیہ کو دیکھ لیا ہوتا تو ایسا باطل قول سرزد نہ ہوتا۔ میں موصوف کی اس زہر افشانی کو کیا نام دوں۔ انہیں علوم و فنون کا بحر ناپیدا کنار کہوں۔ یا جہالت کے کارخانے کا سب سے اچھا کاریگر یا۔ پھر یہ کہ دل میں کجی کے باعث ان آیات و احادیث پر ان کی نظر ہی نہ گئی۔

آیئے تعصب و تنگ نظری کی عینک اتار کر چشمہ ایمان سے امام احمد رضا کی تحقیق شریعت کے آئینہ میں ملاحظہ کیجئے۔ جذبہ ایمانی مسرور و مفروح ہو اٹھے گا۔ امام ارشاد فرماتے ہیں۔

"محفل میلاد و قیام باعث خیر و برکت و مستحب ہے اور اس کا منکر بدعتی ہے اور قیام کو حرام و ممنوع کہنے والا محققین کے نزدیک فاسد ہے۔ بلکہ ذکر ولادت کے وقت قیام باعث ثواب و فضل کبیر ہے۔ اور سلف صالحین کے نزدیک بوقت ولادت قیام مستحسن ہے۔"

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے میلا و قیام کے استحصان پر بے شمار دلائل دیئے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ایک پورا رسالہ ہی اسی سے متعلق دلائل

و براہین اور اقوال علماء سے بھرا ہوا ہے۔ مگر سردست چند دلائل نذر قارئین کررہا ہوں ملاحظہ کیجئے۔

اولاً" : فقیہ محدث مولانا عثمان بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ "اثبات قیام" میں فرماتے ہیں :

القیام عند ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر لاشک فی استحابہ و استحسانہ و ندبہ یحصل الفاعلہ من الثواب الوافر لخیر الاکبر لانہ تعظیم۔ ای تعظیم النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم الذی اخرجنا اللہ بہ من ظلمات الکفر الی الایمان (بحوالہ ۔ اقامت القیامتہ صفحہ نمبر۱۵)

ترجمہ : ذکر ولادت سید المرسلین کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام کرنا بے شک مستحب و مستحسن اور مندوب ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر و فضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم۔ ان نبی کریم صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ سبحانہ تعالیٰ ہمیں ظلمت کفر سے نور ایمان کی طرف لایا۔

ثانیاً" : شیخ مشائخنا خاتم المحققین امام العلماء مفتی الحنفیہ بمکہ الحمید سیدنا و برکتنا علامہ جمال الدین عبداللہ ابن عمر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی میں ارشاد فرماتے ہیں :

" **القیام عند ذکر مولدہ الاعطر صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ جمع من السلف فھو بدعۃ حسنۃ**"

ترجمہ : ذکر مولد اعطر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا ہے تو وہ بدعت حسنہ ہے۔

ثالثاً" : مولانا محمد بن یحییٰ حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں :

" **نعم یو جب القیام عند ذکر ولادت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ یحضر روحانیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فعند ذالک و یحب التعظیم و القیام**"

ترجمہ : ذکر ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام ضروری ہے کہ روح اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم قیام لازم ہوا۔

رابعاً" : ذکر میلاد و قیام کے استحباب پر علمائے عرب و عجم، مصرو شام و روم و اندلس متفق ہیں۔ چنانچہ مولانا صالح لکھتے ہیں :

امتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من العرب و الشام و المصر۔ و الروم و الاندلس وجمیع بلادالاسلام مجتمع و متفق علی استحبا بہ و استحسانہ

ترجمہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

عرب و مصر و شام و روم و اندلس و تمام بلاد اسلام سے اس کے استحباب و استحسان و استحصان پر اجماع و اتفاق کئے ہوئے ہیں اور اسی طرح احمد بن عثمان و احمد بن عجلان محمد صدقہ۔ و عبدالرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کی۔

مسئلہ نوٹ اور مولوی رشید احمد گنگوہی و مولانا عبدالحئی لکھنوی

اب آیئے مسائل نوٹ کے متعلق عمدۃ المحققین علامتہ الدہر امام احمد رضا کی خداداد صلاحیتوں کا معائنہ کیجئے۔ مولوی رشید احمد نے نوٹ کو تمسک قرار دے کر سرے سے مسائل سے ہی خارج کردیا ہے۔ اور نوٹ کی خرید و فروخت کو کم و بیش بلکہ برابر پر بھی ناجائز ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے فتاوی رشیدیہ جلد دوم صفحہ نمبر۱۶۹ پر اس طرح لکھا ہے :

"نوٹ وثیقہ اس روپے کا نام ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے۔ مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدل بھی سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہر گز تبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بھی بیع ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا کہ نوٹ مثل فلوس نہیں ہے فلوس بیع ہے اور نوٹ تقدیر ان میں زکوٰۃ نہیں۔

اور جلد اول صفحہ نمبر۷۵ پر ہے۔

"نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں ہے اگر اس میں حیلہ حولہ ہوسکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز مگر کم زیادہ پر بیع کرتا رہا۔ ناجائز ہے۔ فقط (فتاوی رشیدیہ جلد دوم)

خلاصہ کلام : مولوی رشید احمد صاحب نے تو اولاد نوٹ کو تمسک ٹھہرایا ہے اور صرف اس بنیاد پر کہ نوٹ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا بکنے کی چیز ہے اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً" ناجائز ٹھہرایا ہے۔ مگر آبروئے علم و فن عمدۃ المحققین امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلے کی جو تحقیق کی ہے اور مولوی رشید احمد صاحب کے فتوے کا جو رد بلیغ فرمایا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں جو ان کی سفاہت کج فہمی اور بے علمی کو بے نقاب کیا ہے' وہ دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ نوٹ کی حقیقت اور اس فتوے کے رد مین آپ نے ایک مکمل رسالہ ہی' بمسمٰی "کفل الفقیہ الفاھم فی قرطاس الدراھم" تصنیف فرمایا ہے مزید تفصیلات کے لئے اس رسالے کا مطالعہ کیجئے نیز اسی رسالے کا ایک ضمیمہ "

کاسرالسفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم" بھی ہے۔ اسم رسالہ میں لفظ **سفیہ** سے اشارہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی جانب ہے اور واہم سے مولوی عبدالحئی لکھنوی کے فتوے کی طرف۔ کیونکہ مولانا عبدالحئی صاحب سے بھی اس مسئلہ میں اس قسم کا وہم فاسد صادر ہوا ہے۔ اور امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت نے ان دونوں ہی فتاوے کا رد فرمایا ہے سب سے پہلے موصوف رشید صاحب کے فتوے کا رد امام اہل سنت کے ہی الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

"اول تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہاں بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اسے تڑا کر وہ عقد ان کے سر چپٹو جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ گنگوہ کے کو رده سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر جس قصبے میں چاہو جاؤ۔ اور تمام جہاں سے پوچھ لو کہ نوٹ کے لین دین میں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے۔

بیچا اور مول لیا کہتے ہو یا بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہوکر مشتری کے ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے روپئے دے کر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے۔ یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے۔ اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے **تمسک** دیتا ہے۔

ہدایہ میں ہے۔ **العبرہ فی العقود للمعانی** عقود میں معانی کا اعتبار ہے۔ مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے اور قصد بھی بیچنے خریدنے کا۔ یہی مقصود یہی مراد یہی مفہوم یہی مفاد اور خواہی نہ خواہی جہاں بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ تم نہ کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہوجائے گا۔ (الی آخرہ)

دوم : ہر عاقل جانتا ہے کہ **تمسک ایک معین مثلاً** زید کی طرف سے دوسرے معین عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ **تمسک** اس سے وصول کر سکے **تمسک** اس لئے ہوتا ہے کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس سے چاہے اس کے دام وصول کرے زید کے پاس عمرو، بکر خالد، ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے اسے دام پر دے بلکہ زید و عمرو دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں تیسرا شخص محض اجنبی چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے۔ دنیا میں کوئی **تمسک** بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت **یقیناً"** یہی ہے کہ جو چاہے، جہاں چاہے، اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو، جب کہ یہاں کا سکہ اس ملک میں چلتا ہو، جس شخص سے چاہے اس کا دم لے لے گا یہ حالت **یقیناً"** مال کی ہے نہ کہ **تمسک** کی۔ تو اسے **تمسک** کہنا کیا یہ اندھا پن نہیں ہے۔ بلکہ

وہ بالیقین مال ہے۔ سکہ ہے ولکن العمیان لایبصرون۔

سوم : ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا۔ جب کہ دین ثابت ہو تو مدیون پر دینا لازم آئے گا۔ تمسک رہے یا نہ رہے۔ الی آخرہ۔

چہارم : یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہوگیا کہ گم ہوجائے یا نقصان ہوجائے تو بدلوا سکتے ہیں۔ یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں ہے اور تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے فقدان یا خود ہلاک و تلف کردینے سے۔ دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اگر بدل دینے کا وعدہ بھی ہو تو اس سے تمسک لازم نہیں آتا۔ اور نوٹ کی خرید و فروخت کمی و زیادتی پر بلاشبہ جائز ہے کیونکہ حکام نے اسے مال قرار دیا ہے۔ اور ہر وہ شے جو اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ ثمنیت اور مالیت حاصل نہ ہو فقط قوم کے قرار دینے سے ثمیت اس میں ثابت ہوجاتی ہے کما فی الهدایہ۔

رد وہم : اب یہاں سے امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولوی عبدالحئی لکھنؤی۔ کے وہم کا رد فرماتے ہیں۔ پہلے مولانا عبدالحئی صاحب کا وہم ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو پھر امام احمد رضا کی تحقیق و تنقیح کا معائنہ کریں۔

وہم : نوٹ ہرچند کہ خلقۃ ثمن نہیں مگر عرفاً ثمن میں ہے۔ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے اگر کوئی سو روپے کا نوٹ ہلاک کردے تو اصل مالک سے سو روپے تاوان ساقط ہے اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ سب پر ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے بلکہ سو روپے کا بیچا اور اس کا قیمت لینا مقصود ہوتا ہے۔ اور نوٹ سو روپے کا کوئی شخص قرض کے بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو لینے میں مدیون سے کوئی عذر نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ مدیون غیر جنس اگر بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا۔ وغیرہم۔

امام احمد رضا نے ان کے وہم فاسد کو مختلف نظریات سے رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اقوال اولاً۔ : ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں اور ثمن خلقی زر و سیم سے عینیت مسلم نہیں کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہ سونا ہوگیا ہے اور کہنے سے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں سونا ہوا نہ کہ عین ثمن تو لغو بلکہ غلط

ہوا۔

ثانیاً" : نوٹ بداہتہ" ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متبائن تباین میں عینیت محال۔

ثالثاً" : ثمن خلقی جنس ہے، دو قسم ذھب و فضہ پر منحصر ہے۔ اور بنفسہ ایک نوع مستقل ہے اس کا عین مفہوم کلی معنی جنسی سمجھا جانا تو بداہتہ" باطل ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۷، صفحہ ۱۹۹)

اس بارے میں مزید تفصیل دیکھنا ہو تو فتاوی رضویہ جلد ہفتم میں دیکھئے۔

یہ ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق و تنقیح جس سے ادنی سے ادنی بھی علم سے شغف رکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حقیقت میں ہماری عقل انکی بلندی اور علمی تحقیق کا اندازہ لگانے سے قاصر ہے عبارت کی ہر سطر اور ان کے روشناس قلم سے علوم و معارف کے بے شمار سوتے پھوٹ پڑتے ہیں۔

مسئلہ طلاق اور مولوی وجیہہ اللہ

مسئلہ طلاق پر مولوی وجیہہ اللہ کے دیئے گئے فتوے پر امام احمد رضا کا رد ملاحظہ فرمایئے استفتاء اور جواب دونوں فارسی میں ہیں مگر ان کا خلاصہ اردو میں کیا جارہا ہے۔ استفتاء کا خلاصہ مولوی وجیہہ اللہ کا جواب ملاحظہ ہو۔

خلاصہ استفتاء : احمد علی نامی ایک شخص نے ایک دن اپنی بیوی سے کہا اگر تو نماز نہ گزاری بر تو دو طلاق تعلق وادم یعنی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو تجھ پر دو طلاق ہے۔ اس کے بعد اس عورت نے نہ تو عشاء کی نماز ادا کی نہ ہی اس کی قضا پڑھی۔ البتہ اس نے فجر ادا کی فجر کے بعد احمد علی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں بغیر کسی شرط کے دے دیں احمد علی پہلے والی طلاق تعلیق طلاق کے بارے میں کہتا ہے کہ میری نیت تعلیق طلاق میں دائمی اور عمر بھر نہ پڑھنے کی تھی۔ ازروئے شرع احمد علی کا یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں۔ اور اب جب کہ اس نے سال بھر کے بعد بلا شرط دو طلاقیں دی ہیں۔ تو پہلے والی دو طلاقوں کے ساتھ یہ دونوں طلاقیں مغلظہ ہوگئیں۔ یا نہیں؟

"مولوی وجیہہ اللہ کا جواب"

احمد علی کا تعلیق والا قول وعدہ خلاق ہے اس وجہ سے طلاق نہ پڑے گی لہٰذا صرف اخیر والی دو طلاق سے طلاق رجعی پڑے گی اب احمد علی کو حق رجعت حاصل ہے وہ چاہے تو اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں واپس لے سکتا ہے۔ سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتوے کا بزبان فارسی دس صفحہ سے زائد میں رد

بلیغ فرمایا ہے۔ اور حجت قاطعہ سے یہ ثابت کردیا ہے کہ صورت مذکورہ میں احمد علی کی بیوی پر طلاق **مغلظہ** واقع ہوگئی بغیر حلالہ درست نہیں۔ احمد علی کا قول تعلیق طلاق ہے نہ کہ وعدہ طلاق جب شرط (نماز نہ پڑھنا) پائی گئی تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں پڑگئیں اب جب کہ پھر اس نے دو طلاقیں بغیر شرط دیں تو چار ہوئیں۔ لہٰذا طلاق **مغلظہ** واقع ہوگئی۔

دلائل : اولاً" احمد علی کا مذکورہ بالا تعلیق کے سلسلے میں یہ دعوی کرنا کہ میرا ارادہ عموم کا تھا یعنی پوری عمر بھر اگر تو نے نماز نہ پڑھی تو تجھ پر دو طلاق یہ محض حیلہ و بہانہ ہے جس کو کوئی عقل مند تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اس جملے سے مقصود اپنی بیوی کو زجرو توبیخ اور وعظ و نصیحت کرنا ہے تاکہ وہ نماز کی پابند ہوجائے گی۔ یہی عرف سے **مستفاد** اور تقاضہ ایمان ہے۔ پھر یہ کہ احمد علی کا قول (دیلام) بزبان بنگالہ ہے جس کا فارسی ترجمہ دادم است ہے۔ اور دادم است۔ صیغہ ماضی ہونے کی وجہ سے ہرگز ہرگز وعدہ طلاق نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً" : مجتہد نے اپنے اجتہاد سے۔ لفظ ترا طلاق دادم کو وعدہ طلاق مانا۔ حالانکہ کتب مذہب میں جابجا تشریح ہے۔ ترا طلاق تعلیق طلاق ہے۔ نہ کہ وعدہ طلاق جیسا کہ فتوائے۔ خلاصہ فتوائے عالمگیریہ۔ **قاضیخان** فتاوی امام سمانی وغیرہ ہم کی عبارتیں شاہد ہیں۔ (بحوالہ فتاوی رضویہ جلد ہفتم صفحہ نمبر۷۷۳)

یہ ہیں امام احمد رضا کی فقہی بصیرت کے چند شواہد اس قسم کے بے شمار شواہد ان کے فتاوی میں موجود ہیں کوئی بھی انصاف پسند آدمی ان ردوابطال اور دلائل و براہین کو دیکھنے کے بعد آپ کی فقاہت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان کی یہ تردید معاصرانہ چشمک کی بنیاد پر نہیں بلکہ خالصا" لوجہ اللہ ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت کے آئینے میں اپنے اور غیر کسی کی پرواہ نہیں کی بلکہ پوری جرات مندی اور کمال بصیرت کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ عمر بھر انجام دیتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت و انوار سے بھردے۔ (آمین)

امام احمد رضا اور ردِّ قادیانیت

ایک علمی جائزہ

علامہ ارشد القادری
(بانی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نیو دہلی، انڈیا)

ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں قادیان نام کا ایک قصبہ ہے جہاں غلام احمد کے نام سے ایک شخص پیدا ہوا جس نے برطانوی اقتدار کی سرپرستی میں نبی و رسول اور مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا۔ غیر منقسم ہندوستان کے جن علماء و مشائخ نے اس کے دعوائے نبوت کے رد و ابطال میں زبردست حصہ لیا اور دلائل کی روشنی میں اسے کافر قرار دیا ان میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت امام احمد رضا کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کا مولود و مسکن بریلی نام کا ایک شہر ہے جو ہندوستان کے صوبہ ممالک متحدہ میں واقع ہے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ و الرضوان (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی میں عالم اسلام کے زبردست عالم دین اور اپنے عہد کے نامور مرجع فتاوی ہیں۔ حق کے اظہار و اعلان میں وہ لایخافون لومتہ لائم کے سچے مصداق ہیں۔ منصب نبوت رسالت کے حقوق و آداب اور مہمات مسائل دینیہ کے بیان میں ان کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ حرمین طیبین کے اکابر و عمائدین نے "حسام الحرمین" نامی کتاب میں ان کے فضل و کمال اور علمی تبحر اور شخصی مجد و شرف کا نہایت شاندار لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے رد و ابطال میں امام احمد رضا نے فتاوی کے علاوہ جو مستقل رسائل تصنیف کئے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ

یہ رسالہ ۱۳۱۷ء میں اس سوال کے جواب میں ہے کہ مشہد میں ایک شخص اپنے آپ کو سید

کہتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علی، حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو انبیاء کہنا حدیثوں سے ثابت ہے۔ امام احمد رضا نے ایک سو بیس احادیث اور اکابر اسلام کے تیس نصوص سے ثابت کیا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا ختم نبوت کا کھلا ہوا انکار اور کفر ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا بالیقین کافر ہے۔

(۲) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب

یہ رسالہ ۱۳۲۰ھ میں اس سوال کے جواب میں تصنیف ہوا کہ ایک سنی مسلمہ عورت کا شوہر جو پہلے سنی مسلمان تھا پھر کچھ دنوں کے بعد وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل مذہب کا قائل ہوگیا تو کیا اس صورت میں سنی مسلمہ عورت کا نکاح قائم رہا؟ امام احمد رضا نے احادیث کے نصوص اور دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ سنی مسلمہ عورت کا نکاح باطل ہوگیا۔ وہ اپنے کافر مرتد شوہر سے فوراً علیحدہ ہوجائے۔

(۳) قہرالدیان علی مرتد بقادیان

یہ رسالہ ۱۳۲۲ھ میں تصنیف ہوا۔ اس رسالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بے شمار کفریات اس کی ان کتابوں کے حوالہ سے درج کئے گئے ہیں جو کفریات، نبوت و رسالت کے دعاوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی اہانتوں اور گالیوں پر مشتمل ہیں۔

(۴) حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین

یہ رسالہ ۱۳۲۴ھ میں مرتب ہوا۔ اسی رسالہ کے ذریعے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریات علمائے حرمین طیبین کے سامنے پیش کئے گئے اور مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا گیا۔

(۵) المبین ختم النبیین

یہ رسالہ ۱۳۲۶ھ میں اس سوال کے جواب میں تصنیف ہوا کہ لفظ "خاتم النبیین" میں "النبیین" پر جو الف لام ہے۔ وہ استغراق کا ہے یا عہد خارجی وغیرہ کا ہے۔ امام احمد رضا نے دلائل کثیرہ واضحہ سے ثابت فرمایا کہ اس پر الف لام استغراق کا ہے۔

(۶) الجراد الدیانی علی المرتد القادیانی

یہ رسالہ بھی ۱۳۲۶ھ میں تصنیف ہوا۔ اس رسالہ میں امام احمد رضا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے انہتر کفریات گنائے ہیں جو اس کے باطل دعاوی اور اہانت انبیاء و رسل اور ضروریات دین کے انکار پر مشتمل ہے۔

قادیانیوں کے رد و ابطال میں امام احمد رضا

کتنے سرگرم، مستعد اور متحرک و فعال تھے اس کا اندازہ لگانا ہو تو اپنے وقت کے مشہور مصنف اور ندوۃ العلماء (ہند) کے مہتمم، جناب ابوالحسن علی ندوی کی یہ تحریر پڑھئے۔

موصوف اپنے مرشد طریقت شیخ عبدالقادر رائے پوری کی سوانح حیات میں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ اپنے پیر کے جذبہ عقیدت کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ "**اجیب کل دعائک الا فی شرکائک**" میں تمہاری ہر دعا قبول کروں گا سوائے ان دعاؤں کے جو تمہارے شراکت داروں کے بارے میں ہوں۔ حضرت نے مرزا صاحب کے اس الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے اس لئے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لئے دعا کریں۔ وہاں سے بھی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہنچا۔ تمہارے لئے خوب دعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاد دہانی کردیا کرو۔

حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک کارڈ کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائیں تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے۔ میں نے بھی دیکھیں قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچ ہیں۔" (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، صفحہ نمبر ۵۵ ۔ ۵٦ مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مولانا ابو الحسن علی ندوی کی اس تحریر سے جہاں واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام احمد رضا اپنی ایمانی بصیرت کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نہ صرف کذاب اور مفتری سمجھتے تھے بلکہ دشمن اسلام سمجھ کر اس سے لڑنے کے لئے ہتھیار جمع کررہے تھے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیر و مرشد مولانا عبدالقادر رائے پوری مرزا غلام احمد قادیانی سے نہ صرف ایک عقیدت مند کی حد تک متاثر تھے بلکہ اپنے دعوائے نبوت میں اسے بہت حد تک سچا بھی سمجھتے تھے۔

اب اس کی وجہ بصیرت کا فقدان ہو یا اندرونی طور پر مفاہمت کا کوئی رشتہ ہو اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امام احمد رضا کا دینی شعور کفر کو کفر اور

باطل کو باطل سمجھنے میں نہ کبھی غلط فہمی کا شکار ہوا اور نہ فیصلہ کرنے میں کوئی خارجی جذبہ ان کی راہ میں حائل ہوسکا اور یہ صرف توفیق خداوندی اور عنایت رسالت پناہی ہے۔

ہندوستان کے علمائے مرشدین میں حضرت امام احمد رضا وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حرمین طیبین کے مشاہیر فقہا و عمائدین سے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف شخصی طور پر اسلام سے اخراج اور کافر قرار دیئے جانے کا واضح فتوی حاصل کرکے بلاد و ہند و عرب میں ہر طرف پھیلا دیا۔ آگے چل کر حرمین طیبین کا یہی فتوی عالمی سطح پر قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کی تمہید بنا۔

دنیا کے سارے اسلامی ملکوں میں یہ قابل فخر اعزاز صرف پاکستان کو حاصل ہوا کہ اس کی پارلیمنٹ نے انکار نبوت کی بنیاد پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر قانونی اور سیاسی طور پر دائرہ اسلام سے خارج کردیا۔ پارلیمنٹ کے اس فیصلہ میں امام احمد رضا کے ان فتاوئ کو کلیدی حیثیت حاصل رہی اور اس کو قانونی شکل دینے میں امام احمد رضا کے متوسلین علماء کی جدوجہد کا خصوصی حصہ رہا ہے۔

اسے بھی عقیدہ ختم نبوت کی حقانیت کی فتح کہئے کہ بغیر کسی جدوجہد کے سارے عالم اسلام نے جمہوریہ پاکستان کے اس دینی فیصلہ اور اس تاریخی قرارداد کے سامنے سر جھکادیا۔

جمہوریہ پاکستان کے اس اقدام سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ہی دہلہ میں ساری دنیا کو قادیانیوں کی اصل حقیقت معلوم ہوگئی یہاں تک کہ قادیانی مبلغین کے لئے اپنا منہ چھپانا مشکل ہوگیا۔ ہر جگہ انہیں اس سوال کا سامنا کرنا پڑا کہ جس مدعی نبوت کو خود گھر والوں نے جھوٹا کذاب' اور کافر قرار دے دیا تو اس کے ماننے والے کس منہ سے باہر والوں کا سامنا کریں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں علمائے حرمین طیبین سے استفتاء

ولنعد بعض من یوجد فی اعصارنا وامصارنا ہولاء الاشقیاء فان الفتن داھمۃ والظلم متراکمۃ والزمان کما اخبر الصادق المصدوق صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا والعیاذ باللہ تعالی فیجب التنبہ علی کفر الکافرین المتسترین باسم الاسلام ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

فمنھم المرزائیۃ ونحن نسمیھم الغلامیہ نسبۃ الی غلام

احمد القادیان دجال حدت فهذا الزمان فادعی اولا مماثلۃ المسیح وقد صدق واللہ فانہ مثل المسیح الدجال الکذاب ثم ترقی بہ الحال فادعی الوحی وقد صدق واللہ بقولہ تعالیٰ فی شان الشیطین "یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا" اما نسبۃ الا یحاء الی اللہ سبحانہ تعالیٰ وجعلہ کتابہ البراھین الغلامیۃ کلام اللہ عزوجل فذلک ایضامما اوحی الیہ ابلیس ان خذمنی وانسب الی الہ العلمین ثم صرح بادعاء النبوۃ والرسالۃ وقال "ھو اللہ الذی ارسل رسولہ فی قادیان" وزعم ان مما نزل اللہ تعالیٰ علیہ "انا انزلنہ بالقادیان وبالحق نزلٗ" زعم انہ ھواحمد الذی بشربہ ابن البتول وھوالمرادمن قولہ تعالیٰ عنہ "ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" وزعم ان اللہ تعالیٰ قال لہ انک مصداق ھذہ الایۃ "ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی وین الحق لیظھرہ علی الذین کلہ" ثم اخذ یفضل نفسہ اللئیمۃ علی کثیر من الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلام علیھم اجمعین۔ وخص من بینھم کلمۃ اللہ و روح اللہ ورسول اللہ عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

ای اترکوا ذکر ابن مریم فان غلام احمد افضل منہ واذقد اوخذ بانک تدعی مماثلۃ عیسیٰ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام فاین تلک الایات الباھرۃ التی اتی بھا عیسیٰ کاحیاء الموتی وابراء الا کمہ والا برص وخلق ھیاۃ الطیرمن الطین فینفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ تعالیٰ فاجاب بان عیسیٰ انما کانہ یفعلھا بمسمریزم السم قسم من الشعوذۃ بلسان الا نکلیزہ قالٗ ولولا انی اکرہ امثال ذالک لاتیت بھا واذقد تعود الانباء عن الغیوب الایۃ کثیرا ویظھرفیہ کذبہ کثیرا بثیرا دوی داء ہ ھذا بان ظھور الکذب فی اخبار الغیب لاینا فی النبوۃ فقد ظھر ذلک فی اربعماۃ من النبیین واکثر من کذبت اخبارہ عیسیٰ وجعل یصعد مصاعد الشقاوۃ حتی عد من ذلک واقعۃ الحدیبیۃ فلعن اللہ من اذی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولعن من اذی احدامن الانبیاء صلی

اللہ تعالیٰ علی انبیائہ وبارک وسلم۔

ہذا ما اردنا عرضہ علیکم ورجونا کل خیر وبرکۃ لدیکم افیدونا الجواب ولکم جزیل الثواب من الملک الوہاب والصلوۃ والسلام علی الہادی للاصواب والال لاوالاصحاب الی یوم الجزاء والحساب۔

۲۱ ذی الحجۃ یوم الخمیس ۱۳۲۳ ھ فی مکۃ المکرمۃ زادھا اللہ شرفا وتکریما۔ آمین

مکہ مکرمہ کے جن علماء و مشائخ نے مرزا کی تکفیر کی ان کے اسماء گرامی

محضر العلماء والمشائخ من مکۃ المحمیہ

(۱) شیخ العلماء الکرام ببلداللہ الحرام سیدنا و مولانا الشیخ محمد سعید بابصیل مفتی الشافعیۃ بمکۃ المحمیہ۔

(۲) اوحدالعلماء الحقانیہ شیخ الخطباء والائمہ بمکۃ المکرمۃ مولانا الشیخ احمد ابوالخیر میرداد۔

(۳) مقدام العلماء المحققین مولانا العلامہ الشیخ صالح کمال۔

(۴) العلامۃ المحقق مولانا الشیخ علی بن صدیق کمال۔

(۵) البحر الذاخر مولانا الشیخ محمد عبدالحق المہاجر۔

(۶) غیظ المنافقین محافظ کتب الحرم حضرۃ مولانا السید اسماعیل خلیل۔

(۷) ذوالعلم الراسخ مولانا العلامہ السید المرزوقی ابوحسین۔

(۸) ذوشرف الجلی مولانا الشیخ عمر بن ابی بکر باجنید۔

(۹) حامل لواء العلماء المالکیہ مولانا الشیخ عابد بن حسین۔

(۱۰) الصفی الزکی مولانا علی بن حسین المالکی۔

(۱۱) الشاب التقی مولانا جمال بن محمد بن حسین۔

(۱۲) جامع العلوم نادرۃ الزمان مولانا الشیخ اسعد بن احمد الدجان المدرس بالحرم الشریف۔

(۱۳) الفاضل الادیب مولانا الشیخ عبدالرحمن الدحان۔

(۱۴) الفاضل المستقیم المدرس بالمدرسۃ الصولتیہ بمکۃ المحمیہ۔

(۱۵) مولانا الشیخ محمد یوسف الافغانی۔

(۱٦) ذوالفضل والجاه اجل خلفاء الشاه امداد اللہ مدرس الحرم الشریف مولانا الشیخ احمد المکی الامدادی۔
(۱۷) الفاضل الکامل مولانا محمد یوسف الخیاط۔
(۱۸) الشیخ الجلیل مولانا الشیخ محمد صالح ابن محمد بافضل۔
(۱۹) الفاضل الکامل مولانا الشیخ عبدالکریم ناجی۔
(۲۰) الفاضل الکامل مولانا الشیخ محمد سعید بن محمد الیمانی۔
(۲۱) الفاضل الحاوی مولانا الشیخ حامد احمد محمد جداوی۔

محفر العلماء والمشائخ من المدینۃ المنورہ

(۱) تاج المفتیین مولانا المفتی تاج الدین الیاس۔
(۲) اجل الافاضل مولانا عثمان بن عبدالسلام مفتی المدینۃ سابقا۔
(۳) الفاضل الکامل شیخ المالکیہ مولانا السید احمد الجزائری۔
(۴) کبیر العلماء مولانا الشیخ خلیل بن ابراھیم الخربوطی۔
(۵) صورۃ السعادۃ مولانا السید محمد سعید شیخ الدلائل۔
(٦) الفاضل الجلیل مولانا محمد بن احمد العمری۔
(۷) السید الشریف حضرت مولانا السید عباس ابن السید جلیل محمد رضوان شیخ الدلائل۔
(۸) الفاضل العقول مولانا عمر بن ھمدان المحرسی۔
(۹) الفاضل الکامل السید بن محمد المدنی۔
(۱۰) ذوالخیر الجاری الشیخ محمد بن محمد السوسی المدرس بالحرم۔
(۱۱) حائز العلوم النقلیہ مولانا السید الشریف احمد البرزنجی مفتی الشافعیہ بالمدینۃ المحمیۃ۔
(۱۲) الفاضل الشھیر مولانا الشیخ العزیز الوزیر۔
(۱۳) الشیخ الفاضل عبدالقادر الحنفی المدرس بالمسجد الکریم النبوی۔

فاضل بریلوی اور ردِ مرزائیت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی کے وہ عظیم عالم اور دنیائے اسلام کے نامور مفتی اور محدث ہیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی عقائد اسلامیہ کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، ان کا قلم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ اسلام کی عزت و حرمت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و ناموس کے مقابل کسی بڑے سے بڑے صاحب جبہ و دستار کو خاطر میں نہ لاتے تھے، ان کے بے لاگ فتووں اور غیرت ایمانی میں ڈوبی ہوئی تنقیدوں کو بعض طبقے شدت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن انصاف پسند حضرات جب معاملے کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں ان کے فیصلوں کی تصدیق کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مرزائیت موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف وہ خوفناک سازش ہے جو ملت اسلامیہ کے لئے کینسر کی حیثیت رکھتی ہے، امام احمد رضا بریلوی نے نہ صرف مرزائیت کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا بلکہ مرزائیت نوازوں کے خلاف بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ کفار اور گمراہ فرقے سچے خدا کو نہیں مانتے، اور جس خدا کا ذکر کرتے ہیں وہ ان کا خود ساختہ خدا ہے، مرزائیوں کے خود ساختہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ اس حوالے سے فرماتے ہیں :

قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کہا، ان سے جھوٹی پیشن گوئیاں کہلوائیں، جس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ایسے شخص کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت

پر اصلا" دلیل نہیں، بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلیل قائم، جو (خاک بدہن معلونان) ولدالزنا تھا، جس کی تین دادیاں، نانیاں زنا کار کسبیاں، ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر فخر کی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے؟

ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کیا، جس نے ایک یہودی فتنہ گر کو اپنا رسول کرکے بھیجا، جس کے پہلے فتنہ نے دنیا کو تباہ کردیا، ایسے کو (خدا مانتا ہے) جو اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایک بار دنیا میں لاکر دوبارہ لانے سے عاجز ہے، وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابل نفرت حرکات، جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بینات بتایا۔ (۱)

ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبین دوبارہ قادیان میں بھیجا، مگر اپنی جھوٹ، فریب، تمسخر ٹھٹول کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اس سے کہہ دیا:

تیری جورو کے اس حمل سے بیٹا ہوگا جو انبیاء کا چاند ہوگا، بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، بروزی بے چارہ اس کے دھوکے میں آکر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا، اسے تو یوں ملک بھر میں جھوٹا بننے کی ذلت و رسوائی اوڑھنے کے لئے یہ جل دیا اور جھٹ پٹ میں الٹی یہ کل پھرا دی، بیٹی بنادی، بروزی بے چارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا۔

اب اس کی یہ مسخرگی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے کا ہی دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا، نہ بادشاہوں کو اس کے کپڑوں سے برکت لینے دی۔

غرض کہ اپنے چہیتے بروزی کا کذاب ہونا خوب اچھالا اور اس پر مزید یہ کہ عرش پر بیٹھا اس کی تعریفیں گارہا ہے۔ (۲)

مرزائے قادیانی کی جھوٹی نبوت کو محمدی بیگم کی وجہ سے سخت دھچکا لگا، بقول مرزائے قادیانی اسے الہام ہوا کہ اپنی رشتے کی بہن احمد بیگم کی بیٹی محمدی بیگم سے نکاح کا پیغام بھیجو، مرزا نے جھٹ پیغام بھیج دیا اور تشہیر بھی کردی کہ میرا یہ نکاح محمد بیگم سے ہوکر رہے گا، اس کی بدقسمتی کہ پیغام نکاح رد کردیا گیا، منت ساجت بھی کی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، مرزا صاحب دھمکیوں پر اتر آئے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کردیا گیا تو اڑھائی سال میں اس کا باپ مرجائے گا اور تین سال میں اس کا شوہر ہلاک ہوجائے گا، یا اس کے برعکس ہوگا۔

ان سب کوششوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ امام احمد

رضا بریلوی قدس سرہ سے سنئے! اب قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجی' چٹ بروزی (مرزا) کو وحی بھنٹا دی کہ **زوجنا کھا** محمدی (بیگم) سے ہم نے تیرا نکاح کردیا' اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی (بیگم) کہاں جاسکتی ہے؟ یوں جل دے کر بروزی کے منہ سے اپنی منکوحہ چھپوادیا' تاکہ وہ حد بھر ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اس کی جورو اور اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں' یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوا اور رہتی دنیا تک بے چارے کی فضیحت و خواری و بے عزتی و کذابی کا ملک میں ڈنکا ہوا۔

ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہوئی' ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی اور نہ معبود کی' بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر' ساتھ لے' یہ جا وہ جا' چلتا بنا' ڈھائی تین برس پر موت کا وعدہ تھا' وہ بھی جھوٹا گیا' الٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے۔ وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ

یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا' کیا وہ جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ **حاش للہ رب العرش عما یصفون** (۳)

مرزائیوں کے احکام

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قادیانی مرتد منافق ہیں' مرتد منافق وہ شخص ہے جو کلمہ اسلام پڑھتا ہے' اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ (۴)

قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ (۵)

قادیانی کو زکوۃ دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (۶)

قادیانی مرتد ہے' اس کا ذبیحہ محض نجس و مردار حرام قطعی ہے۔ (۷)

مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جوڑ چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے۔ (۸)

۱۳۳۶ھ میں ایک استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کردیا ہے' حالانکہ اسے علم ہے کہ تمام علماء اسلام فتوی دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر ملحد ہیں' اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

اگر ثابت ہو کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے۔ اس بنا پر یہ تقریب کی تو خود کافر اور مرتد ہے' علمائے حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا : **من شک فی عذابہ و کفرہ فقد کفر** جو اس کے کافر ہونے میں شک

کرے، وہ بھی کافر ہے۔

اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب علاقے اس سے قطع کردیں، بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔ (۹)

۱۳۳۵ھ میں محمد عبدالواحد خاں، مسلم بمبئی اسلام پورہ نے سوال کیا کہ قادیانیوں سے کس پیرائے میں بحث کی جائے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :

سب میں بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلمات کفر پر گرفت ہے، جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات الارض کی طرح ابلے **گھٹے** پھر رہے ہیں، انبیاء علیہم **الصلوۃ** والسلام کی توہین، عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر **لعن** طعن اور یہ کہنا کہ یہودی کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں پر ہیں ان کا جواب نہیں (اس کے علاوہ متعدد کفر گنوائے)

دوسرا بھاری ذریعہ ان خبیث **پیشن** گوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے، روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں (۱) لڑکے کی پیدائش کی خبر نشر کی، لیکن لڑکی پیدا ہوئی (۲) محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی کی، لیکن وہ بھی جھوٹی ہوئی۔

غرض اس کے کفر حد و شمار سے باہر ہیں، کہاں تک گنے جائیں؟ اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے میں؟ کہ عیسیٰ علیہ **الصلوۃ** و السلام نے انتقال فرمایا، مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدد؟ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر؟ (۱۰)

۱۳۳۹ھ میں ڈیرہ غازی خاں سے عبدالغفور صاحب نے استفتاء بھیجا کہ ایک قادیانی کہتا ہے کہ ابن ماجہ شریف کی حدیث کے مطابق ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا، لاہوری پارٹی کا موقف یہ ہے کہ مرزا وقت کا مجدد ہے، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا :

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضرور ہے، اور قادیانی کافر و مرتد تھا، ایسا کہ تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں، گاندھی پیشوا ہوسکتا ہے نہ مجدد۔ (۱۱)

امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۳۲۰ھ نے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف **"المتعقد المنتقد"** پر

قلم برداشتہ حاشیہ لکھا، اپنے دور کے مبتدعین نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزائے قادیانی کے متعدد کفر گنوائے اور آخر میں فرمایا :

اس کے علاوہ اس کے بہت سے معلون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دوسرے تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (۱۲)

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی نے حرمین شریفین کے علماء اہل سنت کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا، جس میں چند فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا تھا، ان میں سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا۔ (۱۳) اس کے جواب میں حرمین شریفین کے علماء نے مرزائیوں اور مرزائی نوازوں کو کافر قرار دیا۔

اس کے علاوہ انہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور رد مرزائیت میں مستقل رسائل بھی لکھے۔

۱۔ **جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ** اس رسالہ مبارک میں عقیدہ ختم نبوت پر ایک سو بیس حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کی تیس تصریحات پیش کیں۔

۲۔ **المبین ختم النبیین** اس رسالہ میں بیان فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لئے ہے، یعنی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں، جو شخص اس استغراق کو نہیں مانتا اسے کافر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا ہے، جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔ (۱۵)

۳۔ **قہر الدیان علی مرتد بقادیان** : اس میں جھوٹے مسیح مرزائے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کرکے عظمت اسلام کو اجاگر کیا ہے۔

۴۔ **السوء والعقاب** : ۱۳۲۰ھ می امرتسر سے ایک سوال آیا کہ ایک مسلمان اگر مرزائی ہوجائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس رسالہ میں دس وجہ سے مرزائے قادیانی کا کفر بیان کرکے متعدد فتاوی کے حوالے سے یہ حکم تحریر فرمایا :

یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں...... شوہر کے کفر کرتے ہیں عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔ (۱۵)

۵۔ **الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی** :

امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وفات سے چند دن پہلے تحریر فرمائی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ نے "الصارم الربانی" تحریر فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی حیات کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل مسیح ہونے کا زبردست رد کیا۔ یہ رسالہ سہارن پور سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔

امام احمد رضا بریلوی اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

بحمد اللہ! اس شہر (سہارن پور) میں مرزا کا فتنہ نہ آیا' اور اللہ عز و جل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ (۱۶)

رد مرزائیت میں امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے فتووں کو ہر موافق و مخالف نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے' پروفیسر خالد شبیر احمد' فیصل آباد دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں' اس کے باوجود انہوں نے اپنی تالیف "تاریخ محاسبہ قادیانیت" میں رد مرزائیت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا فتوی بڑے اہتمام سے نقل کیا اور فتوے سے پہلے اپنے تاثرات یوں قلم بند کئے :

اس فتوے سے جہاں مولانا کے کمال علم کا احساس ہوتا ہے' وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ (۱۷)

مزید لکھتے ہیں :

ذیل کا فتوی بھی آپ کی علمی استطاعت' فقہی دانش و بصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے' جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے' یہ فتوی مسلمانوں کا وہ علمی و تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ (۱۸)

بعض غیر ذمہ دار افراد نے محض مخالفت برائے مخالفت کے نقطہ نظر سے امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں بے سروپا باتیں منسوب کرکے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا اور یہاں تک لکھ دیا :

مرزا غلام احمد قادر بیگ جو انہیں (امام احمد رضا بریلوی کو) پڑھایا کرتے تھے' نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ (۱۹)

امام احمد رضا بریلوی کے ابتدائی استاذ اور مرزا قادیانی کے بھائی کا نام ایک ہے جس کی بناء پر یہ مغالطہ دیا گیا' حالانکہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمتہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بھائی مرزا مطیع بیگ کے پوتے مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) نے اپنے ایک مقالہ

میں اس الزام تراشی کا سکت جواب دیا ہے' ان کا بیان ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ لکھنؤ کے محلّہ جھوائی ٹولہ میں یکم محرم' ۲۵ جولائی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے' ان کے والد لکھنؤ سے بریلی منتقل ہوگئے تھے' ہمارا خاندان نسلاً" ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے' مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانہ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں' مرزا غلام قادر بیگ طباعت کرتے تھے اور دینی تعلیم بلامعاوضہ دیا کرتے تھے' دوسرے طالب علم آپ کے مطب پر پڑھنے آتے' لیکن آپ امام احمد رضا بریلوی کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے' پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے اصرار کرکے امام احمد رضا سے ہدایہ کا درس لیا اور فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ :

میں علم و فضل کے شہنشاہ کا شاگرد ہوں' ان شاء اللہ! روز قیامت میں بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی مبارک صف میں شامل ہوں گا۔

حضرت مرزا غلام قادر بیگ کا انتقال بریلی شریف میں یکم محرم' ۱۸ اکتوبر ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا' محلّہ باقر گنج میں واقع حسین باغ میں دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

جناب مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) لکھتے ہیں :

ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا' اس لئے یہ کہنا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمتہ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے' انتہائی لغو' بے بنیاد اور کذب صریح ہے (۲۰)

آخر میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی کے اراکین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کا اعزاز عطا فرمایا۔

ماخذ

(۱) احمد رضا بریلوی' امام : فتاوی رضویہ (شیخ غلام علی' لاہور) جلد نمبرا صفحہ نمبر۲۴۲

(۲) احمد رضا بریلوی' امام : فتاوی رضویہ (شیخ غلام علی' لاہور) جلد نمبرا صفحہ نمبر۲۴۲

(۳) احمد رضا بریلوی' امام : فتاوی رضویہ (شیخ غلام علی' لاہور) جلد نمبرا صفحہ نمبر۲۷۳

(۴) احمد رضا بریلوی' امام : احکام شریعت (طبع کراچی) جلد نمبرا صفحہ نمبر۱۱۲

(۵) ایضاً" : صفحہ نمبر۱۲۸

(۶) ایضاً" : صفحہ نمبر۱۳۹

(۷) ایضاً" : صفحہ نمبر۱۲۲

(۸) ایضاً : صفحہ نمبر ۱۷۷

(۹) احمد رضا خاں بریلوی، امام : فتاوی رضویہ (طبع مبارک پور، انڈیا) جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۵۱

(۱۰) ایضاً : جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۲۔۳۱

(۱۱) احمد رضا بریلوی، امام : فتاوی رضویہ (طبع مبارک پور) جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۸۱

(۱۲) ایضاً : المعتقد المنتقد (مکتبہ حامدیہ، لاہور) صفحہ نمبر ۲۳۹

(۱۳) ایضاً : حسام الحرمین (مکتبہ نبویہ، لاہور) صفحہ نمبر ۱۵۔۷

(۱۴) احمد رضا بریلوی، امام : فتاوی رضویہ جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۵۸

(۱۵) ایضاً : مجموعہ رسائل رد مرزائیت (رضا فاؤنڈیشن، لاہور) صفحہ نمبر ۴۴

(۱۶) ایضاً : صفحہ نمبر ۲۶

(۱۷) خالد بشیر احمد، پروفیسر : تاریخ محاسبہ قادیانیت (فیصل آباد) صفحہ نمبر ۴۵۵

(۱۸) ایضاً : صفحہ نمبر ۴۶۰

(۱۹) احسان الٰہی ظہیر : البریلویہ، عربی (طبع لاہور) صفحہ نمبر ۲۰۔۱۹

(۲۰) عبدالوحید بیگ مرزا : ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف، شمارہ جون ۱۹۸۸ء

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم اليك اسناد الحمد ونهاية سلاسل الشكر وصل على حبلك الموصول المتصل الغير منقطع مرسلك المرفوع بوصلك فوق كل مرتفع وعلى اله وصحبه خير ال وصحب رواة وحملة طرق الوصول الى ساحته الرحب وبعد فسلام عليكما ورحمة الله وبركاته سيد الفاضل والجيد الفاضل ذا الفخر السمي والقدر العلي مولنا المولوي ابا محمد ديدار علي العلوي الحيدري الرضوي الالوري مفتي اكبر اباد اباد بل الفساد وايده بالسداد والرشاد ونجله الاسعد الارشد الامجد الاحمد

الف وثلثمائة وسبع وثلثين من هجرة سيد الانام عليه وعلى اله وصحبه وابنه وحزبه افضل الصلاة والسلام فقاله بفمه ورقمه بقلمه عبد المصطفى احمد رضا المحمدي السني الحنفي القادري البركاتي غفر الله له ما مضى من سياته وما ياتي امين والحمد لله رب العلمين

(سند خلافت بنام سید محمد دیدار علی نقشبندی الوری)

اعلیٰ حضرت کی ملی خدمات

تحریر: سید نور محمد قادری، مرتب: سید محمد عبد اللہ قادری (واہ کینٹ)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندو قوم نے ہر اس امر کو مٹانے کی کوشش کی جو انہیں مسلمانوں کا عہد یاد دلاتا تھا خاص طور پر (۱) اردو زبان اور اس کا رسم الخط (۲) قربانی گاؤ' ان (ہندوؤں) کے نزدیک اردو تو مسلمانوں کی مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی تھی اور جب تک اس کا اثر ختم نہ ہو عام مسلمانوں کی مذہب سے دل چسپی ختم نہیں ہوسکتی۔ رہی گائے تو وہ ہندوؤں کی متبرک ماں تھی لیکن اس کی قربانی مسلمان قوم کا مذہبی شعار تھا' اسلامی شعار کو زندہ رکھنے کے لئے' اعلیٰ حضرت بریلوی (احمد رضا خان) قادری علیہ الرحمہ (م ۱۹۲۱ء) نے بھرپور کوشش کی۔

مولانا احمد رضا خان کی سعی اور تحفظ گاؤ کشی کا تاریخی جائزہ

جناب اللہ بخش یوسفی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔ "۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے پہلے ہی پنجاب میں سکھ راج کے وقت سے ہی سرکاری طور پر تحفظ گاؤ کشی کی سرپرستی شروع ہوگئی تھی چنانچہ ۱۸۳۸ء میں شاہ شجاع (والی افغانستان) رنجیت سنگھ اور انگریز نمائندہ کے درمیان شملہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جن اوقات میں رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کا لشکر ایک ہی جگہ مقیم ہو وہاں گائے نہ کاٹی جائے گی" (۱)

یہ حالت تو تھی ۱۸۳۸ء اور صرف پنجاب میں جہاں سکھوں کی حکومت تھی لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ہر جگہ تحفظ گاؤ کشی کی انجمنیں قائم ہونے لگیں۔ کئی جگہ خون خرابے بھی ہوئے یہاں تک کہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں ہندوستان کے مختلف شہروں کے لوگوں نے استفتا مرتب کرکے علماء اسلام کو بھیجے تاکہ وہ تفصیل سے اس مسئلہ پر

روشنی ڈالیں۔

"چنانچہ شوال المکرم ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء کو مراد آباد سے مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کو اس مضمون کا استفتا بھیجا گیا' کیا فرماتے ہیں کہ علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یا اگر کوئی شخص معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا' گاؤکشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے' یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو گناہ گار نہ ہوگا' جہاں بلاوجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ و فساد اور مغضی بہ ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری اہل اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارت فتنہ و فساد' ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کی معتبر ہے یا گائے کی تبینوا و توجروا" (۲)

یہ استفتا بقول علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' اہل ہنود کی طرف سے مرتب کئے گئے اور بنام زید و عمرو مختلف شہروں سے علمائے کرام کو بھیجے گئے" (۳)

مولانا احمد رضا خان کا جواب

مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ نے اس استفتا کا مفصل اور مدلل جواب لکھا اور سائل کے تمام شکوک و شبہات کا مسکت جواب دیا ان کا یہ جواب رسائل رضویہ جلد دوم کے نو ۹ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس فتوی میں مولانا احمد رضا خان قرآن و حدیث سے نفس قربانی اور قربانی گاؤ پر تفصیلی بحث کے بعد سائل کے تمام شبہات و اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ و فساد ہو' ہم کہتے ہیں کہ جن مواضع میں مثل بازار و شارع عام وغیرھا' گاؤ کشی کی قانونی ممانعت ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ و فساد اس کی طرف منسوب ہوسکتی ہے اور وہ قانونا" مجرم قرار پائے گا۔ اور اس امر کو ہماری شرع مطہر بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذے یا انہیں سزا ہونے کا باعث ہونا بے شک توہین مسلم ہے جس کا مرتکب یہ شخص ہوا۔ نظیر اس کی سب دشتم الھیہ باطلہ مشرکین ہے کہ شرع نے اس

سے ممانعت فرمائی ہے اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہ جرم محقق نہ تھا۔ **قال تعالیٰ "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم"** اور جہاں "قانون" ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ و فساد ہوگا تو لا جرم ہنود کی جانب سے ہوگا اور جرم انہی کا ہے کہ جہاں گائے ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے ان کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی ترک کرسکتے ہیں؟ یہ حکم بعینہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اغنیاء سے کہے تمہارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ و فساد و ایذائے خلق اللہ ہے کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ بید و قید کی سخت سزا پائیں، اس احمق کے جواب میں بھی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے اس کے سبب سے ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ و فساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً" اس رسم کے لئے اٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھوں آئے گی، جہاں چاہیں گے فتنہ و فساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہب کو چاہیں گے اپنے فتنہ و فساد کی بنا پر بند کرادیں گے اور یہی واقعہ ان کے لئے نظیر ہوجائے گا کہ ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً" واجب ہے۔ یا **مجملہ** خلاصہ جواب یہ ہے کہ بازار و شارع عام میں جہاں قانوناً" ممانعت ہے براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک مسلمانوں کو توہین عدالت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً" حرام ہے اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بے جا ہٹ کو بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان مضرات و مذلات کا باعث ہے جس کا ذکر ہم اول کر آئے ہیں جنہیں شرع مطہر ہرگز گوارا نہیں کرتی" (۴)

۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں اس مسئلہ میں مزید شدت پیدا ہوگئی اور مشہور کانگریسی لیڈر تلک مہاراج نے سیواجی کو قومی ہیرو قرار دیا اور گنپتی کا تہوار منانے کا فیصلہ کیا جس میں ہر سال مسلمانوں کے محرم کے موقع پر ایک دیوتا کا بت ہاتھی پر سوار کرکے ہر گاؤں میں پھرایا جاتا اس موقع پر تلک نے ایک تحفظ گاؤ کشی (ANTI KILLING COW COMMITTEE) مجلس قائم کی جس کی تمام ہندوستان میں شاخیں قائم کردی گئیں" (۵)

اس موقع پر مسلمانان ہند نے پھر مولانا بریلوی سے رجوع کیا اور ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کو بدیں الفاظ "مجلس داد خواہی مسلمانان بریلی" کی طرف سے استفتا بھیجا گیا کہ دعوی قربانی کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف

میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کہ کتاب مذکورہ میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں ہے، مدعی خلاف اس کے بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے جس کے دھرم شاتر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے چوں کہ یہ بیان ان کے متعلق قرآن شریف و مسائل مذہب کے لئے ہے لہٰذا علماء کی خدمت میں یہ استفتا ہے کہ یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط" (٦)

اس استفتا کا مولانا بریلی نے پھر مفصل جواب لکھا جو بڑے سائز کے سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے تفاسیر قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ و سے قربانی گاؤ ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"ہائی کورٹ نے مقدمہ قربانی نمبری ٦٧٨ میں تاریخ ہنود زمانہ پیش سے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی مرسوم میں "گیومیدہ" یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے۔ اور متقدمین ہنود نے اس کی تاکید کی تھی۔ تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں مزاحمت بے جا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً" عرفاً" قانوناً" کسی طرح انہیں اختیار نہیں" (٧)

چوں کہ اس وقت مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ سیاسی تنظیم نہیں تھی اس لئے مذہبی شعار کو قائم رکھنے کے لئے انفرادی طور پر کوششیں ہوتی رہیں لیکن ١٩٠٦ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

استفتاء مسلم لیگ بریلی

١٣٢٩ھ/١٩١١ء میں ضلع مسلم لیگ بریلی کے جائنٹ سیکریٹری سید عبدالودود نے اس مسئلہ کو پھر مولانا بریلوی کی خدمت میں بدیں الفاظ پیش کیا۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہورہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انہوں نے ایک بہت بڑی عرض داشت گورنمنٹ کو پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سے دستخط کررہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا حکم کیا ہے اور اس مذہبی رسم کے جو شعائر اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد

دینے والے گناہ گار اور عنداللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں" (۸)

جواب مولانا بریلی

چوں کہ مولانا پہلے بھی دو دفعہ اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرچکے تھے اس لئے انہوں نے مختصراً" جواب دیا جو یہ ہے۔

"فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب مکرم مجید میں متعدد جگہ موجود ہے۔ اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم" (۹)

ادھر علمائے حق اور مسلم لیگ کے لیڈر اس مذہبی شعار کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کررہے تھے ادھر کانگریس کے حامی نام نہاد مسلمان اس مذہبی رسم کو ختم کرانے کی جو ناکام کوشش کررہے تھے اس کی تفصیل مولانا عبدالقادر بلگرامی نے اپنے کتابچہ "گاندھی کے نام کھلا خط" میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "۵ نومبر ۱۹۱۳ء کو مشیر حسین قدوائی نے روزنامہ ہمدرد میں ایک مضمون چھپوایا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ چوں کہ اجودھیا ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہ یہاں ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کردیں۔

نومبر ۱۹۱۳ء ہی میں مسٹر مظہر الحق صاحب ے ہمدرد ہی میں یہ اپیل شائع کروائی کہ مسلمان کانپور اور اجودھیا میں گائے کی قربای نہ کیا کریں۔ ۱۹۱۹ء میں مولانا حسرت موہانی نے خود کٹار پور جاکر یہ کوشش کی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کردیں دسمبر ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوشش سے مسلم لیگ نے یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کردیں۔ مولانا عبدالباری کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کردیں۔ ۱۹۱۹ء میں حکیم محمد اجمل خان مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں، کاشی، اجودھیا، متھرا اور بند رابن وغیرہ میں گائے کی قربانی فوراً" ختم کردی جائے اور ایک کمیٹی بنائی جائے جو تمام ہندوستان میں گائے کی قربانی بند کرانے کی کوشش کرے" (۱۰)

مولانا عبدالقادر بلگرامی صاحب نے اپنے اس بے مثل کتابچہ جس میں پہلی بار ۱۹۲۰ء میں انہوں نے تقسیم ہند کی واضح اور باضابطہ تجویز پیش کی تھی، پچاس صفحات صرف مسئلہ قربانی گاؤ کے لئے مختص کئے۔ مولانا بلگرامی اور مولانا احمد رضا

خان کے علاوہ مولوی محمد فاروق چڑیا کوٹی، سید محمد سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے بھی اس مسئلہ پر مستند کتابیں اور رسائل تحریر کئے۔ یہ تھی مختصر کہانی "قربانی گاؤ" اور "تحفظ گاؤ کشی" کی اور مولانا بریلوی کی اس سلسلہ میں مساعی جمیلہ کی۔ اس کے علاوہ وہ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے وقت کے دیگر مسائل **مثلاً** واقعہ مسجد کانپور، **میثاق لکھنؤ**، علی گڑھ کالج پر متحدہ قومیت کے پرستاروں کی یلغار اور تحریک عدم تعاون کے موقعہ پر قوم کی رہبری اور رہنمائی کی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

واقعہ مسجد کانپور

مسجد کانپور کے المیہ کے بارے میں سرسید رضا علی صاحب لکھتے ہیں۔

"مسجد کانپور کا واقعہ انگریزی تدبر کی بدترین مثال ہے، بازار مچھلی شہر کی مسجدیں جو لب سڑک ہے کچھ غسل خانے جانب مشرق واقع تھے۔ جب نئی سڑک نکلی تو گورنمنٹ نے قانونی کاروائی کے ذریعہ سے غسل خانوں کی زمین کو حاصل کرلیا مسلمان چیختے چلاتے رہے کہ مسجد کا جزو ہونے کی وجہ سے غسل خانوں کی اراضی قانوناً" حاصل نہیں کی جاسکتی مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ آخر وقت میں گورنمنٹ (یعنی گورنر) سے بھی رجوع کیا گیا مگر گورنمنٹ نے معمولی بات سمجھ کر مداخلت سے انکار کردیا۔ کانپور کے کلکٹر اس زمانہ میں مسٹر **ٹاٹلو** اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے چیئرمین مسٹر سم تھے۔ آخر جولائی ۱۹۱۳ء میں مسٹر سم کی تحریک پر پولیس کی مدد سے غسل خانے منہدم کردیئے گئے اور امپرومنٹ ٹرسٹ نے برائے نام قبضہ لے لیا! انہدام کی خبریں شائع ہونے پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور اسلامی اخباروں میں اس کاروائی پر احتجاج کیا گیا۔ ہم مسلمان جذباتی قوم ہیں جس کا حال ہم خود کو بھی معلوم ہے اور گورنمنٹ کو بھی، تیسری اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان مچھلی بازار کی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور منہدم غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر مسالہ یا گارے کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کردیں۔۔۔ مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر مجمع پر بے تحاشا بندوقوں کے فیر اور بھالوں کے وار کئے، بہت سے آدمی جان سے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے" (۱۱)

جناب رئیس احمد جعفری صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اس واقعہ کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف مسجد کی

بازیابی کے لئے جلسے جلوس ہونے لگے۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام میدان میں آگئے' ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی' راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے لیفٹنٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ : تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو' سیڑھی یا منبر اس لئے مسجد کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔" (۱۲)

آخر کار سر علی امام' مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور راجہ صاحب محمود آباد کی کوششوں سے گورنمنٹ سے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوگئی۔

اول : مسجد کی سطح چوں کہ زمین سے کئی فٹ بلند تھی اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کرلئے جائیں گے۔ مگر نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنادیا جائے گا تاکہ راہ رو اس پر سے گزر سکیں۔

دوم : فوج داری کا وہ مقدمہ جس میں مسلمان ملزم سیشن سپرد ہوچکے تھے اور جس کی سماعت کے لئے مسٹر ڈی ۔ آر ۔ لائل کی عدالت میں تاریخ مقرر تھی وہ اٹھا لیا جائے گا اور جملہ ملزمان بری کردیئے جائیں گے" (۱۳)

چوں کہ اس سمجھوتہ میں اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلاعوض قابل انتقال نہیں" کی صریحاً" خلاف ورزی کی گئی تھی اور مسلمان فریق میں شامل حضرات میں سے واحد عالم دین صرف مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے' اس لئے قدرتی طور پر علماء اور عوام نے ان کو معطون کیا اور فیصلہ کی تردید میں کافی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف "ابانتہ المتواری" اور حاجی مقتدی خان شروانی کی "ابلیس کا خطبہ صدارت" نمایاں حیثیت کی مالک تھیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف کہ "وقف بالعوض یا بلاعوض قابل انتقال نہیں" کے ثبوت میں قرآن' احادیث مبارکہ اور فقہ شریف سے دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے اور وقف کے ہر پہلو کو اس طرف واضح فرمایا کہ مخالفین کے دلائل کی حیثیت پرکاہ کے بھی برابر نہ رہی۔

مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری نے (خدا جانے کسی مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے جواباً" "قوامع الواہیات" شائع کرکے مولانا فرنگی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم مسلک کسی عالم یا لیڈر کو اعلیٰ حضرت کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرات نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اس کے بعد مسلمانوں کے

متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ مسئلہ یا رکن اعلیٰ حضرت کی کوشش سے ہمیشہ کے لئے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہوگیا۔

میثاق لکھنؤ

اس میثاق کی تفصیل جناب محمد احمد خان نے اپنی تصنیف "اقبال کا سیاسی کارنامہ" میں اس طرح بیان کی ہے۔

"۱۹۱۵ء میں کانگریس و مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوشش شروع ہوئی اور بالا خر ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین وہ معاہدہ طے پایا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میثاق کو ہندوستانی سیاست میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا تھا اور صوبائی مجالس مقنّنہ میں مسلم نشستوں کا اسی طرح تعین کیا گیا تھا کہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں ان کی آبادی کے تناسب سے کچھ نشستیں گھٹا دی گئی تھیں اور جہاں وہ اقلیت میں تھے وہاں ان کو آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں دی گئی تھیں۔ اس طریقہ کو اصطلاح میں پاسنگ کہا جاتا ہے یہ بھی طے پایا کہ مرکزی مقنّنہ میں ۵۰۴ منتخب شدہ اراکین ہوں اور مسلمان اراکین کا تناسب منتخب شدہ اراکین کے ایک تہائی کے مساوی ہوگا۔ اور اس امر پر بھی راضی نامہ ہوچکا تھا کہ اگر کسی جماعت کے تین چوتھائی اراکین کی مسودہ قانون یا تحریک کی مخالفت کریں تو ایسا مسودہ قانون یا تحریک ایوان میں پیش نہیں کی جاسکے گی۔" (۱۴)

بظاہر دلکش اور مفید یہ میثاق لکھنؤ اپنے اندر بہت سے مضمرات لئے ہوئے تھا۔ جو کسی وقت بھی مسلمان قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتے تھے اس لئے حضرت علامہ محمد اقبال اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہم نے اس کی شدید مخالفت کی مولانا عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں :

"علامہ اقبال اس میثاق کے مخالف تھے کیوں کہ اس کے ماتحت مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو موثر اقتدار نہ ملتا تھا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں پاسنگ کی وجہ سے ان کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا تھا اس کے علاوہ علامہ (اقبال) کا خیال یہ تھا کہ ایسا میثاق اسی صورت میں مفید ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی داغ بیل ڈالنا منظور ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی تعمیر ناممکن ہے اور نہ اس کے لئے کوئی کوشش کرنا مفید ہے۔" (۱۵)

اعلیٰ حضرت نے بھی اس معاہدہ کی مخالفت

اسی بنا پر کی تھی کہ یہ در پردہ مسلم قومیت کو ختم کرنے کی کوشش ہے ممتاز مسلم لیگی رہنما سید ہاشم رضا تحریر کرتے ہیں۔

"۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کے ذریعے اتحاد کی کوشش کی گئی لیکن مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے مخالفت کی اور ہندو مسلم کی الگ الگ قومیت کا نعرہ بلند کیا۔" (۱۶)

تحریک ترک موالات و خلافت

یہ ایک ایسی تحریک تھی جس سے مسلمانوں نے پایا کم کھویا زیادہ۔ یہ تحریک بڑی نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی تھی لیکن ناعاقبت اندیش مسلمان لیڈروں اور علماء نے اس تحریک کو برصغیر کے مکار ترین ہندو لیڈر کی جھولی میں ڈال دیا تو یہ تحریک اپنے مقاصد سے بہت دور چلی گئی اور تحریک کے ذمہ داران مسلمان افراد سے ایسے ایسے ایمان سوز افعال و اقوال سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے اب بھی (۶۵، ۷۰ سال گزرنے کے بعد) رونگھٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بمصداق "نقل کفر کفر نہ باشد" چند مشرکانہ اقوال و افعال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولانا ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر نے کہا۔

"اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے" (۱۷)

۲۔ مولانا شوکت علی نے ارشاد فرمایا :

"زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہوگا" (۱۸)

۳۔ مولانا محمد علی جوہر فرماتے ہیں :

"میں اپنے لئے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں" (۱۹)

ان نام نہاد مسلمانوں نے اس پر ہی بس نہ کی بلکہ بقول خان عبدالوحید خان :

"جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن اور گیتا رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے تقسیم کئے گئے۔" (۲۰)

جو اصحاب مزید تفصیل میں جانا چاہیں وہ درج ذیل کتاب کا مطالعہ کریں :

۱۔ **المحجتہ الموتمنہ** "از اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی"

۲۔ گاندھی کے نام کھلا خط "از عبدالقادر **بلگرامی**"

۳۔ تحقیقات قادریہ از مولانا جمیل الرحمٰن

بریلوی

۴۔ النور' از سید محمد اشرف بہاری

۵۔ مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی" از خان عبدالوحید خاں' وغیرہ

جب علمائے حق نے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اس طرح بازیچہ اطفال بنتے دیکھا تو ان کی ایمانی عزت غیرت اور دینی عصبیت بھڑک اٹھی اور اپنے آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے۔ چناں چہ مولانا احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے ان ناعاقبت اندیش نام نہاد مسلمان لیڈروں کے کفریہ کلمات و افعال کی تردید میں کتب و رسائل تصنیف کئے وہاں بریلی میں کل ہند "مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ" قائم کی جس نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ تحریک عدم تعاون و خلافت کے لیڈروں میں صرف مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی ذات گرامی ہی ایسی ہستی تھی جو ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما کے طور پر مسلمہ حیثیت رکھتی تھی دوسرے رہنماؤں **مثلاً** مولانا شوکت علی' مولانا محمد علی' اور ظفرالملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے چنانچہ مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلاف اسلام کلمات اعلیٰ حضرت کی نظر سے گزرے تو ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا' خط و کتابت کے ذریعے افہام و تفہیم چاہی لیکن مولانا فرنگی محلی پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت' کی یہ مساعی بار آور نہ ہوئی تو پھر آپ نے مجبور ہوکر "الطاری الداری لھفوات عبدالباری" مولانا عبدالباری کے رد میں تصنیف فرمائی اور سخت لہجے میں مولانا عبدالباری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ ان پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کوئے یار کی طرف نہیں بلکہ وادی کفار کی طرف جاتی ہے اور "الکفر ملتہ واحدۃ" کے تحت ہندو' سکھ' یہودی' عیسائی کی کوئی تمیز نہیں یہ ہمیشہ سے ایک ہیں اور اسلام کے خلاف ایک ہی رہیں گے۔

جہاں تک سلطنت عثمانیہ' مقامات مقدسہ اور خلیفتہ المسلمین کی حاکمیت تسلیم کئے جانے کا تعلق ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب دوسرے مسلمان لیڈروں سے متفق تھے انہیں تو اس طرز عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلہ میں گاندھی کے زیر اثر اور زیر قیادت اختیار کیا گیا تھا۔ مسلمان لیڈروں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیاں کیں کہ جن کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکی بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک ان سیاسی راہنماؤں کی ناعاقبت اندیشی کا

خمیازہ بھگت رہے ہیں "الطاری الداری لھفوات عبدالباری" میں اعلیٰ حضرتؒ نے مولانا عبدالباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ مولانا آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑگئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبدالباری کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراط مستقیم واضح ہوگئی۔ چنانچہ مولانا عبدالباری نے روزنامہ "ہمدم" میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ میں شائع فرمایا :

"میں نے بہت گناہ دانستہ کئے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں اے اللہ میں نے وہ امور قولا" و فعلا" و تقریرا" و تحریرا" بھی کئے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب سے اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لئے کوئی قدوہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کرکے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر" (۲۱)

(ب) محمڈن علی گڑھ کالج (بعد میں مسلم یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود الحسن اور ان کے ہم نوا علماء کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس بت کو ڈھادیا جائے، آخر تحریک ترک موالات' کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود الحسن اور ابوالکلام آزاد نے پروگرام بنایا چنانچہ مولانا محمود الحسن نے علی گڑھ کالج کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علی گڑھ میں اڈہ جمالیا۔ کالج کے طلباء کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے ارشاد فرمایا :

"میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کی عمارتوں، کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے۔" (۲۲)

یعنی مولانا اور ان کے ہم نواؤں کے دل میں مسٹر گاندھی کے زیر اثر بات بیٹھ گئی تھی کہ جب تک مسلمانوں کی عظیم علمی درس گاہ، علی گڑھ کالج کو نیست و نابود نہ کردیا جائے اس وقت تک خلافت اور ترک موالات کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ آخری مولانا محمد علی جوہر اور ابوالکلام آزاد کی تقریریں اور محمود الحسن کا فتویٰ رنگ لایا۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا جوہر کی زیر سرکردگی، گاندھی کے مجاہدین' نے کالج پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر سرضیاء الدین، مولانا حبیب

الرحمٰن خان شروانی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے خلیفہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری رحمتہ اللہ علیہم کا ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل تباہی اور شکست و ریخت سے بچ گیا۔ کالج کو ناعاقبت اندیش علماء سے بچانے کے لئے جو کردار مولانا سید محمد سلیمانِ اشرف رحمتہ اللہ علیہ نے ادا کیا اسے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں :

"۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کو آپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ "گائے کی قربانی" اور "موالات" پر بڑے بڑے جید علماء اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کردیا ہے اس زمانہ کے اخبارات، تقاریر تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہوگیا...... کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی، مرحوم (سید محمد سلیمان اشرف) مطعون ہورہے تھے۔ لیکن چہرہ پر اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق...... کہتے تھے رشید! دیکھو، علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے...... بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے اور کہتے تم پر اس ہڑگم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں اور میں کالج کا مولوی یوں ہی ہانکتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے ہم تم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔

سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا اور آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔" (۲۳)

(ج) علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج کی طرف رخ کیا اور اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لحہ اور سانس مسلمان قوم کے تباہ و برباد کرنے کے لئے وقف تھا، اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ نے اس قائد کے متعلق کیا خوب کہا ہے : ؎

آزادنہ مگر بے شک مشرک
دہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
زا سلامت اگر بہرہ بدمے میکردی
برناخن مسلم فداک مشرک

اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے ان دو شعروں میں سمودیا ہے اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ غرض کہ ابوالکلام، ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہم نوا اور ہم

خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ابوالکلام کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان ابوالکلام کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنے جگہ سے اٹھے اور ان کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن دلائل سے بھرپور تقریر سے جواب دیا۔

اس کے بعد انجمن حمایت اسلام نے جس کے سیکریٹری جنرل اس وقت حضرت علامہ اقبال تھے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقہ اثر سے باہر ہوں اور اعلائے کلمتہ الحق جن کا شعار ہو۔ چنانچہ مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور نے ایک "فتویٰ" ترتیب دیا اور تصدیق کے لئے مختلف علماء کی خدمت میں ارسال کیا جن میں مولانا احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ ذیل میں مولوی حاکم علی کا فتویٰ اور وہ خط ملاحظہ ہو جو مولوی صاحب نے اس فتویٰ کے ساتھ اعلیٰ حضرت بریلوی کو ارسال کیا۔

فتویٰ : "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام تولی کے معنی معالمت اور ترک موالات قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے کی جارہی ہے مذکورہ نے ۲۰ اکتوبر کی (حمایت اسلام) کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر یہ اعلان کردیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونی ورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلادی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونی ورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معالمت قائم رہتی ہے نہ موالات۔ لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونی ورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔" (۲۴)

مندرجہ بالا فتویٰ کو حاکم علی صاحب نے ایک خط کے ساتھ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ارسال کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق و تائید فرمادیں۔ خط حسب ذیل ہے۔

"آقائے نامدار مویدِ ملت جناب شاہ احمد رضا خان صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

پشت ہذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کرکے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے تو آج ہی یا کم از کم

دوسرے روز بھیج دیں انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱ اکتوبر کو ہونا قرار پایا ہے اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔

عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھ سے بچائیں۔

نیازمند و دعاگو

حاکم علی لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء" (۲۵)

اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس فتوی کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کو حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درسگاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی یہ فتوی سات صفحات پر مشتمل ہے اور رسائل رضویہ جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۸۱ تا ۸۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

المحجتہ الموتمنہ

اعلیٰ حضرت کے مذکورہ بالا فتویٰ سے اسلامیہ کالج لاہور نادان دوستوں کی یلغار سے محفوظ ہوگیا بلکہ ان کے ناپاک ارادوں پر حسرت و ندامت کی اوس پڑ گئی اور تحریک ترک موالات کے حامیوں میں سے ایک صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائل پور نے ایک طویل استفتاء مرتب کیا جو اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً" ایک مفصل فتوی ترتیب دیا جو بعد میں "المحجتہ الموتمنہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اور یوں دو قومی نظریہ پر ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانان برصغیر کے لئے دلیل راہ کا کام دیا۔

اس فتوی میں اعلیٰ حضرت نے قرآن حکیم کی آیت **لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین** (پارہ نمبر ۲۸ سورہ الممتحنہ رکوع نمبر ۲)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ۔ تو بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔

پر مفصل بحث کی ہے اور تمام مستند تفاسیر و کتب فقہ مثلاً" تفسیر رازی' روح البیان' تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوال فقہا و علماء کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ اس آیہ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وداد و

محبت جائز بلکہ فرض ہے کہ تار و پور بکھیر دے اور ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ولی اور دوست کافر نہیں ہوسکتا کیوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔ عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیہ مبارک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی ا س کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا :

"ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو آیہ کریمہ "لاینھکم" پر مشرک غیر محارب کو عام ہوکر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مساوات ہی کی رخصت دی یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجد المسلمین میں باادب تعظیم پہنچا کر مسند مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جاکر، مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ و ہادی مسلمین بناؤ، گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھراؤ، قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر لے جاؤ۔" (۲۶)

اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ :

"اگر بغرض باطل ان (رہبران گم کردہ راہ) کی یہ شترگربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو، "لم یقاتلوکم فی الدین" کا مصداق ماننا آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے! کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہوگئے! بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لینے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے" (۲۷)

الغرض کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی "الحجتہ الموتمنہ" میں پرزور تردید فرمائی، اور اس طرح غیر منقسم ہند میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں مرکزی کردار ادا کیا جو آگے چل کر مسلمانوں کی علیحدہ خود مختار مملکت کے* مطالبے اور تحریک پاکستان کا محرک بنا۔

حواشی

۱۔ سرحد کی جدوجہد آزادی، از اللہ بخش یوسفی لاہور ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۲۹

۲۔ رسائل رضویہ جلد دوم، مرتب مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۱۵

۳۔ النور، از سید محمد سلیمان اشرف علی گڑھ ۱۹۲۱ء

۴۔ رسائل رضویہ جلد دوم، مرتب مولانا محمد عبدالحکیم

اختر شاہ جہان پوری لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۱۵ تا ۲۲۳
۵۔ محمد علی جناح (انگریزی)' از مطلوب حسین سید' طبع چہارم کالج ایڈیشن کراچی' صفحہ نمبر ۱۰' ۱۱
۶۔ رسائل رضویہ جلد دوم' مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۲۷
۷۔ رسائل رضویہ جلد دوم' مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری' لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۳۴
۸۔ رسائل رضویہ جلد دوم' مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری' لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۳۴
۹۔ رسائل رضویہ جلد دوم' مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری' لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۳۵
۱۰۔ گاندھی کے نام کھلا خط' عبدالقادر بلگرامی مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۱۶ تا صفحہ نمبر ۱۸
۱۱۔ اعمال نامہ' سید رضا علی' دہلی ۱۹۴۳ء صفحہ نمبر ۳۰۸ تا ۳۰۹
۱۲۔ علی برادران' رئیس احمد جعفری' لاہور صفحہ نمبر ۳۶۰
۱۳۔ اعمال نامہ' سید رضا علی' دہلی ۱۹۴۳ء صفحہ نمبر ۳۲۵
۱۴۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ' محمد احمد خان' لاہور ۱۹۷۷ء صفحہ نمبر ۶۷' ۶۸
۱۵۔ ذکر اقبال' عبدالمجید سالک' لاہور ۱۹۵۵ء صفحہ نمبر ۱۰۲
۱۶۔ ماہ نامہ اظہار' کراچی مضمون سید ہاشم رضا' ۱۹۸۶ء صفحہ نمبر ۱۷
۱۷۔ پیسہ اخبار لاہور بحوالہ تحقیقات قادریہ مرتبہ جمیل الرحمٰن بریلوی صفحہ نمبر ۲۹
۱۸۔ مدینہ' بجنور' لاہور بحوالہ تحقیقات قادریہ مرتبہ جمیل الرحمٰن بریلوی ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ نمبر ۱۷
۱۹۔ محمد علی ذاتی ڈائری' عبدالماجد دریا آبادی جلد اول صفحہ نمبر ۱۰۷
۲۰۔ مسلمان کا ایثار اور جنگ آزادی' عبدالوحید خان صفحہ نمبر ۱۴۲' ۱۴۳
۲۱۔ حیات اعلیٰ حضرت' مولانا ظفرالدین بہاری' جلد اول کراچی' صفحہ نمبر ۳۰۲
۲۲۔ ترک موالات' مطبوعہ مدینہ پریس بجنور صفحہ نمبر ۱۱
۲۳۔ گنج ہائے گراں مایہ' رشید احمد صدیقی لاہور ۱۹۷۹ء صفحہ نمبر ۲۴ تا ۲۵
۲۴۔ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت' سید نور محمد قادری گجرات' ۱۹۷۵' صفحہ نمبر ۲۴
۲۵۔ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت' سید نور محمد قادری گجرات ۱۹۷۵ء صفحہ نمبر ۲۵
۲۶۔ المحجۃ الموتمنہ از اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ بریلی صفحہ نمبر ۴۴ تا ۴۵
۲۷۔ المحجۃ الموتمنہ از اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ بریلی صفحہ نمبر ۲۷

فاضلِ بریلوی
ایک ممتاز اور محقق مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد
(ڈائریکٹر ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا)

حضرت فاضل بریلوی شیخ احمد رضا خان حنفی قادری متحدہ ہندوستان کے ایک صاحب نظر مفسر، عظیم محدث، جلیل القدر فقیہہ اور عربی و فارسی و اردو کے نابغہ روزگار مصنف گزرے ہیں، جنہیں دنیائے علم و فضل "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اور برصغیر ہندوستان پاکستان کے کچھ لوگ مثلاً" شاہ عبدالمقتدر بدایونی (م ۱۳۳۴ھ) اور حرمین شریفین کے بعض علماء انہیں چودھویں صدی ہجری کا مجدد مانتے ہیں۔ السید اسماعیل بن خلیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف لکھتے ہیں بل **اقول لوقیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا" و صدقا"** (حسام الحرمین صفحہ نمبر ۵۱) یہی بزرگ **الدولتہ المکیتہ** پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں **وبعد فان شیخنا العلامتہ المجدد شیخ الاساتذہ علی الاطلاق الشیخ احمد رضا خان** (**الدولتہ المکیتہ** صفحہ نمبر ۶) ان کے مجدد مائتہ حاضرہ ہونے پر مفصل بحث کے لئے دیکھئے۔ محمد ظفر الدین قادری رضوی کا رسالہ "چودھویں صدی کے مجدد" (لاہور، ۱۹۸۰ء)

آپ کے آباء و اجداد افغانی النسب تھے اور قندھار کے ایک معزز قبیلے سے تعلق رکھتے تھے خاندان کی روایت کے مطابق اس قبیلے کے کچھ اصحاب شاہان مغلیہ کے عہد میں لاہور وارد ہوئے ان کے ایک بزرگ سعید اللہ خاں اہم عہدے پر فائز تھے انہیں "شجاعت جنگ" کا خطاب ملا تھا۔ ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں من جانب سلطنت مغلیہ ایک مہم سر کرنے کے لئے بریلی بھیجے گئے جس میں وہ کامیاب ہو کر نامور ہوئے ان کے تین صاحبزادے اعظم خان، معظم خان اور مکرم خاں حکومت کے اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ محمد

اعظم خان کے صاجزادے حافظ کاظم خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے' دو سو سواروں کی بٹالین ان کے پاس رہا کرتی تھی۔ آپ کو حکومت وقت کی طرف سے آٹھ گاؤں معافی جاگیر میں ملے تھے۔

شیخ احمد رضا کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے جد امجد مفتی شاہ رضا علی خاں (م ۱۲۸۲ھ /۱۸۶۵ - ۱۸۶۶ء) ابن حافظ کاظم علی خاں مقتدر عالم اور صوفی منش بزرگ گزرے ہیں' آپ ہی کے زمانے سے خاندان میں دولت و ثروت سے کنارہ کشی کا آغاز ہوا اور فقرو درویشی کا رنگ غالب آیا۔ انہوں نے کبھی حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا اور ابتدا ہی سے زہد و تقوی اور فقرو غنا کی زندگی اختیار کی۔ (محمد ظفرالدین قادری : حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲)

شیخ کے والد ماجد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ ھ / ۱۸۸۰ء) عالم' مناظر اور مصنف گزرے ہیں انہیں شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) سے بیعت اور جملہ سلاسل قدیمہ و جدیدہ اور حدیث شریف کی سند کے ساتھ ساتھ خلافت بھی حاصل تھی۔ ۱۲۹۵ھ میں مکہ مکرمہ میں انہوں نے سید احمد بن زینی دحلان مکی (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) سے مکرر سند اجازت حدیث لی۔ رحمان علی۔ تذکرہ علماء ہند (ص ۹۸) میں ان کی ۲۵ تصانیت کے نام درج ہیں' (نیز دیگر حوالہ جات حیات اعلیٰ حضرت ۱/۴' ڈاکٹر مسعود احمد حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ صفحہ نمبر ۸۸)۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "جواہر البیان فی اسرار الارکان" (مطبوعہ مطبع صادق' سیتاپور ۱۲۹۸ھ) ہے۔ جس کے صرف ڈھائی صفحوں کی شرح میں شیخ احمد رضا خان نے رسالہ "**سلطنتہ المصطفیٰ** فی ملکوت کل الوری" لکھی ان کی دوسری اہم اور مشہور تصانیف "احسن الوعالاداب الدعا" "سرور القلوب فی ذکر **المحبوب**" اور "الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح" ہیں۔ آخر الذکر کتاب قرآن کریم کی ۸ مختصر آیتوں کی تفسیر ہے جو بڑی تقطیع کے ۴۳۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ (ڈاکٹر محمد مسعود احمد عشق ہی عشق صفحہ نمبر ۳۵)

امام احمد رضا خاں ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۹۵۶ء) کو صوبہ اترپردیش کے ایک قدیم شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ آیت کریمہ "**اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه**" سے سال ولادت متخرج ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) سے پائی اور بیشتر عقلی و نقلی علوم کی تحصیل انہوں نے اپنے والد ماجد سے کی۔ علوم معروفہ کی تکمیل ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ کو ہوئی جب ان کی عمر چودہ سال سے بھی کم تھی۔ (مصطفیٰ رضا خاں **الملفوظ** ۱/۱۳

حیات اعلیٰ حضرت ۱/۳۶) وہ خود مولانا ظفر الدین قادری کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ "بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس اور سات دن کی عمر میں پہلا فتوی لکھا زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۷ء) کو اس فقیر کو فتاوی لکھتے ہوئے پورے پچاس سال ہونگے اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کرسکتا ہے۔" (مکتوب فاضل بریلوی محررہ ۷ شعبان ۱۳۳۶ھ) اسی دن رضاعت کے لاہور سے آمدہ ایک استفتا کا جواب انہوں نے لکھا۔ ان کے والد نے اسے دیکھ کر فتوی نویسی کا کام ان کے سپرد کیا (تذکرہ علمائے ہند صفحہ نمبر۹۸) انہوں نے دس سال کی عمر میں "ہدایۃ النحو" کی شرح عربی زبان میں لکھی اور ان کی عمر کا تیرہواں سال تھا جب انہوں نے ۱۲۸۵ھ میں فن کلام میں عربی زبان میں "**ضوء النہایۃ فی اعلام الحمد والھدایۃ**" تصنیف کی۔ ۱۲۸۸ھ میں سولہ سال کی عمر میں عربی میں "حل خطاء الخط" لکھی اور آپ ۲۲ سال کے تھے جب ۱۲۹۴ھ میں آپ کے قلم سے علم کلام ہی میں "معتبر الطالب فی شیون ابی طالب" نکلی۔

آپ نے مشہور ہیئت دان مولانا عبدالعلی رام پوری (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) سے شرح چغمنی کا درس لیا اور سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) سے علم تکسیر و علم جفر کے کچھ قواعد سیکھے۔ پھر اپنے خداداد علم و ذہانت کی بدولت ان فنون کی گرہیں کھول کر ان میں کمال حاصل کیا۔ (بدر الدین احمد سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر۷۹) انہوں نے شیخ ابوالحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۲ء) سے بھی استفادہ کیا۔ جب زیارت حرمین طیبین کے لئے وہاں حاضر ہوئے تو سید احمد بن زین بن دحلان مکی مفتی شافعیہ (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)، شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی مفتی حنفیہ (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)، شیخ حسین ابن صالح مکی (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) اور بعض دوسرے اکابر نے انہیں کتب حدیث و فقہ و اصول و تفسیر اور دوسرے علوم کی سند عطا کی (تذکرہ علمائے ہند صفحہ نمبر۹۸، سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر۱۱) یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہیں حدیث مسلسل کی سند صرف تین واسطوں سے حاصل ہوئی (الاجازۃ الرضویہ صفحہ نمبر۵۸) ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) دوسری شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) اور تیسری امام شافعیہ حسن بن صالح مکی سے جنہوں نے ایک روز بعد نماز مغرب مقام ابراہیم پر آپ کا بازو پکڑا، اپنے گھر لائے اور فرمایا **لا جد نور اللہ فی ھذا الجبین** (میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں) انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے (رحمٰن علی۔ تذکرہ علمائے ہند صفحہ نمبر۹۹)

شیخ نے جن علوم و فنون کی تحصیل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعے سے کی ان کی تعداد ۵۵ تک پہنچتی ہے۔ تفصیلات اس عربی سند اجازت میں درج ہیں جو انہوں نے حافظ کتب الحرم مولانا سید اسماعیل خلیل مکی کو ۱۳۲۳ھ میں عنایت کی۔ اس سند میں جس کا تاریخی نام ہے "الاجازۃ الرضویہ **لمبجل مکتہ البھیتہ**" ہے' انہوں نے مندرجہ ذیل علوم و فنون کا ذکر کیا ہے۔ (۱) علوم قرآنی (۲) حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ حنفی (۵) کتب فقہ جملہ مذاہب (۶) اصول فقہ (۷) جدل مہذب (۸) تفسیر (۹) عقائد و کلام (۱۰) نحو (۱۱) صرف (۱۲) معانی (۱۳) بیان (۱۴) بدیع (۱۵) منطق (۱۶) مناظرہ (۱۷) فلسفہ (۱۸) تکسیر (۱۹) ہیئت (۲۰) حساب (۲۱) ہندسہ۔ مندرجہ بالا اکیس علوم کے بارے میں شیخ لکھتے ہیں۔ یہ اکیس علوم ہیں جنہیں میں نے اپنے والد قدس سرہ سے حاصل کیا۔

ان علوم و فنون کے بعد مندرجہ ذیل علوم و فنون کا ذکر کیا ہے جنہیں انہوں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا لیکن علمائے کرام سے انہیں ان کی اجازت حاصل ہے۔

(۲۲) قرات (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) لغت (۳۰) ادب مع جملہ فنون۔

اس کے بعد سند اجازت میں ان ۱۴ علوم و فنون کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں لکھا ہے کہ ان علوم کی اجازت دیتا ہوں جنہیں میں نے کسی استاد سے حاصل نہیں کیا نہ پڑھ کر نہ سن کر نہ باہمی گفتگو سے۔

(۳۲) ارثما طیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب سینی (۳۵) لوغا ثمات (۳۶) توقیت (۳۷) مناظر و مرایا (۳۸) اکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث مسطح (۴۲) ہیئت جدیدہ (۴۳) مربعات (۴۴) جفر (۴۵) زائچہ۔

پھر آخر میں لکھا تو گویا انیس علوم ایسے ہیں جن کی تعلیم صرف آسمانی فیض سے مجھے حاصل ہوئی۔

اس کے بعد سند میں مندرجہ ذیل علوم و فنون کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ ان کی تعلیم کسی استاد سے حاصل نہیں کی۔

(۴۶) نظم عربی (۴۷) نظم فارسی (۴۸) نظم ہندی (۴۹) نثر عربی (۵۰) نثر فارسی (۵۱) نثر اردو (۵۲) خط نسخ (۵۳) خط نستعلیق (۵۴) تلاوت مع تجوید (۵۵) علوم الفرائض۔ (ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی صفحہ نمبر ۹۸ بحوالہ اجازت الرضویہ مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم صفحہ نمبر ۳۰۱ تا ۳۱۵)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس طرح فاضل بریلوی نے جن علوم و فنون پر دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۵ یا اس سے بھی متجاوز ہے۔ چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان ہی نہیں عالم اسلام میں بھی کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا جو اس قدر علوم و فنون پر دستگاہ رکھتا ہو یہی نہیں کہ انہوں نے اتنے علوم کی تحصیل کی بلکہ ہر ایک علم و فن میں اپنی کوئی نہ کوئی یادگار چھوڑی۔ وہ خود ۱۳۲۳/۱۹۰۵ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ **ولی فی کلها اوجلها تحریرات و تعلیقات من زمن طلبی والی هذ ا الحین** (**الاجازات المتینه**)

جن علوم و فنون کا اوپر ذکر کیا گیا ان میں سے بعض کو فاضل بریلوی نے خود ترک فرمادیا بعض کو اپنایا اس ترک و قبول پر انہوں نے خود روشنی ڈالی ہے۔ "میں نے فلسفہ اولی کو ترک کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس میں سوائے ملمع کاری کے کچھ نہیں اس کی ظلمت اور زنگ ایسا چھاتا ہے کہ دین کو سلب کرلیتا ہے۔ اور اس ظلمت کی وجہ سے قیامت کا خوف ہلکا ہوجاتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنی ذمہ داریوں پر غور کیا--- اور ہیئت' ہندسہ' نجوم' لوگار ثمات اور فنون ریاضی سے میرا شغف اس لئے نہیں کہ اس میں مجھے مزید مشق حاصل ہو' بلکہ یہ محض تفریح طبع کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ اس سے وقت کے تعین اور تعدیل میں مدد ملتی ہے جس سے مسلمانوں کو نماز روزے میں فائدہ پہنچتا ہے۔

مجھے تین کاموں سے بڑی دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے۔ سیدالمرسلین صلوۃ اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و **علیهم اجمعین** کی حمایت کرنا' دین کے دعوے دار' بدعتیوں کی **بیخ** کنی اور حسب استطاعت مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی"۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں صفحہ نمبر ۷۰)

شیخ احمد رضا خاں جو دنیائے علم و فضل میں فاضل بریلوی کہے جاتے ہیں' انتہائی ذہین و فطین تھے' ان کا حافظہ بھی بے پناہ تھا۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ انہوں نے ایک مہینے میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ وہ ایک گوشہ نشین عالم تھے' ان کا زیادہ وقت تالیف و تصنیف اور مطالعہ کتب میں گزرتا تھا۔ اندورن خانہ اپنے کتب خانے میں جو نفائس مخطوطات و نادر مطبوعات پر مشتمل تھا' وہ بیٹھے علمی کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ شام کے وقت مابین عصرو مغرب وہ باہر آکر تشریف فرما ہوتے لوگوں سے ملتے' مسترشدین کو ہدایات رشد دیتے' خطوط لکھتے لکھواتے' آئے ہوئے استفسارات و فتاوی کے جواباب تحریر فرماتے املا کراتے پانچوں وقت کی نماز حالت علالت و ضعف

میں بھی مسجد میں جاکر جماعت سے پڑھتے۔

علمی مشغولیات کے باعث انہیں سفر کا زیادہ موقع نہیں ملا، پھر بھی عظیم آباد، آرہ، کلکتہ، اجمیر شریف، امرتسر، کان پور، بھوالی، بیسل پور، جبل پور، بمبئی، بلوچستان، کراچی، لاہور، بدایوں، پیلی بھیت، رام پور، مراد آباد، مارہرہ، کراچی کے اسفار کا ذکر ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے "انجمن نعمانیہ لاہور" کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لئے لاہور کا بھی سفر کیا تھا۔ (مکتوب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لاہور بنام مقالہ نگار) لیکن ابھی تک اس سفر کے مستند شواہد سامنے نہیں آئے ہیں۔

حج بیت اللہ و زیارت روضہ نبوی کے لئے دوبار انہوں نے حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما کا سفر اختیار کیا تھا۔ ان دونوں سفروں میں انہوں نے عرب کے اسلامی و علمی مرکزوں کو دیکھا تھا، وہاں کے علماء سے ملاقات کی، علوم اسلامی اور دینی مسائل میں بعض علماء سے تبادلہ خیالات کے انہیں مواقع ملے، وہاں کے کتب خانوں سے متمتع ہوئے علماء سے مشہور محدثین کی مخصوص اسانید کے احادیث روایت کرنے کی اجازتیں حاصل کیں اور اپنے مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔ پہلا سفر اپنے والد کے ساتھ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں انہوں نے کیا، حرمین کے اکابر علماء سے تفسیر حدیث و فقہ کا درس لے کر شہادات و اسناد حاصل کئے شافعیوں کے امام شیخ حسین بن صالح جمیل اللیل سے صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت نہیں ملی۔ اس سند میں حضرت امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔ شیخ نے اپنی کتاب الجوہرہ **المضیہ** (جو مناسک حج میں شافعی مسلک کے مطابق ہے) کی شرح لکھنے کی ان سے فرمائش کی آپ نے دو دن میں اس کتاب کی شرح "نیر الوضیہ" کے نام سے لکھ کر انہیں پیش کردی۔ فاضل بریلوی نے پہلے ابیات کا ترجمہ فرمایا، پھر شرح میں پہلے مطلب، پھر اختلافات مذاہب شافعیہ و حنفیہ اور بیان مذہب حنفیہ میں اختیار راجح و ترک مرجوح وغیرہ کے ساتھ متصف فرمایا اور پھر اس پر بعض تعلیقات و حواشی تحریر فرمائے جن میں فوائد لطیفہ و توضیح مسائل و تخریج احادیث وغیرہ کی گئی ہے۔ یہ تعلیق بھی ایک رسالہ ہوگئی جس کا نام "الطرۃ رضیتہ علی النیرۃ الوضیہ" رکھ یہ کتاب قابل دید اور مسائل حج میں بے نظیر ہے۔ مطبع انوار احمدی لکھنؤ میں ۱۳۰۸/۱۸۹۰ء میں طبع ہوئی (شاہ محمود جان، ذکر رضا صفحہ نمبر۸) دوسری بار حج و زیارت کا شرف انہیں کوئی ۲۸ سال کے بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حاصل ہوا۔ یہ سفران کی علمی زندگی کا تاریخی سفر ثابت ہوا۔ وہاں اس

زمانے میں کرنسی نوٹ کے حکم پر بحث جاری تھی اور یہ مسئلہ علمائے حرمین کے لئے عقدہ لانیخل بنا ہوا تھا۔ انہوں نے نوٹ کے احکام پر قلم برداشتہ عربی میں ایک رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" لکھ کر علمائے حجاز کو حیرت میں ڈال دیا۔ مسئلہ علم غیب پر فصیح و بلیغ عربی میں آٹھ گھنٹے کے اندر ایک ضخیم رسالہ "الدولتہ المکیتہ بالمادۃ الغیبیہ" قلم بند کرکے پیش کردیا علمائے حرمین ان کے تبحر علمی و ذکاوت و فطانت سے بہت متاثر ہوئے۔ اسے مفتی صالح بن کمال نے ایک علمی مجلس میں کوئی ساڑھے تین سو علمائے حرمین کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ اس مجلس کے بعد فاضل بریلوی کی علمی شہرت سارے عرب میں پھیلی اور وہاں کے متعدد علماء نے آپ سے اجازت و شہادات حاصل کئے۔ (الاجازات المتنیتہ)

تحصیل علم سے فراغت کے بعد وہ ہمہ تن درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور فتوی نویسی میں مصروف ہوگئے۔ ابتدا میں تدریس کی طرف خاص توجہ نہ رہی۔ بریلی میں ایک دینی مدرسے کی ضرورت مدرسہ "منظر اسلام" کے قیام کی داعی ہوئی۔ یہ مدرسہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں حسن رضا خاں حسن بریلوی اور حکیم سید امیر اللہ شاہ بریلوی کی مساعی سے قائم ہوا۔ دو طالب علموں محمد ظفر الدین بہاری اور سید عبدالرشید عظیم آبادی سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔ فاضل بریلوی نے صحیح بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد سید بشیر احمد علی گڑھی تلمید رشید مولانا لطف اللہ علی گڑھی (۱۲۴۴ - ۱۳۳۴ھ) کا تعلق اس مدرسے سے قائم ہوا اور وہ مسلم الثبوت اور صحیح مسلم شریف پڑھانے لگے۔ فاضل بریلوی خاص طلباء کو اقلیدس، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمنی اور تصوف کی کتابوں میں عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس دیتے تھے۔ آخر الذکر دونوں کتابوں کے اسباق میں طلباء کے علاوہ علماء کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔ (حیات ملک العلماء صفحہ نمبر۱۳) قیام مدرسہ سے فاضل بریلوی کی وفات تک اٹھارہ سال کی مدت میں جن طلباء نے آپ سے درس لیا اور جن محبان علم نے آپ سے فیوض علمی حاصل کئے ان کی تعداد بتانی مشکل ہوگی۔ اتنا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ تلامذہ و مستفیدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور(۲۷۹/۱۰) کے مقالہ نگار اور "رضویات" کے ماہر خصوصی ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے جن چند معتبر عالموں کی نشان دہی کی ہے وہ یہ ہیں۔ حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)، محمد ظفرالدین قادری رضوی مولف جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری (م ۱۳۸۲ھ /۱۹۶۲ء)، سید احمد اشرف جیلانی (م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)، عبدالعلیم

صدیقی میرٹھی (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۲ء)' برہان الحق جبلپوری (م۱۴۰۵ھ /۱۹۸۵ء)' حسنین رضا خاں بریلوی (م ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)' مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)' امجد علی اعظمی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)' مولف بہار شریعت' امام الدین سیالکوٹی (۱۳۸۱ھ/اگست ۱۹۶۱ء)' مفتی غلام جان ہزاروی (م ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء)' مقالات یوم رضا ۱۶/۳)' حیات اعلیٰ حضرت میں ۱۱۶ اہم تلامذہ کے نام درج ہیں۔ (۲۱۲/۱)

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کو فاضل بریلوی نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ مارہرہ جاکر شاہ آل رسول احمد مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوکر سلسلہ قادریہ میں بیعت اور جملہ سلاسل قدیمہ و جدیدہ میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۲۷۹/۱۰) اپنی وفات سے پہلے ۱۲۹۲ھ میں' انہوں نے اپنی سجادگی و نیابت اپنے ابن الابن ولی عہد سجادہ نشین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری کے سپرد کی جن سے فاضل بریلوی نے بعض تعلیم طریقت و علوم تکسیر و جفر حاصل کئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۳۵) بعض دوسرے مشائخ سے بھی قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ' نقشبندیہ' علائیہ' بدیعیہ اور علویہ وغیرہ میں اجازت حاصل کی (اجازات المتینہ صفحہ نمبر ۱۱) وہ درج ذیل ۱۳ سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ آبائیہ قدیمہ' نیز جدیدہ' قادریہ ابدالیہ' قادریہ منوریہ' قادریہ رزاقیہ' چشتیہ نظامیہ قدیمہ نیز جدیدہ' سہروردیہ فضلیہ' سہروردیہ واحدیہ' صدیقیہ نقشبندیہ علائیہ' علویہ نقشبندیہ علائیہ' بدیعیہ' علویہ منامیہ (الاجازت المتینہ صفحہ نمبر ۴۔ ۴۱' سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۲۶۵) حرمین شریفین' افریقہ' متحدہ ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علماء کو ان سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی ان میں ۴۵ مشہور و معروف حضرات کے اسمائے گرامی "الاجازات المتینہ" اور "الاستمداد" میں درج ہیں' نیز دیکھئے' فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں صفحہ نمبر ۸۸۔

بلاد مغرب اور حرمین کی اجازت پانے والوں کی تعداد ۳۰ ہے۔ جن میں سید عبدالحئی کتانی فاسی' شیخ صالح کمال مکی سابق مفتی حنفیہ' سید اسماعیل خلیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف' سید مصطفیٰ ابن سید خلیل مکی ابوالحسین محمد زوقی مکی امین الفتوی' شیخ اسعد دھان مکی' شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی' شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ' سید سالم عیدروس علوی' حضرمی' سید علوی بن حسن الکاف حضرمی' شیخ الدلائل سید محمد سعید مدنی' شیخ عمر بن حمدان مدنی قابل ذکر ہیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۲۶۵' حیات مولانا احمد

رضا خاں صفحہ نمبر ۲۱۵)۔

ہندوستان کے علماء و مشائخ جنہوں نے فاضل بریلوی سے اجازت و خلافت پائی اور جن کا ذکر خود انہوں نے اپنی تصنیف "الاستمداد" میں کیا ہے' یہ ہیں۔ حامد رضا خاں بریلوی' عبدالسلام جبل پوری' محمد ظفرالدین قادری رضوی برکاتی' محمد امجد علی اعظمی' سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' سید احمد اشرفی جیلانی' سید دیدار علی الوری' احمد مختار صدیقی میرٹھی' عبدالعلیم صدیقی میرٹھی' عبدالاحد قادری برکاتی' محمد رحیم بخش آروی' حاجی محمد لعل خاں مدراسی' مصطفیٰ رضا خاں نوری برکاتی' برہان الحق جبل پوری' شفیع احمد بیسل پوری' حسنین رضا خاں بریلوی (الاستمداد صفحہ نمبر ۳۳)۔ ہندوستان پاکستان اور ممالک اسلامیہ میں ان کے بکثرت خلفا تھے جن کی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز ہے۔ ایک ضخیم کتاب "خلفائے اعلیٰ حضرت" ابھی حال ہی میں مرتبین محمد صادق قصوری اور پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری' ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی نے ۱۹۹۲ء شائع کی ہے۔

اولاد میں پانچ صاجزادیاں (تفصیلات درحیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۱۸) اور دو صاجزادے تھے۔ حامد رضا خاں (متولد ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء) نے معقولات و منقولات اپنے والد ماجد سے پڑھیں' ۱۹ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی زبان پر انہیں قدرت حاصل تھی صاحب تصانیف تھے انہوں نے "الدولتہ المکیتہ بالمادۃ الغبیتہ" مرتب کی پھراس کا اردو ترجمہ "الفیوضات المکیہ" کے نام سے کیا۔ مسئلہ ختم نبوت پر "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" مسئلہ اذان پر "سدالفرار" طبع ہوچکے ہیں۔ حاشیہ ملا جلال قلمی صورت میں محفوظ ہے۔ ان کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان اور مجموعۃ فتاویٰ ان سے یادگار ہیں۔ حامد رضا خاں کو جنہیں ان کے معتقدین "حجتہ الاسلام" لکھتے ہیں' شاہ ابوالحسین احمد نوری سے شرف بیعت و اجازت حاصل تھی۔ وہ برسوں مدرسہ منظر اسلام میں جس کے وہ بانیوں اور سرپرستوں میں تھے' حدیث کا درس دیتے رہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں ان کے تلامذہ و مسترشدین کی خاصی تعداد تھی۔ ان کے کچھ خلفاء و معتقدین اب بھی زندہ ہیں اور اپنی خدمات بجا لارہے ہیں وہ ۲۳ سال تک اپنے والد کے جانشین رہے ستر برس کی عمر میں انہوں نے ۱۷ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو بریلی میں رحلت فرمائی۔ ان کے بعد ان کے صاجزادے محمد ابراہیم رضا خاں (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) ان کے جانشین ہوئے جو تفسیر قرآن کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ان کے صاجزادگان میں مفتی اختر رضا خاں جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل ہیں اور فتوی نویسی میں شہرت

رکھتے ہیں۔ محمد منان رضا خاں بھی بریلی میں مقیم ہیں اور دوسرے دینی و ملی کاموں کے ساتھ ساتھ فاضل بریلوی کی تصنیفات کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

فاضل بریلوی کے چھوٹے صاحبزادے محمد مصطفیٰ رضا خاں ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی اور رحم الٰہی منگلوری (م ۱۳۲۳ھ) سے تعلیم حاصل کی اور اپنے والد ماجد سے علوم دینی کی تکمیل کی۔ شاہ ابوالحسین احمد نوری سے انہیں بیعت تھی اور اپنے والد ماجد سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں لاکھوں افراد ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان کے خلفاء بھی بکثرت ہیں انہیں شعر و سخن کا اچھا ذوق تھا "نوری" تخلص کرتے تھے ان کا نعتیہ دیوان موجود ہے۔ تالیفات میں **الملفوظ** (۱۳۲۸ھ /۱۹۱۹ء) الطاری الداری (۱۳۳۹ھ /۱۹۲۰ء) اور تصنیفات میں تنویر **الحجتہ**، **الحجتہ** الباہرہ، القول **العجیب**، واقعات السنان، طرق الھدی والارشاد قابل ذکر ہیں فتوی نویسی میں مہارت رکھتے تھے۔ بریلی کے دارالفتاء میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء سے آخر تک فتوی نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یہ "مفتی اعظم ہند" کے خطاب سے مشہور ہیں۔ "الفتاوی **المصطفویہ**" ان سے یادگار ہے۔ دارالعلوم مظہر اسلام انہی کا قائم کردہ ہے۔ (اس کے مہتمم خالد علی خاں صاحب ہیں۔) جن کے ایما پر بریلی میں رضا لائبریری اور رضا اکیڈمی قائم کی گئی ہیں (حیات مولانا احمد رضا خاں صفحہ نمبر۲۱۴) طویل عمر پاکر بریلی میں ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔ سید ریاست علی قادری نے ان پر ایک کتاب "مفتی اعظم ہند" لکھی ہے جو کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ نیز دیکھئے "مفتی اعظم اور ان کے خلفاء" از محمد شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۹۰ء (حیات احمد رضا خان بریلوی صفحہ نمبر۲۱۱ تا ۲۱۴)

مطالعہ و تدریس نویسی کے بعد فاضل بریلوی کا زیادہ وقت تالیف و تصنیف میں گزرتا تھا۔ تصانیف کی کثرت، موضوعات کے تنوع اور ان کی علمی اہمیت کی بنا پر شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ اپنے معاصرین میں بے حد ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ مولف "تذکرہ علمائے ہند" نے تقریبا" ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں جب ان کی عمر صرف ۳۱ سال تھی، لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد پچھتر تک پہنچ چکی ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ نمبر۱۸) جب کہ فاضل بریلوی نے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں اپنی تصانیف کی تعداد ۲۰۰ سے کچھ زائد بتائی ہے۔ (الدولتہ المکیتہ صفحہ نمبر۱۲۸۔) ۱۹۰۹ء میں ان کے شاگرد رشید خلیفہ خاص محمد ظفرالدین قادری رضوی نے

"المجمل المعد لتالیفات المجدد" کے نام سے مرتب کی اور فاضل بریلوی کی ان ۳۵۰ تصانیف کا ذکر کیا جو محرم ۱۳۲۷ھ تک تالیف ہوچکی تھیں۔ "المجمل المعدد" میں سات کالموں (نمبر شمار' سال تالیف' نام کتاب' فن' زبان' کیفیت (مسودہ' مبیضہ' مطبوعہ' ناتمام اور موضوع) کے تحت مفید معلومات درج کئے گئے ہیں۔ آخر کتاب میں ان پچاس علوم و فنون کا ذکر کیا گیا ہے جن میں یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہر فن کے مصنفات کی تعداد بھی لکھ دی گئی ہے جیسے عقائد میں ۳۱ تصنیفات ہیں' کلام میں ۱۷' تفسیر میں ۷' حدیث و اصول حدیث میں ۱۳ اور فقہ و اصول فقہ میں ۱۵۹ کتابیں لکھی ہیں اس فہرست کے مطابق اس وقت عربی میں ان کی ۱۰۰ تصانیف' فارسی میں ۲۷ اور اردو میں ۲۲۳ تھیں۔ یہ سب ۱۳۲۷ھ تک کی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ مرتب نے تصریح کی ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے حامد رضا خاں نے "الدولتہ المکیتہ" کے حاشیے میں لکھا ہے کہ فاضل بریلوی کی تصانیف کی تعداد ۴۰۰ ہے جن میں سے ان کے فتاوی بڑی تقطیع کے بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں۔ حاشیہ الدولتہ المکیتہ صفحہ نمبر ۱۲۹) "المجمل المعدد" کی ترتیب کے بعد فاضل بریلوی ۱۴ سال اور زندہ رہے اور زندگی کے آخری دور میں وہ ہمہ وقت تالیف و تصنیف کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ قلمبند کردیتے تھے۔ رسالہ المیزان (بمبئی ۱۹۷۶ء) کے امام احمد رضا نمبر میں ۵۴۸ تصانیف کی تفصیلات ملتی ہیں۔ (رسالہ مذکور صفحہ نمبر ۳۰۶ تا ۳۲۴) یہ تفصیلات انوار رضا (لاہور' ۱۹۷۷ء) میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ (صفحہ نمبر ۳۲۸ تا ۳۴۸) ماہنامہ اعلیٰ حضرت (بریلی اکتوبر دسمبر ۱۹۶۲ء) میں ان کی ۲۵۵ قلمی تصانیف کی فہرست سوانح اعلیٰ حضرت میں شائع ہوئی ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ نمبر ۳۲۳ تا ۳۳۰۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں اعظمی نے فاضل بریلوی کی ۴۱۲ منتخب تصانیف کی فہرست چھاپی ہے' انہی نے ان کی ۲۵۴ فقہ کی تصانیف کے نام لکھے ہیں۔ (فقیہہ اسلام صفحہ نمبر ۴۵۳ تا ۴۶۷) اس طرح ان کی تصانیف کی تعداد ۶۶۶ بن جاتی ہے۔ مفتی محمد اعجاز ولی خان' (ضمیمہ المعتقد المنتقد صفحہ نمبر ۲۶۶) اور مفتی محمود احمد قادری نے تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی ہے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت صفحہ نمبر ۴۶) معلوم ہوا کہ مولانا عبدالمبین نعمانی نے تصانیف فاضل بریلی کی تفصیل فہرست تحقیق و تلاش و جستجو سے مرتب کی ہے جو "المجمع الاسلامی" مبارک پور کی طرف سے شائع ہونے والی ہے۔ (حیات مولانا احمد رضا خان صفحہ نمبر ۲۲۶)

فاضل بریلوی کو تفسیر میں یدطولی حاصل تھا

اور وہ علوم قرآن پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اس فن میں ان کی دسترس کا حال یہ تھا کہ وہ ایک بار مسلسل چھ گھنٹوں تک "سورہ والضحیٰ" کی تفسیر بیان کرتے رہے اس سورہ مبارکہ کی کچھ آیات کی انہوں نے تفسیر لکھی تھی جو ۸۰ جزو پر مشتمل تھی (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۹۷) قرآن کے الفاظ و فقرات کو اردو میں ڈھالنے کی عجیب و غریب صلاحیت خدا نے انہیں بخشی تھی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں مکمل ہوکر شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اس حیثیت سے بھی ممتاز نظر آتا ہے کہ جن آیات قرآنی کے ترجمے میں ذرا سی بھی بے احتیاطی سے حق جل مجدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے، شیخ نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۰/ ۲۸۰) اس کے متعدد ایڈیشن نکل کر برصغیر میں اور جہاں جہاں اردو سمجھی جاتی ہے، پھیل چکے ہیں اردو ترجمے کے دو انگریزی ترجمے لندن اور کراچی سے شائع ہوچکے ہیں۔

علوم حدیث پر بھی ان کی نظر گہری تھی۔ متعدد موضوعات پر متعدد رسالے ان کے تصنیف کئے ہوئے ملتے ہیں ایک معاصر مورخ کا انہیں " قلیل البضاعۃ فی الحدیث" لکھنا قرین انصاف نہیں فقیہہ اسلام صفحہ نمبر ۱۷۸ تا ۱۸۲ مین تفسیر اور حدیث و متعلقات حدیث میں ان کی ۷۵ تصنیفات کے نام درج ہیں اور یہ فہرست بھی حرف آخر نہیں ان میں بیشتر کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ "الروض البھیج فی آداب التخریج" کے بارے میں شیخ رحمٰن علی لکھتے ہیں کہ اس فن میں اور تصانیف نہ ہوتیں تو کہا جاتا کہ احمد رضا خاں اس فن کے موجد ہیں (تذکرہ علمائے ہند صفحہ نمبر ۱۰۰) یہی نہیں علوم حدیث میں علمائے عرب و عجم ان کی وسعت اطلاع کے قائل تھے۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں صفحہ نمبر ۷۵)' احمد رضا اور عالم اسلام صفحہ ۱۷۶) شیخ یسین احمد الخیاری المدنی نے علم حدیث میں فاضل بریلوی کے تبحر علمی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے۔ "ھو۔ امام المحدثین"

علم فقہ میں شیخ کو خاص دسترس حاصل تھی اور جزئیات فقہ پر وہ گہری نظر رکھتے تھے۔ سند فقہ کا متن (حسن رضا خاں : فقیہہ اسلام صفحہ نمبر ۱۴۹) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سند ۲۷ رابطوں سے امام اعظم تک پہنچتی ہے اور ۴ رابطوں سے امام اعظم کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ ایک زمانے میں حرمین شریفین میں جیسا کہ اوپر گزرا کہ کرنسی نوٹ کے جواز و عدم کا مسئلہ زیر بحث تھا مفتی حنفیہ شیخ جمال الدین عبداللہ بن عمر مکی نے استفسار کے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔

مجھے اس جزئیہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ امام حرم شریف شیخ عبداللہ مرداد نے نوٹ کے احکام کے متعلق فاضل بریلوی کی خدمت میں بھی (جو اس زمانے میں حرمین شریفین ہی میں موجود تھے) استفتاء بھیجا۔ انہوں نے اس کے جواب میں پورا رسالہ "کفیل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم" تصنیف کرکے بھیج دیا (تاریخ تصنیف ۲۳ محرم ۱۳۲۴ھ) کتب خانہ حرم میں وہاں کے ایک عالم دین ایک دن اس رسالے کا مطالعہ کررہے تھے جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں فاضل بریلوی نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی ہے **لوباع کاغذ ۃ بالف یجوز ولا یکرہ** (اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں فروخت کرے تو بلا کراہت جائز ہے) تو پھڑک اٹھے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولے این جمال بن عبداللہ المکی من هذا النص الصریح (جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کس طرح غافل رہ گئے۔)

ان کا مجموعہ "فتاویٰ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" جن لوگوں کی نظر سے گزرا ہے وہ فقہ میں شیخ کی براعت کے قائل ہیں۔ یہ مجموعہ فتاوی ضخیم بارہ جلدوں پر تقریبا" بارہ ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس کے سارے مجلدات چھپ کر قبول عام حاصل کرچکے ہیں۔ مکہ معظمہ کے فاضل سید اسماعیل خلیل حافظ کتب حرم شریف' فتاوی کے کچھ اوراق دیکھ کر فرماتے ہیں : **والحق اقول انہ لوراها ابوحنیفتہ النعمان لاقرت عینہ ویجعل موئلفها من جملتہ الاصحاب** (اگر امام ابوحنیفہ ان فتوؤں کو دیکھتے تو یقینا" ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مولف کو اپنے اصحاب میں شامل فرماتے (اجازات المتینہ صفحہ نمبر ۹) مفتی عبدالقیوم ہزاروی فتاوی رضویہ کی تخریج و ترجمے کا کام کررہے ہیں۔ اس کی ۸ جلدیں شائع ہوچکی ہیں توقع ہے کہ ۳۰ جلدوں میں یہ کام مکمل ہوسکے گا۔ عہد حاضر کے مشہور محدث و فقیہہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (م ۱۹۹۷ء) لکھتے ہیں کہ انہوں نے فتاوی رضویہ میں ایک عربی فتوی کا مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انباد دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے (امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں صفحہ نمبر ۱۹۴)

السید الشریف حکیم عبدالحئ الحسنی و الحسینی کے تاثرات یہ ہیں : فقہ حنفیہ اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتاوی شاہد ہے۔ نیز ان کی

تصنیف کفل الفقیہہ الفاہم جو ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی گئی تھی--- انہوں نے حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض رسالے بھی لکھے پھر علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے تو ان کے جوابات بھی تحریر کئے متون فقہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔" (نزہتہ الخواطر ۴۱/۸)

علامہ اقبال کے تاثرات ان کے بارے میں یہ ہیں : "وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاوی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ بمشکل ملے گا" (حیات مولانا احمد رضا خاں صفحہ نمبر ۱۸) فتاوی رضویہ کے بعد فقہ میں آپ کی دوسری اہم کتاب شامی کی ردالمختار کی عربی شرح جدالممتار پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد محمد احمد مصباحی اعظمی اور ان کے رفقاء مرتب کرکے ۱۹۸۲ء میں اور دوسری ۱۹۹۴ء میں شائع کرچکے ہیں تیسری کی تلاش جاری ہے ۔ انہوں نے پچاس سال سے زائد فتوی نگاری کی (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۲۸۰)

علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ میں کسی کو تبحر کا درجہ کم ہی حاصل ہوتا ہے۔ شیخ احمد رضا خاں علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں کے جامع تھے۔ علوم عقلیہ میں شاید ہی کوئی علم ہو جس میں انہیں مہارت حاصل نہ ہو۔ ہیئت، حساب، جبر و مقابلہ، لوگارتھم، مربعات، مثلث کروی، زیجات میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔

فلاسفہ قدیم و جدید کے رد میں بھی شیخ نے رسائل لکھے ہیں ان میں "الکلمتہ الملہتہ" "فوز مبین در رد حرکت زمین" "نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان" چھپ کر شائع ہوچکی ہیں۔ منطق جدید کے رد میں ان کا رسالہ "مقامع الحدیث علی خدالمنطق الجدید" قابل ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں ان کے ہزار سے زائد رسالے ہیں۔ یہ اب تک طباعت و اشاعت سے محروم ہیں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی نے ان میں سے بیشتر رسائل کے عکس بریلی کے کتب خانہ خاص سے حاصل کرکے کراچی میں محفوظ کردیئے ہیں۔

فاضل بریلوی نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے اجداد حکومت کے اچھے عہدوں پر فائز تھے جب آپ نے آنکھ کھولی تو اپنے گرد و پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود

زمیندار تھے۔ لیکن جائیداد کا سارا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انہیں سادات کی مہمان نوازی، کتابوں کی خریداری اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک متعین رقم مل جاتی تھی۔ چونکہ وہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا بھی ہوا کہ قلمدان میں ساڑھے تین آنے سے زائد موجود نہیں رہے۔ انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔ ان کی آمدنی کا خاصا حصہ تصانیف کی اشاعت پر خرچ ہوتا تھا۔ جو کتب و رسائل جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شائع کرتی ان کی قیمت برائے نام ہی ہوتی۔ بیسیوں رسالے آنے، ڈیڑھ آنے، دو آنے کو مل جاتے۔ یہ بھی معمول تھا کہ رسائل کے چھپتے ہی سینکڑوں نسخے اپنی طرف سے محصول ادا کرکے اکناف ہند میں بھیج دیئے جاتے۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں : "الحمد للہ میں نے مال "من حیث ہو مال" سے کبھی محبت نہیں کی۔ صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح "اولاد من حیث ہو اولاد" سے بھی محبت نہیں، صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں، میری طبیعت کا تقاضا ہے۔" اپنے خلیفہ و تلمیذ خاص محمد ظفر الدین قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں : "آپ کا خط درباره پریشانی دنیا آیا تھا ہفتے ہوئے اور اس کا جواب آج دوں کل دوں مگر طبیعت علیل، بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف سے ہجوم، ان کی دفع میں فرصت معدوم علاوہ اس کے ۔ ۔ سے زیادہ جواب فتاوی کے اس مہینے کے اندر چار رسالے تصنیف کرکے بھیجے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم و حسبنا ربی و نعم الوکیل۔ اس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث درباره ذم دنیا و منع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو ریاست حیدرآباد میں رسوخ ہے، یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنہ ہے، ان کے پاس علم نہیں یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے، کس پر نعمت حق بیشتر ہے۔ بشرط ایمان وعدہ علوو غلبہ باعتبار دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق ہے دنیا سجن مومن ہے، سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔" (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۳۰۷ مکاتیب فاضل بریلوی۔ قلمی)

تحریک خلافت کے زمانے میں گاندھی جی

پورے ملک کا طوفانی دورہ کررہے تھے۔ مسلم عوام کے ساتھ علمائے دین کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے اور تحریک خلافت کی طرف انہیں مائل کررہے تھے لکھنؤ کے مشہور عالم مولانا قیام الدین عبدالباری اس تحریک سے متاثر ہوچکے تھے، فرنگی محل میں گاندھی جی، علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے اور قیام کرتے۔ بعض رہنماؤں کا خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مل کر انہیں بھی اس تحریک کی طرف متوجہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پر ان کا اثر و رسوخ ہے اور اس طرح بہت سے مسلمان تحریک خلافت کا ساتھ دے سکیں گے۔ انہی میں سے ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور آپ کے پاس گاندھی جی کا پیغام لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ فاضل بریلی نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا : "گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے۔ دینی مسائل پر وہ مجھ سے کیا گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملات میں میں ان سے کیا باتیں کروں گا جب کہ میں نے خود اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے۔"

آپ کی صلابت مذہبی و حق گوئی کا ایک واقعہ سنئے : "وہ ایک بار مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ العزیز کے عرس پر مارہرہ تشریف لے گئے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھادیا۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔ چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم الصلوۃ و التسلیم کے مسلم اصول سے انکار نکلتا تھا، یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ انہوں نے محب رسول مولانا عبدالقادر (م ۱۳۱۹ھ) سے فرمایا۔ آپ اجازت دیں تو میں ان کو منبر پر سے اتار دوں۔ مولانا عبدالقادر نے مقرر کو بیان کرنے سے روک دیا اور مولانا عبدالغفور صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے لوگوں کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بٹھایا کیجئے جن کے سامنے وعظ کہنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف فرماتے تھے کہ جب میں بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا کھلاتے اور ہاتھ دھلاتے حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا : حضرت شاہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجئے میں نے اتار کر دے دیئے میں وہاں سے بمبئی چلا گیا مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا : "ابا بریلی کے

ولانا صاحب کے یہاں سے ایک پارسل آیا تھا
س میں انگوٹھی اور چھلے تھے اور والا نامہ میں
رکور تھا : "شاہزادی صاحبہ! یہ دونوں طلائی
شیاء آپ کی ہیں۔" یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر
بالمعروف و نہی عن المنکر اور اکابر مشائخ کی تعظیم
و توقیر۔" (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۰۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و
تعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس سے
نسبت و اضافت ہے اس کی تعظیم و توقیر کرنی اور
ان میں سادات کرام جزو رسول ہونے کی وجہ سے
سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں۔ اس پر اعلیٰ
حضرت پورا عمل کرتے تھے۔ وہ کسی سید صاحب کو
اس کی ذاتی حیثیت و لیاقت سے نہیں بلکہ اس
حیثیت سے دیکھتے تھے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کا جزو ہیں۔ پھر اس اعتقاد کے بعد جو کچھ
ان کی تعظیم و توقیر کی جائے کم ہے۔

سادات سے محبت اور ان کے احترام کی
بہت سی مثالیں "حیات اعلیٰ حضرت" میں درج
ہیں۔ وہ اپنے ملفوظات میں اس سوال کے جواب
میں کہ کیا سادات کے بچے کو استاد تادیبا" سزا
دے سکتا ہے، فرماتے ہیں : "قاضی جو حدود
الٰہیہ قائم کرنے پر مامور ہے، اس کے سامنے اگر
کسی سید پر حد قائم ہو تو وہ اس پر حد لگائے گا
لیکن اس کا حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے
بلکہ دل میں خیال کرے کہ شہزادے کے پیر میں
کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی
محبت بلکہ عشق مشہور زمانہ ہے۔ ان کی یہ ہدایت
پڑھیے۔

"خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ
لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ
فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا
کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلالیا۔ اپنے مواجہ
اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کرم اگرچہ ہر جگہ
تمہاری طرف تھی، اب خصوصیت اس درجہ قرب
کے ساتھ ہے۔ والحمد للہ" سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ کبھی بعض اصحاب
ص یا صلعم اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی
کے ساتھ اختصارا" ع، م کا لکھنا انہیں سخت ناپسند
تھا بلکہ وہ اسے کفر سمجھتے تھے۔ ایک خط میں ملک
العلماء کو لکھتے ہیں :

"فتاویٰ تاتار خانیہ سے ایک عبارت علامہ
طحطاوی نے حاشیہ درر میں بالواسطہ نقل فرمائی
ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے نام
پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ع م لکھنا کفر
ہے کہ تخفیف شان نبوت ہے۔

اب کبھی (کتب خانہ خدا بخش) بانکی پور
جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ (مکتوب

فاضل بریلوی (قلمی)

ان کا حسن ادب بارگاہ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک بار حضرت مولانا سید شاہ اسماعیل حسن میاں نے آپ سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ "حسین" اور "زاہد" بھی تھا۔ حضرت نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ کئے اور فرمایا کہ حسین صیغہ تصغیر ہے اور "زاہد" اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا، لیکن میاں کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہایت لطافت و حسن کے ساتھ "حسین" کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغہ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان بیان کرنے لگا۔ اب درود شریف کی عبارت یوں ہوگئی :

اللھم صل وسلم و بارک علی سید نا و مولانا محمدن المصطفیٰ' رفیع المکان' المرتضی علی الشان' الذ ی رجیل من امتہ خیر من رجال من السابقین' وحسین من زمرتہ احسن من کذ ا او کنا حسنا من السابقین (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر۱۲۲)

سرور کائنات علیہ الصلوۃ و السلام سے محبت کا ایک اور ثبوت' وہ مولانا عرفان علی بیسل پوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا۔ اپنی خواہش تو یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان سے موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔"

آپ کی ذات "**الحب للہ و البغض للہ**" کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والوں کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن گردانتے اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا جنہیں وہ دین کا دشمن اور بدعقیدہ سمجھتے تھے ان سے کبھی نرمی نہ برتی ان کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے نور سے منور ہے آپ نے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا' انہی میں نماز جمعہ کی اذان ثانی بھی ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق خطیب کے سامنے دروازہ مسجد پر دلوانے کا رواج قائم کیا۔ آج ہندوستان' پاکستان' افریقہ' افغانستان اور دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جمعہ کی اذان ثانی دروازہ مسجد پر دی جاتی ہے وہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

وہ اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور اقدس تبلیغ و

ہدایات کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں۔ اسی طرح اس پر یقین رکھتے تھے کہ علماء کے ذمے دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، دوسرے مسلمانوں کو ان کے دینی مسائل سے واقف کرانا۔ اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کام کرتے ہوئے دیکھتے، فرض تبلیغ بجا لاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔

مصنف حیات اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں :

"آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے نہ کسی کی تعریف سے انہیں مطلب نہ کسی کی ملامت کا انہیں خوف تھا۔ حدیث شریف **من احب للہ و ابغض للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان** کے مصداق تھے آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے رحماء بینھم کی زندہ تصویر بھی تھے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایوانی قدس سرہ العزیز کی بہت عزت کرتے تھے حکیم عبدالحمید پریشان عظیم آبادی کے رد میں انہوں نے جو عربی قصیدہ **امال الابرار والام الاشرار** علمائے اہل سنت کی تعریف میں فرمایا ہے :

اذ	ا	حلوا	تمصرت	الایادی
اذ	ا	راحوا	فصار	المصرببید

(یہ علماء کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے ویرانہ پر رونق شہر ہوجاتا ہے اور جب وہ شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویران ہوجاتا ہے) مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ واقعہ ہے مولانا عبدالقادر کی یہی شان تھی جب بریلی وہ تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جاتی تھی عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب وہ تشریف لے جاتے تو باوجود یہ کہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔"

مسئلہ عینیت و غیریت صفات باری تعالیٰ میں دونوں علماء کا اختلاف تھا مولانا عبدالقادر فرماتے تھے کہ صوفیائے کرام کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے۔ اور فاضل بریلوی اس فرق کو ماننے میں تامل فرماتے تھے۔ اس موضوع پر دونوں میں تفصیلی اور طویل گفتگو ہوئی آخر میں فاضل بریلوی نے فرمایا : "میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیاء کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے اس لئے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات سمجھتے مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن

میں اب تک نہیں آیا ہے لیکن چونکہ مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں اس لئے ان کے ارشاد پر سرتسلیم خم کئے لیتا ہوں۔

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/۴۵)

فاضل بریلوی کی تحریروں' تقریروں اور تصانیف کا خلاصہ حسب ذیل تین امور ہیں :

۱۔ دنیا بھر کی ہر ایک لائق محبت و مستحق تعظیم چیز سے زیادہ اللہ و رسول کی محبت و تعظیم۔

۲۔ اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کے لئے اللہ و رسول سے دوستی اور محبت۔

۳۔ اللہ و رسول ہی کی خوشی کے لئے اللہ و رسول کے دشمنوں سے نفرت و عداوت۔

وہ ساری عمر لوگوں کو یہی بتاتے رہے کہ جس مسلمان کے دل میں ان تینوں باتوں سے ایک بات بھی کامل نہیں تو اس کا ایمان بھی کامل نہیں۔ فاضل بریلوی نے مسلمانان عالم کو شان الہٰی کا سچا ادب سکھایا رسول کریم کی تعظیم و توقیر کا سبق پڑھایا۔ صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی محبت و عقیدت کا درس دیا حضرات اولیائے کرام کے احترام و اکرام کا لوگوں کے دلوں میں چراغ روشن کیا۔ محبوبان بارگاہ الہٰی کے دشمنوں سے دور و نفور رہنے کا شرعی حکم سنایا اور شریعت و طریقت کی سچی تعلیم سے آگاہ کیا۔ (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۱۹۹)

۱۳۴۰ھ کا ماہ رمضان مئی اور جون کے مہینوں میں پڑا۔ ایسے سخت موسم میں روزہ رکھنے کی طاقت علالت کی وجہ سے انہوں نے اپنے میں نہ پائی تو کوہ بھوالی تشریف لے گئے وہاں آپ کو اندازہ ہوگیا کہ دنیا سے کوچ کرنے کا وقت قریب ہے چنانچہ ۳ رمضان ۱۳۳۹ھ کو اپنی تاریخ وفات کی خبر دیتے ہوئے آپ نے اپنے قلم سے یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی **ویطاف علیھم بانیتہ من فضتہ واکواب** جس سے آپ کا سال وفات متخرج ہوتا ہے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو بریلی میں عین اذان جمعہ میں ادھر موذن نے **حی علی الفلاح** کہی ادھر روح پر فتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہی محلہ سوداگران بریلی میں دارالعلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک بلند عمارت کے اندر آپ کا مزار ہے ہر سال ۲۴۔۲۵ صفر کو بڑے اہتمام سے آپ کا عرس منعقد ہوتا ہے جس میں اکناف پاک و ہند کے مشاہیر علماء و خطباء و مشائخ کرام شریک ہوتے ہیں۔

آپ کا تصنیف کیا ہوا یہ قطعہ آپ کی زندگی کا عکاس ہے :

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

ماخذ

۱۔ محمد ظفرالدین قادری : حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول کراچی

۲۔ وہی مصنف المجمل المعدد لتالیفات المجدد مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء لاہور ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۷ء

۳۔ محمد مسعود احمد مظہری : مقالہ احمد رضا خان بریلوی در اردو معارف اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء۔ ۴۰

۴۔ وہی مصنف : حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی لاہور ۱۹۸۱ء

۵۔ بدرالدین احمد : سوانح اعلیٰ حضرت طبع دوم ۱۹۸۲ء

۶۔ محمود احمد قادری تذکرہ علمائے اہل سنت کان پور ۱۹۷۱ء

۷۔ رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء)

۸۔ محمد ظفرالدین قادری : ۱۴ویں صدی ہجری کے مجدد، لاہور ۱۹۸۰ء

۹۔ محمد مسعود احمد : فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، لاہور ۱۹۷۳ء

۱۰۔ وہی مصنف : فاضل بریلوی اور ترک موالات، لاہور ۱۹۷۱ء

۱۱۔ حسن رضا خاں : فقیہہ اسلام، الہ آباد ۱۹۸۱ء

۱۲۔ احمد رضا خاں بریلوی : الدولتہ المکیتہ بالمادہ الغیبہ، لاہور ۱۹۸۷ء

۱۳۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں : الملفوظ، بریلی، ۱۳۳۸ھ

۱۴۔ احمد رضا خاں : الاستمداد، بریلی، ۱۳۳۷ھ

۱۵۔ وہی مصنف الاجازات المتینہ لعلماء بکتہ والمدینہ، طبع اول باہتمام شیخ کبیر الدین بہاری میجروی، مطبع نادری، بریلی ۱۳۲۴ھ

۱۶۔ محمد صادق قصوری : خلفائے اعلیٰ حضرت، کراچی ۱۹۹۲ء

۱۷۔ رسالہ المیزان امام احمد رضا نمبر (بمبئی ۱۹۷۶ء)

حدائقِ بخشش اور علمِ القوافی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (ریڈر طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، انڈیا)

حدائق بخشش میں علم القوافی کے جملہ لوازم کی بھرپور رعایت ملتی ہے۔ میری نظر سے ایک بھی قافیہ ایسا نہیں گزرا جس میں ردف و قید اور وصل و خروج کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو نیز جملہ عیوب قوافی مثلاً" اختلاف توجیہ اور ایطاء جلی وغیرہ سے حدائق کا دامن پاک نہو چند۔ اشعار بادی النظر غور طلب معلوم ہوتے ہیں، کبھی کبھی ناواقفیت کی وجہ سے اعتراض کردیا جاتا ہے۔ راقم الحروف سے بھی متعدد احباب نے استفسار کیا۔ اس لئے بعض اشعار کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے۔

(ا) دخیل و تاسیس

خدارا مرہم خاک شفا دے
جگر زخمی ہے دل گھائل ہے یا غوث

یہاں گھائل کو گھایل تحتانی مفتوح پڑھ کر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مطلع کے قوافی قابل اور کامل کا دخیل مکسور ہے اور گھایل کا مفتوح اس لئے گھایل اور قابل ہم قافیہ نہیں ہوسکتے۔

دراصل یہ سارا طورمار گھائل کو گھایل (بروزن پایل) بہ یائے تحتانی مفتوح قرار دے کر باندھا گیا ہے۔ شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگرد شیخ امداد علی بحر لکھنوی نے گھایل کی یاء تحتانی کو مفتوح لکھا ہے۔ صاحب نور اللغات نے اسی کو ترجیح دی ہے، مولانا ابرار حسنی تو ایسے ہی نوادر کی تلاش میں رہتے تھے لیکن سرمایہ زبان اردو کے مصنف جلال لکھنوی نے لغت مذکور میں لکھا ہے کہ فصحائے لکھنؤ کا اتفاق یاء تحتانی مکسور پر ہے۔ "فرہنگ اثر" میں اثر لکھنوی نے گھائل تحتانی مکسور مبدل بہ ہمزہ کو نہ صرف صحیح بلکہ رائج و فصیح لکھا ہے صاحب مہذب اللغات نے جلال و اثر کے قول کی

پیروی کی ہے۔

کسی ابرو کماں پہ مائل ہے
کسی تیرنگہ کا گھائل ہے

مثنوی سحرالبیان کا بھی اسی پر فتوی ہے۔

کبھی تیکھی نظروں سے گھائل کیا
کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا

دوسرے یہ کہ جو لوگ گھائل میں تاسیس و دخیل ڈھونڈتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جب قابل اور کامل کے قوافی میں دل اور محفل کے قوافی بھی ہیں تو تاسیس و دخیل کا سوال ہی ختم ہوگیا۔ اب نلے دے کے "ل" حروف روی باقی رہ گیا۔

(۲) اختلاف توجیہ

فن گرچہ نہ شد برنص عبدالقادر
جاں دارد مہر از فص عبدالقادر
گرنا قصم ایں نسبت کامل چہ خوش است
کاں بندہ رضا ناقص عبدالقادر

و

بالکسر منم مخلص عبدالقادر
سربرقدم خلص عبدالقادر
برکسر چو رحم آرد فتحش چہ عجب
بالفتح شوم مخلص عبدالقادر

بہ ظاہر ان دونوں رباعیوں میں قافیہ کا عیب نظر آتا ہے، چند برس پہلے دہلی یونیورسٹی کے ایک لیکچرر نے احقر سے استفسار کیا تھا کہ خلص اور خالص نیز مخلص (بالکسر) اور مخلص (بالفتح) ہم قافیہ کیوں کر ہوسکتے ہیں جب کہ قبل روی کی حرکت میں اختلاف ہے۔ مستفسر کو جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سوال علم القوافی کے ہر معمولی واقف کار کے ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے۔

علم القوافی کا قاعدہ ہے کہ اگر روی مقید ہے یعنی حرف روی ساکن ہے تو ماقبل کی حرکت کی مطابقت لازم ہے۔ جیسے قمر، شجر وغیرہ۔ اس کا ہم قافیہ عنصر نہیں ہوسکتا لیکن اگر روی مطلق ہو یعنی حرف وصل سے متحرک ہو تو روی اپنے ماقبل کی حرکت کی پابندی کی محتاج نہیں رہ جاتی لہٰذا سروری کا قافیہ عنصری ہوسکتا ہے۔

خود حضرت امام رضا فرماتے ہیں :

"روی جب متحرک ہو تو قبل کی حرکت میں اختلاف بالا جماع جائز و بے عیب ہے جیسے دلش و گلشن بخلاف اختلاف دل و گل کہ روی ساکن ہے۔) (فتاوی جلد نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۱۸۳)

حضرت امام کے اس قول کی تائید حسب ذیل اقوال معتبرہ سے ہوتی ہے۔ روضتہ القوافی میں ہے "تغیر توجیہ در روی غیر موصول ناجائز۔ دیگر وقتیکہ موصول شود تغیر حرکت ماقبلش جائز الا آنوقت توجیہ نخواند ماند۔ چنانچہ عرفی گوید۔

فہرست عیوب سے خارج کردیا ہے۔
اساتذہ کے یہاں ایطاء خفی کی چند مثالیں ۔

دیکھے گر چشم تری اے گل شاداب حباب
شرم کے مارے وہیں بحر میں ہو آب حباب
(ظفر)

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
(غالب)

ان شعروں میں ایطاء غیر محسوس طور پر داخل ہوگیا' یاس یگانہ چنگیزی جو کہ غالب کا بدترین مخالف تھا لیکن اس نے دیانت سے کام لیتے ہوے غالب کا دفاع کیا ہے' کہتا ہے : "حروف علت میں سے تنہا کوئی حرف بطو زاید یا اضافی ردی کی شکل میں واقع ہوا ہو جس کے معنی بھی ایک ہوں اور اس کے حذف کردینے کے بعد حرف ردی بھی قائم نہ رہے تو بھی ایسے الفاظ کو ہم قافیہ بنانا قطعی جائز ہونا چاہیۓ۔ جیسے کہا' سنا' اٹھو' چلو وغیرہ۔"

گمان غالب ہے کہ جن مسلم الثبوت شعراء کے کلام میں ایطاء پوشیدہ طور پر داخل ہو گیا ہے' ایسا نہیں ہے کہ انہیں اس کا علم نہ تھا بلکہ انہوں نے ایطاء خفی کو راہ دے کر اس کو فہرست عیوب سے خارج کرکے جواز کا اقرار کیا ہے۔ حدائق بخشش میں صرف ایک شعر میں ایطاء خفی کی سرایت ملتی ہے جسے ہم جائز سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضرت امام نے اسے فہرست عیوب سے خارج قرار دیا ہے۔ وہو ہذا ۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسادیئے ہیں

(۴) اجتماع ردیفین (الف)

مطلع کے علاوہ جب مصرع اول میں ردیف آجائے تو اس کو عیوب شعری میں شمار کیا جاتا ہے لیکن مسلم الثبوت اساتذہ کے تعامل کی روشنی میں ہم یہ فرق کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ردیف حرف ہو تو ایسی ردیف کا استعمال قافیہ کے بغیر بھی بلا کراہت جائز ہے۔ غالب جیسے استاد فن نے اپنی فارسی اور اردو کی غزلیات میں حرف کی حد تک ردیف کا استعمال (بغیر قافیہ) کرکے اس کے جواز کا اقرار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ۔

عید است نشاط و طرب و زمزمہ عام است
مے نوش اگر بادہ حرام است
با ساغر شہ ساغر خورشید سفال است
با خنجر شہ خنجر مریخ نیام است

دمی کہ کشت نوا مندی تماشا را
سپیدہ سحری غازہ روئے دنیا را
وجود تا نبود جز بچشم بینش را
نمود تا نبود جز بہ لفظ و معنے را

باحسن و جمال تو پری را
دعوی نرسد برابری را
چشم تو بیک نگاہ جادو
آموختہ سحر سامری را
(صفحہ نمبر۷۳)

کافی درعلم قوافی میں ہے "بعضے از مواد مثل سر و بر حروف قافیہ مستقل گردد و معتبر عدم استقلال است ناگزیر حرکت آنرا از قافیہ شمروند تا بقدر امکان غیر مستقل باشد وردی چوں متحرک گردد آں ضرورت مرتفع شود پس ایں حرکت نیز از مانحن فیہ نباشد و للہذا جمع چاکری باعنصری رواست۔
(صفحہ نمبر۳۵۰)

حضرت امام کے قول کی تائید میں اساتذہ کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

ہجوم اشک درچشم ترش بیں
وفا پروردہ من در برش بیں
چومن از شوخی طبع سخن چیں
غباری ہر نفس بر خاطرش بیں
(صہبائی)

اے کہ فلک بحسن مہر ماہ تراست مشتری
مہر رخ ترارسد بررخ ماہ برتری
سہم عقاب تیر تست .کزرخ خصم میکند
رنگ پریدہ اش بچوخ دعوی نسر طائری
(صہبائی)

مجھ کو خوش چشموں سے رم مثل غزال جستہ ہے
دام گیسوئے گریزاں اب دل وابستہ ہے
صبح اٹھ کر آئینہ دیکھا تو یہ کہنے لگا
صاف اس سے تو ہمارا چہرہ ناشستہ ہے
(ناسخ لکھنوی)

اب رہا یہ کہ ان تمام مثالوں میں روی متحرک بہ حرف وصل ہے جب کہ خلص و خالص اور مخلص و مخلص میں کسی حرف زاید کا وصل نہیں ہے لیکن اس اشتباہ کی کوئی اہمیت نہیں کیوں کہ علم القوافی میں اضافت کا شمار حرف وصل ہی میں ہوتا ہے ۔

دہ بود وصل فارسی گو را
الف و دال و کاف و ہا و یا
حرف جمع و اضافت و مصدر
حرف تصغیر و رابطہ است دگر
(رسالہ عبدالواسع ہانسوی)

(۳) ایطاء خفی

ایطاء خفی ہر دور میں اختلافی مسئلہ رہا ہے بعض اہل فن نے اس کو عیب (عیب خفی) قرار دے کر اپنے کلام کو اس عیب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے (حال آنکہ وہ محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں) اور کچھ اہل فن نے اس کو دائرہ فن کے تنگ کردیئے جانے کے مترادف قرار دیتے ہوئے

اے برتر از سپہر بلند آستان تو
وی پاسبان ملک و ملک پاسبان تو
اے روزگار بستہ بند کمند تو
وی کوہسار خستہ گزر گران تو

پھر اک دل کو بے قراری ہے
سینہ جو یائے زخم کاری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
روز بازار جاں سپاری ہے

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نو اسنجان گلشن کو
شہادت تھی مری قسمت میں جودی تھی یہ خو تجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

پوری حدائق بخشش میں دو شعر ایسے دستیاب ہیں جن میں ایک مقام پر "ہے" اور دوسرے مقام پر "سے" اجتماع ردیفین کی مثال بنتا ہے جسے معمولات اہل فن میں شمار کیا جانا چاہئے ورنہ سارے اساتذہ کا دامن داغدار ہوجائے گا۔ وہ دو شعر یہ ہیں ۔

(ا) اللہ کے نبی سے
فریاد ہے نفس کی بدی سے
ہے ظالم میں نبا ہوں تجھ سے
اللہ بچائے اس گھڑی سے

(۲) اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بیکس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
رضا منزل تو جیسی ہے وہ اک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے

البتہ مرزا بشیر الدین احمد محمود کے درج ذیل اشعار اجتماع ردیفین کی بھونڈی مثال ہے جس سے احتیاط لازم ہے ۔

(ا) حقیقی عشق گر ہوتا تو سچی جستجو ہوتی
تلاش یار ہر پردہ میں ہوتی کو "بکو" ہوتی
مئے وصل حبیب لا یزال و لم یزل ہوتی
تو دل کیا میری جاں بھی بڑھ کے قربان سبو ہوتی

(۲) تم نظر آتے ہو ہر ذرہ میں غائب بھی ہو تم
سب خطاؤں سے بھی تم پاک ہو تائب بھی ہو تم
فہم سے بالا بھی ہو فہم مجسم بھی ہو تم
عام سے عام بھی ہو سر غرائب بھی ہو تم

(ب) دی گفت دلم کہ جاں ست عبدالقادر
جاں گفت کہ دین ماں ست عبدالقادر

اس مطلع میں "جاں" کا قافیہ "ما" کو بہ اضافہ "نون" بنایا گیا ہے علامہ شمس بریلوی نے اپنے نسخہ مرتبہ میں "نون" کو یہ سمجھ کر نکال دیا کہ "**ضمیر منفصل ما**" میں "نون" کا اضافہ کتابت کی غلطی ہے حال آنکہ "نون" کے بغیر مطلع میں اجتماع ردیفین کا عیب پیدا ہوگیا۔ کچھ لوگ اضافہ نون کو ضرورت شعری سمجھ بیٹھے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ بلکہ ایسی ضرورت کے لئے حضرت امام خود

فرماتے ہیں کہ "شعر گفتن چہ ضرور۔"
(فتاویہ رضویہ جلد ۱۲ صفہ نمبر ۱۸۳)

اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ فارسی میں "ما و شما" کی طرح "ماں و تاں" بھی مستعمل ہے۔ انجمن آرائے ناصری کے مولف نے لفظ "ماں" کے استعال کو متقدمین شعراء کے ساتھ خاص کردیا تھا۔ علام نجم الغنی قوانین دستگیری اور سرگزشت وزیر خاں لنکواں کے حوالہ سے صاحب انجمن کے قول کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " جس طرح قدماء استعال کرتے تھے اسی طرح متاخرین بھی تقریر و تحریر میں لاتے ہیں کچھ اشعار قدماء ہی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے۔"
(قواعد حامدی صفحہ نمبر ۱۵۳ ۔ ۱۵۴)

حرف روی

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا!!
نہ شاعری کی ہوس نہ پرواروی تھی کیا کیسے قافیے تھے

بعض تبصرہ نگاروں نے اس شعر سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت امام کو خود احساس تھا کہ اس نظم میں فنی نقطہ نظر سے کچھ سقم رہ گیا ہے۔ اس اشتباہ کا ازالہ ہم اپنے ایک طویل مضمون میں کرچکے ہیں جو ہند و پاک کے متعدد رسائل میں شائع ہوچکا ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ ازالہ اوہام کے لئے چند سطور پیش ہیں۔

حضرت امام نے اس شعر میں "روی" اور "قافیہ" استعال کیا ہے۔ روی قافیہ کے آخری حرف اصلی کو کہتے ہیں یعنی لفظ مستقل کا آخری حرف جس کو گرا دینے سے وہ لفظ مہمل ہوجائے یا اپنے سابقہ معنی میں نہ رہجائے جیسے نظر اور صفر۔ پہلے لفظ کے حرف آخر کے حذف کے بعد نظ' اور دوسرے لفظ کے حرف آخر کے حذف کے بعد صف بچا پہلا مہمل ہے دوسرا معنی سابق میں نہیں ہے۔ یہاں روی "ر" ہے اور پورا لفظ یعنی نظر اور صفر قافیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روی پر ہی قافیہ کی پوری عمارت قائم ہے۔ لیکن کبھی انہیں قوافی میں ایسے قافیے بھی لائے جاتے ہیں جن کا آخری حرف گرادینے پر بھی ان کے معنی سابق برقرار رہتے ہیں اس لئے اہل فن نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مطلع میں کم از کم ایک قافیہ ایسا ہو جس کی روی اصل ہو۔ عطا شفا اور وفا کی روی اصلی ہے، یعنی حرف الف مستقل لفظ کا جز ہے کیوں کہ ان تینوں الفاظ میں الف گرادینے کے بعد ان کے سابق معانی قائم نہیں ہیں لہٰذا ان میں الف روی ہے۔ رہا' سنا اور اٹھا' یہ تینوں الفاظ حذف الف کے بعد اپنے سابقہ معانی میں باقی ہیں۔ اس لئے مطلع میں عطا کے ساتھ رہا اور شفا کے ساتھ سنا کا قافیہ لایا جاسکتا ہے لیکن رہا کے ساتھ سنا کا قافیہ درست نہیں ہے

کیوں کہ کم از کم ایک قافیہ کی روی کا حرف اصلی ہونا ضروری ہے۔

حضرت امام کی اس نظم کے مطلع میں "ہوے" اور "لئے" کا قافیہ استعمال ہوا ہے۔ ان میں "ی" روی ہے۔ یہ "ی" ہوئے میں اضافی اور "لئے" میں اصلی ہے۔ اگر "لئے" لینا سے مشق ہوتا تو پھر ہوئے اور لئے ہم قافیہ نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ شرط بھی صرف مطلع کے لئے ہے۔

اس لئے اس نظم میں ازروئے فن کوئی سقم نہیں ہے۔ بلکہ یہ عجز و فروتنی کا اظہار ہے۔

بعض اہل علم تو مولانا روم کو بھی اس شعر کے سبب عروض و قافیہ کے علم سے نابلد سمجھ بیٹھے حالانکہ یہی شعر عروض سے واقفیت کو ظاہر کرتا ہے

شعر می گویم بہ از آب حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات

صحت الفاظ

حضرت امام کے یہاں صحت الفاظ کو بڑی اہمیت حاصل تھی،وہ کبھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے جس کی نظیر نہ ہو۔ ہاں دائرہ قانون میں رہ کر بعض نئی تراکیب اختراع کرنے کا سہرا ضرور آپ کے سر ہے۔ کئی برس پہلے کی بات ہے حدائق بخشش کے معروف سلام کے درج ذیل مصرع میں لفظ "چقا چاق" ہمارے لئے خلجان کا باعث رہا۔ ع

وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا

لفظ "چقا چاق" کو ہم نے تلوار کی صفت کے لئے پڑھا تھا' صوتی اعتبار سے بھی تلوار کی آواز ہی سے اس کی مناسبت ظاہر ہے لیکن ہمیں اس وقت حیرت کے ساتھ مسرت ہوئی جب ہمیں فردوسی کے کلام سے اس کی سند مل گئی'۔

چقا چاق خنجر بگردوں رسید
زہند و ستاں خوں **بجیحوں** رسید

اسی طرح چند ماہ پیشتر محترم سید غلام سمنانی صاحب نے فرمایا کہ حدائق بخشش میں ایک لفظ استعمال فصحاء کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔

اے عطا پاش اے خطا پوش اے عفو کیش اے کریم
اے سراپا رافت رب **العلے** امداد کن

یہاں لفظ عفو بروزن رفو استعمال ہوا ہے جب کہ عفو کیش میں فا ساکن ہے **عفو بضمہ** فا و تشدید واو' اور عفو **بسکون** فا کے معنی کا فرق اس شعر سے ظاہر ہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سواء
مگر اے عفو ترے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

اسی وقت غیاث اللغات دیکھی گئی جس میں حسب ذیل اطمینان بخش عبارت ملی۔

"عفو بفتح اول و سکون فا بروزن سرو از

خطا درگزشتن و ترک کردن عقوبت گناہ درحالت قدرت از کشف و منتخب وغیرہ مگر ابتدائے باب چہارم بوستان لفظ عفو بفتح اول وضم ثانی و تخفیف و اوآمدہ است چنانچہ مصرعہ "عفوکردم از وے عملہائے زشت" وایں نوع از تفریس است۔ (غیاث اللغات)"

یہاں چند الفاظ بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں جن کو حضرت امام نے بہ پیروی اساتذہ کئی طرح سے اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے۔

دو جہاں

جب دو تنہا استعمال ہوتا ہے تو ہمیشہ اس کا واو ملفوظ ہوتا ہے۔ لیکن جب کسی لفظ کا جز ہوتا ہے تو کبھی واو صرف اظہار حرکت کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی ملفوظ نہیں ہوتا جیسے (لا اعلم)۔

تو مشق ناز کر بار دو عالم میری گردن پر

حضرت امام نے بھی بواو معدولہ استعمال کیا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

اور کبھی واو ملفوظ ہوتا ہے جیسے۔

ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے

(آصف جاہ)

حضرت امام کے یہاں بھی بواو ملفوظہ اس کا استعمال ہوا ہے۔

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ایک جان بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

اے ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی

البتہ جب دونوں جہان کہا جائے گا تو دو کا واو ہمیشہ ملفوظ ہوگا۔

جو چاہے ان سے مانگ کہ دونوں جہاں کی خیر

زر ناخریدہ ایک کنیزان کے گھر کی ہے

قدس

اس لفظ کا استعمال بھی دو طرح سے ہوتا ہے **بضمتین** بھی اور **بالضم** بھی۔

بالضم۔ غالب۔

شب از بادہ قدس ساغر گرفت

صبوحی ز دیدار حیدر گرفت

بضمتین ولہ۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی

روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

بالضم حضرت رضا۔

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں

گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں

حبذا شہباز طیرستان قدس

بضمتین ۔

پار ہائے صحف غنچہ ہائے قدس

طائران قدس جن کی ہیں قمریاں

مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

صاحب۔ یہ لفظ جب کسی دوسرے لفظ کی طرف مضاف ہوتا ہے تو حسب قاعدہ حرف آخر مکسور ہوتا ہے جیسے :

حافظ ۔

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت

لیکن اس کا استعمال فک اضافت کے ساتھ بھی ہوتا ہے جیسے

سعدی ۔

زصاحب غرض تا سخن نشنوی

حضرت امام نے بھی دونوں طرح سے استعمال کیا ہے۔

اضافت ۔

صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
صاحب رجعت شمس و شق القمر

فک اضافت ۔

یعنی عثمان صاحب قمیض ھدی
اے غنی اے مغنی اے صاحب حیا امداد کن

رباعیات

رباعی گوئی نہایت مشکل کام ہے اس میں چار مصرعوں کی پابندی کے ساتھ تینوں مصرعوں میں (دوسرے شعر کے صدر کے علاوہ) قافیہ کا التزام ہوتا ہے۔ اس کے اکثر اوزان میں ہمارے طبائع سے ہم آہنگ نہیں ہیں، صرف چار اوزان سے ہماری طبیعت کی ہم آہنگی ہے جو حسب ذیل ہیں ۔

مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
مفعول مفاعیل مفاعیل فعول
مفعول مفاعیل مفاعی لن فع
مفعول مفاعیل مفاعی لن فاع

ان کے علاوہ اوزان کو برتنے کے لئے عروض کا شعوری علم ناگزیر ہے۔

اہل عروض نے رباعی کے چوبیں اوزان کو اخرم و اخرب کے دو شجروں میں بیان کیا ہے۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ اوزان بست و چہار دلیل حصر سے ثابت ہیں یا محض استقرائی حکم رکھتے ہیں نہ اس امر سے سروکار کہ اخرم و اخرب میں تقسیم کا عمل درست ہے یا نہیں' عرض مدعا یہ ہے کہ بہت سی سالم یا مزاحف بحریں ایسی ہیں جن میں شعرائے عرب بے تکلف شعر کہہ کر گنگناتے ہیں جو ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح رباعی جو ایرانیوں کی ایجاد ہے وہ رباعی کے جملہ اوزان میں شعر کہتے ہیں اور اچھے راگوں میں گاتے ہیں۔ لیکن کم از کم چوبیس ۲۴ میں سے بیس ۲۰ اوزان ایسے ہیں جن میں شعر تو کہے جاتے ہیں لیکن ہم اپنی طبعی مناسبت سے گنگنا نہیں سکتے اسی لئے ان متذکرہ اوزان میں شعر کہنے کے لئے ان اوزان کا شعوری علم ضروری ہے۔ اردو ادبیات پر چونکہ فارسی کی گہری چھاپ رہی ہے اس لئے رباعی کو بطور تفنن اپنالیا گیا۔ اساتذہ نے اس کو مشکل اسی لئے قرار دیا ہے کہ دیگر اکثر اوزان و بحور کی طرح رباعی میں محض موزونی طبع سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

ہندوستان میں اچھا شعر کہنے والے لاکھوں کی تعداد میں ہوسکتے ہیں لیکن رباعی گویوں کی تعداد ہزاروں میں بھی نہیں ہوگی کیوں کہ رواں بحروں میں شعر کہنے کے لئے عروض کی واقفیت ضروری نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا ہے کہ

"شاعری کے لئے عروض جاننے کی ضرورت نہیں ہے ہاں استادی شاگردی کے لئے عروض کا جاننا ضروری ہے۔"

حضرت امام احمد رضا ایک ایسے ہی شاعر تھے جن سے اس وقت کے بہت سے شعراء اصلاح لیا کرتے تھے' آپ نے علم عروض کا مطالعہ بھی اسی شغف کے ساتھ کیا کہ نہ خود آپ کے کلام پر کوئی انگشت نمائی کرسکے اور نہ اصلاح سخن کے وقت کوئی دقت پیش آئے۔ آپ کے پاس صرف ازروئے شرع صحت کا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اشعار نہیں بھیجے جاتے تھے بلکہ شعری اور فنی حیثیت سے بھی اصلاح مقصود ہوتی تھی فتاوی رضویہ جلد ۱۲ کے صفحات ۱۴۳ تا ۱۴۶ و ۱۸۰ تا ۱۸۵ و ۲۰۸ تا ۲۰۹ سے ہمارے قول کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔

حضرت امام نے رباعی کے مشکل ترین اوزان میں فن کی جملہ رعایتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اشعار کہے ہیں جب کہ ناقدین نے مرزا غالب جیسے استاد فن کی درج ذیل رباعی میں ایک سبب خفیف کی زیادتی کا نقص ڈھونڈ نکالا۔

دکھ جی کو پسند ہوگیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہوگیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہوگیا ہے غالب

لیکن ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام کی رباعیات میں خفیف و ثقیل کی کمی یا زیادتی کا کوئی نقص نہیں ملے گا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا جن بیس ۲۰ اوزان میں عدم مناسبت طبع کی وجہ سے رباعی کہنا آسان نہیں ہے وہ یہ ہیں ۔

(۱) مفعول **مفاعلن** مفاعیل فعل
(۲) مفعول **مفاعلن** **مفاعیلن** فع
(۳) مفعول **مفاعلن** مفاعیل فعول
(۴) مفعول **مفاعلن** **مفاعلین** فاع
(۵) مفعول مفاعی لن مفعول فعل
(۶) مفعول **مفاعیلن** مفعول فعول
(۷) مفعول مفاعی لن مفعولن فع
(۸) مفعول مفاعی لن مفعولن فاع
(۹) مفعولن **فاعلن** مفاعیل فعل
(۱۰) مفعولن **فاعلن** **مفاعیلن** فع
(۱۱) مفعولن **فاعلن** مفاعیل فعول
(۱۲) مفعولن **فاعلن** مفاعی لن فاع
(۱۳) مفعولن مفعول مفاعی لن فع
(۱۴) مفعولن مفعول مفاعیل فعل
(۱۵) مفعولن مفعولن مفعول فعل
(۱۶) مفعولن مفعولن مفعولن فع
(۱۷) مفعولن مفعول مفاعیل فعول
(۱۸) مفعول مفعول مفاعی لن فاع
(۱۹) مفعولن مفعولن مفعول فعول
(۲۰) مفعولن مفعولن مفعولن فاع

رباعی میں یہ رخصت ضرور ہے کہ ایک رباعی کے چاروں مصرعے الگ الگ وزن میں کہے جاسکتے ہیں یعنی تمام اوزان کا اجتماع بلا کراہت جائز ہے بلکہ ایک وزن میں چاروں مصرعے کم ملتے ہیں۔

حضرت امام نے تقریباً" ہر وزن میں طبع آزمائی کی ہے۔

چند رباعیاں ملاحظہ ہوں ۔

بوسہ گہ اصحاب وہ مہر سامی
مفعول مفاعیل **مفاعیلن** فع
وہ شانہ چپ میں اس کی عنبر فامی
مفعول **مفاعلن** **مفاعیلن** فع
یہ طرفہ کہ ہے کعبہ جان و دل میں
مفعول مفاعیل مفاعی لن فع
سنگ اسود نصیب رکن شامی
مفعولن **فاعلن** **مفاعیلن** فع

جیسا کہ ہر مصرع کے مندرج اوزان سے ظاہر ہے۔ یہ رباعی تین مختلف اوزان میں ہے۔ میرانیس نے درج ذیل رباعی چار اوزان میں کہی تو عروض کی کتابوں میں نمونہ بن کر زندہ جاوید ہوگئی۔

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے

دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

حضرت امام کے یہاں بھی ایسی رباعیوں کی کمی نہیں جیسے۔

(چار اوزان میں)

ہر جا ہے بلندی فلک کا مذکور
مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع
شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور
مفعول مفاعیل مفاعیل فعول
انسان کو انصاف کا بھی پاس رہے
مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
گو دور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور
مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

درج ذیل رباعی کے چاروں مصرعوں کا وزن ایک ہے۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

چاروں مصرعوں کا وزن یہ ہے۔

"مفعول مفاعیل مفاعیل فعل"

بلا شبہ بایں ہمہ شان حسن زبان و بیان امام احمد رضا، ام شعر و ادب بھی ہیں اور اقلیم سخن کے تاجور بھی"

اے صاحب عز و جاہ اعلیٰ حضرت
اے علم و ہنر پناہ اعلیٰ حضرت
باندی ہے روی تیری قوافی ہیں غلام
اے ملک سخن کے شاہ اعلیٰ حضرت

(ماخوذ از مقدمہ حدائق بخشش جدید
بشکریہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مولانا
محمد امجد
رضا خان
(بہار، انڈیا)

غزلیاتِ رضا بریلوی

اردو کلاسیک کا شاہکار

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ ' ۱۸۵۶/ ۱۹۲۱ء ایک جید عالم' متبحر فقیہہ اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا محور عشق رسول تھا۔ جس کے صد رنگ جلوے ہمیں ان کے خیالات کے گوشے میں نظر آتے ہیں--- کہتے ہیں کہ ضمیر کی آواز لفظوں کا لبادہ اوڑھ کر جب در دل پر دستک دیتی ہے تو قاری و سامع اپنے اندر وہی کچھ درد' سوز' تڑپ اور اضطراب محسوس کرتا ہے جو شاعر کے دل پر گزر چکی ہوتی ہے--- رضا بریلوی کی غزلیات کو پڑھ کر ان کی اس کیفیت کو پرکھا جاسکتا ہے جس کا ہر شعر قرآنی عشق کی تفسیر' لفظ لفظ حدیث محبت کا سرچشمہ اور حرف حرف واردات و الہام کا عکاس ہے--- آپ کی زندگی کا مشن ہی تحریک عشق تھا' اس لئے مادیت سے روحانیت کے تمام امور میں عشق ہی کو آپ نے اپنا مقتدا بنایا اور اس کی رہبری میں تمام مقدمات فیصل کئے--- آپ کے وجود پر عشق کا غلبہ تھا۔ اس کے لئے آپ کے ہر عمل سے عشق کی تابناکی ہویدا تھی۔

"ان کی نگاہ اٹھتی تھی تو اس میں جلوہ حضور کی زیبائی نظر آتی اور جب جھکتی تو ان کے ہی عشق سے سرشار رہتی وہ چلتے تو عشق رسول اور سرور کائنات کا پیکر جمیل دکھائی دیتے اور سوتے تو نام نامی کی لفظی تصویر بن جاتے' ان کا رہوار قلم چلتا تو ناموس رسالت کی پاسداری میں چلتا' ان کے لب ہائے مبارک کھلتے تو زمزمہ نعت الاپتے" (۱)

پروفیسر کرار حسین (سابق وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی) رقم طراز ہیں۔

"میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم و عمل میں عشق

رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام
ین جسد بے روح کی مانند ہے۔" (۲)

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی (صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) لکھتے ہیں۔

"آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری' سپردگی اور سوز و گداز کی جو کیفیت ملتی ہے وہ اردو نعت گو شعرا میں اپنی مثال آپ ہے' آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔" (۳)

آپ کی غزلوں میں علوئے فکر اور ادبی پیرائے کے ساتھ معنویت کی جو پرکاری ہے۔ وہ اسی درد دل اور اضطرابی کیفیت کی ترجمان ہے آپ کچھ کہتے نہیں تھے بلکہ جذبات خود ہی اشعار کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ اس لئے آپ کی غزلوں میں آمد آمد کی کیفیات ہیں جو ہمیں بھی تڑپنے' سلگنے' جلنے اور مچلنے پر انگیز کرتی ہیں۔

آپ کی غزلیں ادب کے لئے گرانمایہ ہیں۔ خصوصاً" اس تناظر میں کہ یہ اس وقت کی شاہکار ہیں جب اردو زبان تجرباتی حدوں سے گزر رہی تھی۔ ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے--- رضا بریلوی کی شاعری زبان کی شگفتگی اور بیان کی دل نشینی کے لحاظ سے اردو شعراء کی تثلیث سے کسی طرح کم نہیں۔ انہیں زبان پر قدرت حاصل ہے۔ الفاظ کا لامحدود خزانہ ان کے پاس موجود ہے۔ اور پختہ کاری و پرکاری کے ساتھ "از دل خیزد بر دل ریزد" کے تمام تر جلوے یہاں سمٹے ہوئے ہیں۔

آپ کی غزلیں مجتہدانہ حیثیت رکھتی ہیں جس میں فن کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے کالی داس گپتا رضا نے حضرت رضا بریلوی کے شاعرانہ کمالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :

"اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انسیویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔ ذرا غور و فکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر' دل و دماغ پر مسلط کردیتے ہیں جو محض ایک **سخنور** کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں۔" (۴)

آپ کی شاعری میں اردو کلاسیک کے وہ سارے اوصاف مجتمع ہیں جن پر اہل زبان کو ناز ہے۔ آپ کے دیوان "حدائق بخشش" کو جو ہومر اور درجل کی منظومات' فردوسی کا شاہنامہ' رومی کی مثنوی' ڈانٹے کی نظم' حافظ کی غزل' ولی کی غزل' اور غالب کی غزل کی فہرست میں شامل ہونا چاہئے جنہیں متفقہ طور پر کلاسیکی کہا جاتا ہے کہ کلاسیک کی ساری خصوصیات اس دیوان پر منطلبق ہیں۔ "افکار میں معنوی بلندی' مضامین میں تنوع' فن پر

مکمل گرفت اور لہجہ میں تمکنت ساری چیزیں موجود ہیں پھر بھلا یہ عظیم کلاسک کیوں نہ ہو۔ پروفیسر منیر الحق کعبی نے "حدائق بخشش" کو کلاسیک کا درجہ دے کر ادبی دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔ (۵) اے کاش دانشوران فن سنجیدہ ذہنی سے اس طرف متوجہ ہوں۔

رضا بریلوی کی زبان خالص ٹکسالی ہے مگر یہ کس دبستان سے متعلق ہے اس معاملہ میں لوگوں کا رجحان مختلف ہے۔ پروفیسر منیر الحق کعبی کا نظریہ ہے۔

"ان کی شاعری میں صنعت گری، رعایت لفظی، نشاطیہ رجحان اور علمی وقار پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے لکھنؤیت کی ایسی خصوصیات، معاملہ بندی، جس میں رکاکت و ابتذال ہو۔ اور نسائیت جس کا ایک مظہر ریختی ہے، سے دامن بچائے رکھا اور اس کے بجائے دہلویت کے عناصر سوز و گداز، فصاحت و بلاغت، سلاست الفاظ، داخلی واردات کی عکاسی کو منتخب کرکے اس میں شامل کیا۔" (۶)

بعض حضرات نے دبستان لکھنؤ سے اس کا تعلق جوڑا ہے دلیل یہ ہے کہ رضا بریلوی کی شاعری میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اردو کا جز ہیں **مثلاً**" منگنا، گمنا، بھرن، خدائی خوار، ہوا بتانا وغیرہ (۷) اشعار ذیل میں ان الفاظ کا استعمال دیکھئے۔

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بیکس کو اٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

اپنے کوچہ سے نکالا تو نہ دو
ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم (۸)

مگر حدائق بخشش کے فنی اقدار کے جائزے سے اس کی زبان دبستان دلی اور دبستان لکھنؤ کا سنگم معلوم ہوتی ہے اس **سنگماتی** زبان میں سرور **نغمگی** اور نفوذ و اثر انگیزی کے ساتھ خارجی ہیئت کا جو اعجازی وصف ہے وہ ایک تیسرے دبستان "دبستان بریلی" کی نشاندہی کررہا ہے۔ یوں بھی شہر بریلی دہلی اور لکھنؤ کے وسط میں واقع ہے اس لئے آپ کی شاعری میں دونوں دبستان کا رنگ نمایاں ہونا بعید از قیاس نہیں۔

اس کے باوجود حضرت رضا بریلوی کو وہ ادبی مقام نہیں دیا جاسکا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس سکوت مسلسل میں کونسی تخریب کار فرما ہے نہیں معلوم--- ویسے ہمارے ادبی معاشرے میں مولانا علامہ اور باریش ہونا شاید جرم ہے اور اتنا بڑا جرم ہے کہ سارے محاسن خواہ نثری ہوں یا شعری اس میں دب کر رہ جاتے ہیں۔ ہمارے محقق و ناقدین ان کی کتابیں پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں اور اگر یہ گناہ سرزد ہو بھی جائے تو مطالعاتی ردعمل کے اظہار میں کچھ مخصوص ذہنیت، حائل ہو جاتی ہے

اب تک کا مشاہدہ یہی ہے الا ماشاء اللہ!

ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے غزلیات شبلی میں حرفے چند کے تحت لکھا ہے۔

"ہمارے مکرم اولاد صاحب نے توجہ دلائی کہ اتنا خوبصورت شاعر (شبلی نعمانی) مدت سے چھپا پڑا ہے بس اس پاداش میں کہ وہ الفاروق اور سیرۃ النبی کا بھی مصنف ہے اور صرف اس جرم میں کہ باریش تھا۔ اور مولانا/علامہ کا ایک الگ امیج بنا چکا تھا۔ حالانکہ اس کے تخلیقی ذہن کا حسین ترین حصہ فارسی شاعری میں چھپا پڑا ہے۔ (۹)

گویا شبلی نعمانی اپنی فارسی غزلیات کے تئیں کچھ دنوں صرف اس لئے اہل علم کی سرد مہری کا شکار ہوئے کہ وہ مولانا/علامہ اور باریش تھے۔

حضرت رضا بریلوی کے تعلق سے بھی یہی منفی ذہنیت کارفرما ہے۔ ورنہ وہ شخصیت جو ممدوح اقبال ہو اور نیاز فتح پوری جن کی عظمت فن کو خراج پیش کریں :

اس میں کوئی شک نہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک سخن کی شاہی حضرت رضا بریلوی ہی کو جچتی اور سجتی ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں (۱۰)

بھلا محققین کی بے اعتنائی اور جنبہ داری کا شکار ہو؟ مگر تاریخ کے ساتھ یہ بھیانک مذاق ہورہا ہے اور نہ جانے کب تک ہوتا رہے گا۔ تحقیق و تنقید کا تقاضا ہے کہ تمام قسم کی ذہنیت و عصبیت سے بالاتر ہوکر کسی ادب پارے کا مطالعہ کیا جائے یہی ادب کی بنیادی شرط ہے۔ اور بقول ڈاکٹر وزیر آغا :

"عقیدے کو شخصیت اور ادب کی پرکھ اور تجزیہ کے لئے ایک کسوٹی مقرر کرنا ایک محدود اور تنگ نقطہ نظر کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔ (۳)

عقیدہ تو انسان کا جز لاینفک ہے انسان اس دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا اگر عقل و شعور سلامت ہے تو اعتقادی سمتوں کا تعین بھی لابدی ہے۔ اور جس کا کوئی عقیدہ نہیں بظاہر وہ بھی ایک عقیدہ ہی ہے۔ اس لئے ادب میں عقیدے کا در آنا کوئی جرم نہیں۔ ہاں بقول قاضی عبدالودود :

"ادب کو سیاسی اور معاشی عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔" (۱۱)

معروف نقاد کلیم الدین احمد نے لکھا ہے :

"مجھے یاد آتا ہے کہ ظفر حمیدی صاحب نے اپنی غزلوں اور نظموں کے مجموعے پر ایک مقدمہ لکھا تھا اس میں اپنے عقائد کا بے باکی سے بیان کیا تھا تو قاضی صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ ظفر حمیدی نے بڑی جرات سے کام لیا ہے۔ (۱۲)

زیر نظر غزلیات میں ایسے کسی عقیدے کا اظہار نہیں یہ چند سطور محض اس لئے تحریر میں آگئیں کہ اس شاعر عشق و محبت کے تیئں اہل علم و دانش کا ایک بڑا طبقہ اس منفی فکر اور اعراضی ذہنیت کا شکار ہے جو یقیناً" تقاضائے ادب کے منافی ہے۔

ہم حضرت رضا بریلوی کے کلام کو آیات و حدیث نہیں سمجھتے کہ اس میں سرے سے فنی نقائص اور ادبی جھول کا امکان ہی نہ ہو۔ مگر اس اعتقاد پر ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے شاعری قرآن سے سیکھی تھی اس لئے قرآن کی معنویت اور اسلوب کا انعکاس ان کی شاعری میں ناگزیر تھا--- ان کے کلام میں سلاست' روانی اور لب و لہجہ کی بلند آہنگی کا جو شدید احساس ہوتا ہے وہ دراصل قرآنی اسلوب کا سنہرا عکس ہے۔

ناقدان فن کو اس طرف ملتفت ہونا چاہئے اور فنی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ادب پارہ پر بے لاگ تبصرہ کرنا چاہئے کہ ادب میں تنقید' تخلیق پر ہوتی ہے شخصیت پر نہیں۔

یہ خالص ٹکسالی زبان اور محاورات سے مملو کلاسیکی غزلیں اس لائق ہیں کہ انہیں شامل نصاب کیا جائے اور شاعر کو اس کا اصل مقام دیا جائے یہ ان کا جائز حق ہے۔

زبان و بیان اور روزمرہ محاورات کے استعمال پر حضرت رضا بریلوی کو جو کامل دسترس حاصل ہے اس کا اندازہ اردو شعر و ادب اور اس کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو درج ذیل اشعار سے ہوسکتا ہے' اشعار میں خط کشیدہ الفاظ/محاورات کے استعمال کو دیکھیں اور زبان و بیان کا لطف حاصل کریں۔

۱۔ گریباں چاک کرنا۔

گلے سے باہر آسکتا نہیں شور فغاں دل کا
الٰہی چاک ہوجائے گریباں ان کے بسمل کا

۲۔ نمک چھڑکنا۔

یہاں چھڑکا نمک وہاں مرہم کافور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

۳۔ آنکھوں کا فرش بچھانا۔

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

۴۔ دام نقد ہونا۔

جان دیدو وعدہ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

۵۔ نام ہو جانا۔

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

۶۔ الٹی چھری سے حلال کرنا۔

یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس
ستم گر الٹی چھری سے ہمیں حلال کیا

۷۔ وبال سر کرنا۔

یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھ کو اے ظالم
چھڑا کے سنگ درِ پاک سرو بال کیا

۸۔ بڑا کمال کرنا۔

چمن سے پھینک دیا آشیانہ بلبل
اجاڑا خانہ بیکس بڑا کمال کیا

۹۔ منتوں کا چراغ چلانا۔

جو دل نے مر کے جلایا تھا منتوں کا چراغ
ستم کہ عرض رہ صرصر زوال کیا

۱۰۔ آس رکھنا۔

۱۱۔ پھولنا پھلنا۔

فصل گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار
پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستان عرب

۱۲۔ کٹے مرنا۔

عندلیبی پہ جھگڑتے ہیں کٹے مرتے ہیں
گل و بلبل کو لڑاتا ہے گلستان عرب

۱۳۔ چار دن برسنا۔

ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابر بہاران عرب

۱۴۔ جلو داری کرنا۔

مہر کس منہ سے جلو داری جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

۱۵۔ تماشا کرنا۔

ان کو یکتا کیا اور خلق بنائی یعنی
انجمن کر کے تماشہ کریں تنہائی دوست

۱۶۔ خاک پہ ماتھا دیکھنا۔

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دلدائی دوست

حوالا جات

۱۔ مکتوبات امام احمد رضا، پیرزادہ محمود احمد قادری
۲۔ امام احمد رضا اور عالمی جامعات، پروفیسر مسعود احمد مظہری
۳۔ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مولانا یٰسین اختر مصباحی
۴۔ المیزان کا امام احمد رضا نمبر (قاری ایڈیشن)
۵۔ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزبہ، پروفیسر منیر الحق کعبی، پاکستان
۶۔ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ، پروفیسر منیر الحق کعبی، پاکستان
۷۔ غور و فکر، ص ۱۸۷، پروفیسر طلحہ رضوی برق
۸۔ حدائق بخشش، مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی
۹۔ غزلیات شبلی، حدائق بخشش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۱۰۔ تنقید و احتساب، ڈاکٹر وزیر آغا
۱۱۔ جہان رضا، لاہور
۱۲۔ مقالات قاضی عبدالودود، ص ۴۲
۱۳۔ ایضاً

(ماخوذ از مقدمہ انتخاب غزلیات رضا
بشکریہ ادارہ شرعیہ، بہار، انڈیا)

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نغمہ سرائی کے
تاجِ امامت کے حقدار

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (پرنسپل اورینٹل کالج، جامعہ پنجاب، لاہور)

یہ تو روز ازل ہی سے مقدر تھا کہ شان و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتیں اور بلندیاں لامحدود و بیکراں ہونگی لیکن ان وسعتوں اور رفعتوں کا انکشاف اور اظہار درجہ بدرجہ اور لحظہ بلحظہ ہوتا چلا جائے گا **ورفعنا لک ذکرک** (ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کردیا ہے) میں اسی حقیقت کو عیاں فرمایا گیا ہے، شان و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وسعتوں اور رفعتوں کے انکشاف و اظہار کا ایک میدان اور ذریعہ ان شعرائے کرام کے لئے مختص ہے جو ایمان و عمل صالح سے سرفراز اور تائید واحقاق حق کے ساتھ خرمن باطل کی بربادی و ملت کفر کی ناکامی و نامرادی کا سامان بھی مہیا کر رہے ہیں۔ (سورہ الشعراء آیت ۲۲۶) یہی وہ گروہ حق پرست ہے جن کے فکر و شعر کا سرچشمہ اشارہ ربانی ہے بحکم ارشاد نبوی کہ **الشعراء تلامیذ الرحمٰن** (یہ شعراء اللہ رحمٰن و رحیم کے شاگرد ہوتے ہیں) اور **ان من الشعر لحکمۃ** (بعض شعر تو سراپا حکمت ہوتے ہیں) میں اسی گروہ کے گفتار و کلام کو حکمت قرار دیا گیا ہے۔ شعراء کے اسی گروہ حق پرست کے سرخیل حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے روح القدس کی تائید و حمایت کی دعا بھی فرمائی گئی۔

شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وسعتوں اور رفعتوں کے مختلف آفاق اور گوشوں کو منکشف و عیاں کرنے والے شعرائے کرام کے اس گروہ حق پرست نے عہد نبوی سے لے کر تادم تحریر لحظہ بلحظہ اور درجہ بدرجہ بہت کچھ کہا اور سنایا ہے، اولیت اور سبقت کا تاج تو اس مقدس جماعت کا مقدر تھا جس نے عظمت و شان مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کا بچشم خود مشاہدہ فرمایا اور اپنے کلام میں تاثرات کو ریکارڈ کردیا' صحبت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدہ حق کے اس شرف میں بعد میں آنے والے شریک نہیں ہوسکتے' اس مقدس جماعت میں یوں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد شرکت مدح سرائی سے سرفراز ہے مگر جو رتبہ و مقام شعرائے انصار --- حضرت حسان بن ثابت' حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم --- کو نصیب ہوا وہ صرف انہی کا مقدر تھا اور ان میں بھی تاج امامت اول الذکر کے سر بجتا ہے' سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسلام' اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ جہد مشکور اور عمل ماجور کے ضمن میں آتا ہے مگر ان کی زبان سحر بیان اور گفتار حکمت طراز سے بعض الفاظ ایسے ادا ہوئے جو زبان زد خلائق اور مشرق و مغرب میں روشنی بن کر عام ہوگئے اور جادو بن کر آج بھی سر چڑھ کر بول رہے ہیں' ایسے ہی فکر بلند اور پر کشش ولگداز اسلوب کو غیر فانی شعر کا نام دیا گیا ہے' اسی کلام کے متعلق ایک عرب شاعر نے کہا تھا کہ "**اذا قلت شعراً" اصبح الدھر منشدا**"" (میں جب شعر کہتا ہوں تو اسے زمانہ گنگنانے لگتا ہے) اور ایسے ہی کلام کے متعلق اردو کا ایک شاعر کہتا ہے ۔

حسن تاثیر کو صورت سے نہ معنی سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے کوئی!

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب یہ فرمایا تھا تو شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا تھا کہ ۔

لہ ھمم لا منتہی لکبارھا
وھمتہ الصغری اجل من الدھر

ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمت بھرے عزائم ہیں جن میں سے بڑے عزائم کی تو کوئی حد نہیں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے چھوٹا عزم و ہمت زمانے بھر کی ہمتوں اور عزائم سے بالا و برتر ہے!

مگر عنادل بستان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں امامت کے تاج کا باعث ان کے یہ دو شعر ہوئے جو ضرب المثل بن گئے ہر کہ و مہ کی زبان پر مشرق و مغرب میں عام ہوگئے اور ان کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے : ۔

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
وخلقت مبرا" من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ : (ا) آپؐ سے اچھا میری نگاہ نے کبھی نہ دیکھا اور آپؐ سے بڑھ کر خوبصورت

عورتوں نے جنا ہی نہیں۔

(۲) آپ تو ہر نقص سے پاک پیدا ہوئے ہیں گویا آپ ویسے ہی پیدا ہوگئے جیسا کہ آپ نے خود چاہا!

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ چادر رحمت ان کے حصے میں آئی اور ان کا لامیہ قصیدہ ہی اصل قصیدہ البردۃ ہے اور اس قصیدہ کا جو شعر زبان زد خلائق ہے اس میں خود رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی اور سیوف الہند کے بجائے سیوف اللہ درج کرنے کا حکم فرمایا' چنانچہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب پڑھا ۔

ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مہند من سیوف الہند مسلول

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہند کی فولادی تلواروں میں سے شمشیر برہنہ ہیں جس سے روشنی میسر آتی ہے۔

آپ کی اصلاح کے بعد شعر کو یوں پڑھا گیا

ان الرسول لنور یستضاء بہ
وصارم من سیوف اللہ مسلول

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں جن سے روشنی میسر آتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے شمشیر براں ہیں جو برہنہ ہے!

مگر امام محمد بن سعید بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کا میمیہ قصیدہ' قصیدۃ البردہ کی حیثیت سے شہرت عام پاگیا اور مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے' یوں عربی شاعری میں شان مصطفیٰ صلی اللہ عیہ وسلم کی مدح سرائی کا تاج امامت حضرتؒ بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کے سر سجا' بردہ بوصیری کو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی جب انہوں نے بات شروع کی تو فرمایا ۔

امن تذ کر جیران بذ ی سلم
مزجت دمعا" جری من مقلۃ بدم

ترجمہ : کیا ذی سلم والے ہمسایوں کی یاد آئی ہے کہ تو نے اپنی آنکھ سے بہنے والے آنسو کو خون سے آلودہ کرڈالا ہے اور بات کو یوں ختم کیا تو عرب و عجم جھوم اٹھے اور ان کے ساتھ گنگنانے لگے کہ : ۔

مولا ی صل وسلم دائما" ابدا"
علی حبیبک خیر الخلق کلہم

ترجمہ : اے میرے مولیٰ! تو ہمیشہ ہمیشہ آپ نے محبوب پر جو تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں' درود اور سلام بھیجتا رہ!

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بوصیری کبھی پا نہیں سکتا مگر بستان مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم میں مدح سرا بلبلوں کی امامت کا تاج انہی کے حصے میں آیا کیونکہ انہوں نے ایسا شعر تخلیق کیا جسے ہر کوئی گنگنا کر جھومنے لگا!

عنادل بستان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک شیخ شیراز بھی ہے جسے فارسی نعت گوئی میں منصب قلندری نصیب ہوا' حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی گلستان و بوستان میں مدح مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار گلدستے سجائے ہیں مگر جو گلدستہ انہیں منصب قلندری پر فائز کرگیا اور شہرت عام کے ساتھ بقائے دوام بھی عطا کرگیا وہ "صلوا علیہ وآلہ" کا گلدستہ تھا' نعت و مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سدا بہار اور زندہ جاوید گلدستہ جہاں فن نعت گوئی کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے وہاں خاک پاک شیراز کی خوش گفتار بلبل نغمہ سرا کو شہرت عام اور بقائے دوام بھی عطائے کرتا ہے وہ نعت کے طفیل مقام قلندری پر فائز ہوتے ہیں : ۔

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ والہ

اس کے ساتھ اگر بوستان کے ان اشعار کا اضافہ کردیا جائے تو سعدی شیرازی کے اس گلدستہ نعت نبوی کا حسن دوبالا ہوجائے گا اور فارسی نعت گوئی کا اولین سنگ میل چمکتا دمکتا دکھائی دینے لگے گا : ۔

کریم السجایا جمیل الشیم
نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشوائے سبیل
امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوری خواجہ' بعث و نشر
امام الہدی صدر دیوان حشر
کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست
ہمہ نورہا پرتو نور اوست
شفیع مطاع نبی کریم
قسیم جسیم نسیم و سیم!

نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاروان شعر جامی کے سوز و گداز سے ہوتا ہوا برصغیر میں پہنچتا ہے جہاں غالب جیسے ثنا خوانان نبوی نمودار ہوتے ہیں اور یہ کہہ کر نعت گوئی کی انتہا کردیتے ہیں کہ ۔

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است!

یہ اس لئے تھا کہ اردو نعت گوئی کے دو اور قلندر ظہور پذیر ہونے والے تھے' ان میں سے ایک تو شاعر مشرق حکیم الامت علامہ محمد اقبال تھے جنہیں کچھ لوگ فلسفی سمجھے اور کچھ نے انہیں

شاعر غزل خواں شمار کیا مگر اقبال کو ان سب سے انکار تھا ان کا تو یہ اصرار تھا کہ وہ اول و آخر عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بلبل باغ نبوی اور نسیم حجاز ہیں' اول سے آخر تک میر حجاز صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے مرکز نگاہ' قافلہ حجاز کے نقوش پا کی تلاش ان کا مطمع نظر رہا اور تہذیب حجازی ان کی نغمہ سرائی کا دائمی موضوع رہا' بانگ درا میں اقبال مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح آغاز کرتے ہیں ۔

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا!
اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما بھر کارواں ہمارا!

(اوراس نقطہ آغاز کے بعد ارمغان حجاز کا لمحہ آخر میں آتا ہے تب بھی اقبال کا مرکز نگاہ' مطمح نظر اور نغمہ سرائی کا موضوع یہی نظر آتا ہے ۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرشام
کشاید پر بفکر آشیانہ!

مگر اقلیم لغت گوئی کی قلندری اقبال کو اس وقت عطا ہوتی ہے جب وہ جواب شکوہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں : ۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

اور یہ کہ : ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں!

اقبال عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی والہانہ عقیدت و محبت ان کے فکر و شعر اور قول کی طرح ان کے عمل سے بھی واضح طور پر ثابت ہے' اس کا ایک ثبوت امت محمدیہ سے ان کی گہری محبت و ہمدردی اور عالم اسلام کے لئے ان کے مجاہدانہ عملی اقدامات بھی ہیں' اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق صادق وہ قوت ہے جو ان کے ارشاد کے مطابق ہر پست کو بلند تر مقام عطا کرکے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے چار دانگ عالم میں اجالا کرکے روشنی ہی روشنی دیکھنے کی آرزو مند ہے اور مسلمان کی ناکامی کا واحد سبب اور کامیابی کا واحد وسیلہ بھی ایک ہی ہے' اگر تعلیمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض ہے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا لیکن اگر ان کی محبت و وفاداری کی دولت میسر آجائے تو پھر یہی بندہ مومن وارث ارض و سماء بلکہ مالک لوح و قلم بھی ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت

اور نعت نبوی کی روایت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ شیراز اور اقبال جیسے مردان قلندر سے ہوتی ہوئی برصغیر کی ایک اور ہستی کے حصے میں آتی ہے" یہ ایک ہمہ پہلو اور ہمہ جہت شخصیت ہے، جو فقہ کے میدان میں کبار ائمہ کا پرتو نظر آتی ہے، جو حدیث و تفسیر میں ایک منفرد مکتب فکر ہے، جو عربی شاعری میں شعرائے عرب کا عکس ہے اور جو اردو شعر و نثر میں ایک یکتائے روزگار طرز انشاء کی علمبردار ہے مگر اقلیم عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مقام قلندری پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ نعت نبوی میں بھی اپنی مثال آپ اور شان مصطفیٰ میں نغمہ سرائی کے تاج امامت کی حق دار ہے، اور یہ شخصیت ہے حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی !

اس میں شک نہیں کہ اردو زبان کا دامن نعت نبوی علی صاحبہا التحیتہ والثناء دنیا کی ہر زبان سے حتیٰ کہ عربی و فارسی اور دیگر تمام اسلامی زبانوں سے وسیع تر ہے، برصغیر کے شعراء نے نہ صرف اردو بلکہ عربی و فارسی کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں میں بھی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نغمہ سرائی کا شرف حاصل کیا ہے، علامہ اقبال جیسے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نغمہ سرایان باغ نبوی نے ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے مگر اس خطہ زمین پر، جہاں سے میر عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے محسوس ہوئے، یہاں کی اقلیم نعت گوئی کا تاج امامت بلامنازعت و اختلاف فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے سر سجتا ہے، ان کے عربی و فارسی کلام میں مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معطر شگوفے الگ اور مستقل باغ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر اردو نعت گوئی کے لئے وہ طرح نو کے بانی اور دعوت سخن کی قوت محرکہ ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے مدح سرائی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو مرتبہ و مقام بخشا ہے وہ اردو شعراء کے لئے دعوت کلام بھی ہے اور لمحہ فکریہ بھی، ان کی نعت گوئی نے پورے برصغیر کو متاثر کیا اور اس فن کے سینکڑوں چراغ روشن کئے ہیں، ان کے تتبع و پیروی میں اردو نعت گوئی کو ایک مستقل فن اور دائمی مشق سخن کا درجہ نصیب ہوا ہے۔

مگر مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ کی نعت گوئی اور دوسروں کی نعت گوئی میں بہت بڑا فرق ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء کی غالب اکثریت اس لئے مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناتی ہے کہ یہ ہمارے ہاں ایک مستقل فن بن گیا ہے اس لئے ہر شاعر کی قدرتی آرزو ہے کہ وہ سب اس میدان میں اترے اور اپنی قابلیت کے جوہر دکھلائے، بعض محض محبت و عقیدت کے

اظہار کے لئے نعت گوئی کو اپناتے ہیں اور اپنے خلوص و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، مگر فاضل بریلوی نے اس فن کو اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کے لئے یا صرف ازراہ عقیدت نعت گوئی کو مشق سخن کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ وہ تو شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب اس لئے تھے کہ وہ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ سچا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی وقتی یا عارضی جذبہ نہ تھا بلکہ ان کے پختہ ایمان اور غیر متزلزل عقیدے کا اظہار و ثبوت تھا ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجذوب محبت اور فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عاشق کا آئینہ دار تھا، یہی پختہ ایمانی جذبہ و عقیدت اور فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی یہ مجذوبیت ہی ہے جو امام احمد رضا خان بریلوی کو شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نغمہ سرائی میں تاج امامت کا مستحق ثابت کرتی ہے۔ ہمارے شعراء نے عربی، فارسی، اردو اور دیگر علاقائی زبانوں میں نعت گوئی کا شرف پایا جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی شریک و سہیم ہیں، مگر مولانا کا کمال اور انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے ایسے نعتیہ قصائد و غزلیات بھی تخلیق فرمائے ہیں جو بیک وقت عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں میں بھی ہیں۔ ان کا یہ نغمہ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تائید کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظر
مثل تو نہ شد پیدا جاناں الخ

یہ اسلوب شعرگوئی جہاں شاعر کی قدرت کلام، مختلف زبانوں پر کامل عبور اور فنی صنائع و بدائع پر کامل تصرف کی دلیل ہے وہاں اس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاکتیں بھی جھلکتی نظر آتی ہیں، یہ ایسا منفرد امتیاز ہے جو شاعر کو اقلیم سخن کی بلندیوں پر پہنچا رہا ہے، یوں لگتا ہے کہ یہ نغمہ ساز کوئی ایسا صاحب فن ہے جو ہمہ وقت اپنے فن کی رعنائیوں اور نزاکتوں میں کمال پیدا کرنے کے علاوہ کسی اور کام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا مگر یہ کسے معلوم کہ یہ نغمہ سازی تو اس کے امنڈتے ہوئے جذبہ عشق رسولؐ کی ایک جولانی ہے۔ وہ تو فقہ و فتاوی اور ریاضی جیسے خشک علوم کا بھی امام وقت تھا۔ باقی علم و فن کی خدمات کو تو بھول جایئے جن میں فاضل بریلوی اپنے سکے بٹھاتے رہے اور کمالات کا مظاہرہ بھی کرتے رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان اگر اپنے شہرہ آفاق سلام، ”مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام“ کے سوا اور کچھ بھی نہ کہتے تب بھی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی منفرد نغمہ سرائی کو اور کوئی شاعر نہ پہنچ پاتا ان کا یہ سلام انہیں نعت

گوئی کے عظیم قلندران وقت کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ سعدی، جامی اور علامہ محمد اقبال جیسے مدح سراؤں کے پہلو بہ پہلو امام احمد رضا خان بھی اپنی جگہ پاتے ہیں، بلکہ ان کی بعض منفرد خوبیاں ان بزرگوں کی نعت گوئی سے انہیں ممتاز کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

شاعر پاکستان حضرت حفیظ جالندھری نے بھی اردو میں سلام پیش کیا ہے مگر جو بات سلام رضا میں ہے وہ سلام حفیظ میں کہاں؟ سلام کا ہر ایک شعر فن کے کمالات میں گندھا ہوا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے، ایک سو اکہتر (۱۷۱) اشعار پر مشتمل اس سلام کا ہر شعر سیرت و کمالات نبوی پر ایک مستقل کتاب کا موضوع بننے کا حق رکھتا ہے بلکہ بعض کیا اکثر اشعار تو ایک سے زائد موضوعات پر اظہار خیال کی دعوت دیتے ہیں، بطور مثال سلام کا پہلا شعر لے لیجئے جو آج ضرب المثل بن کر مشرق و مغرب میں زبان زد خلائق بن چکا ہے، نعت نبوی اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مجلس و محفل اس کی گونج سے خالی رہ ہی نہیں سکتی۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام!

"مصطفیٰ" اسمائے نبوی میں سے ہے اور بحث و تحقیق کا مستقل موضوع ہے بلکہ اسمائے نبوی کے متعلق متعدد اہل علم کی کاوشیں سامنے آچکی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم "جان رحمت ہیں" رحمت اللعالمین ہیں، کیا اس حوالے سے سیرت کتب کی کمی ہے یا مزید کی گنجائش نہیں، "سلام" اور "درود" الگ الگ کتابی موضوع ہیں اور "شمع ہدایت" تو تاریخ انبیاء، مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت پاک کے وقائع کے لئے تلمیحی اشارہ ہے، مصر کے قومی شاعر اور شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نغمہ سرائی کرنے والے احمد شوقی بک نے اسی بات کی طرف تو اشارہ کیا تھا کہ :

نظمت اسامی الرسل فھی صحیفہ
و اسم محمد فیھا طغراء

ترجمہ : پیغمبروں کے اسمائے گرامی ایک صحیفے میں (روز ازل میں) پرو دیئے گئے تھے۔ ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک سرعنوان بنا تھا!

الغرض مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کا یہ سلام اردو ادبیات کا ایک غیر فانی شاہکار اور نعت گوئی کے میدان میں ایک منفرد کارنامہ ہے، مجھے نظر آتا ہے کہ اگر روز حشر میں شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نغمہ سرائی کرنے والوں کو صلہ و انعام سے نوازنے کے لئے دربار نبوی میں جب بلایا جائے گا تو "واحسن

منک" کا خالق حسان، "صلوا علیہ" کا شاعر سعدی اور "قوت عشق سے" کا تخلیق کار اقبال جب حاضر ہوگا تو "مصطفیٰ جان رحمت" والا احمد رضا خان بھی اردو نعت گوئی کا تاج امامت سجائے ساتھ ساتھ ہوگا! مولانا احمد رضا خان بریلوی جیسی ہمہ جہت و ہمہ پہلو شخصیات اگر شاذو نادر ہی پیدا ہوتی ہیں تو "مصطفیٰ جان رحمت" جیسا سلام تخلیق کرنے والے نغمہ سراہان مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں! آنے والے وقتوں میں بہت مدت تک شاید یہ سلام یونہی پڑھا جاتا رہے گا کہ ایک سو اکہتر اشعار پر مشتمل اس سلام کا پڑھنے والا کم سے کم کروڑ دو کروڑ درود و سلام بھیجنے کا کار خیر تو کرتا ہی ہے' اس کی مثال لانا آسان نہ ہوگا!

مکتوب بنام مولنا احمد بخش صادق ڈیروی

"الاستمداد" رضا بریلوی کا مجموعۂ کلام

ڈاکٹر سراج احمد بستوی (بستی، انڈیا)

حسان الہند حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ مجموعہ کلام "الاستمداد" پر آج تک کوئی تسلی بخش کام نہیں ہوسکا۔ جس کا ازحد افسوس ہے۔ نیز اسی طرح بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں :

"حضرت رضا بریلوی عربی' فارسی' اردو اور ہندی زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ وہ ان زبانوں کے نبض شناس اور ماہر تھے۔ عربی' فارسی اور اردو میں ان کی دواوین موجود تھے۔ اب اردو دیوان حدائق بخشش (جس میں کچھ فارسی کلام بھی ہے) موجود ہے۔ باقی عربی' فارسی کلام منتشر صورت میں ملتا ہے اور اپنی مثال آپ ہے' خصوصاً" عربی قصائد۔۔۔ ان کے فارسی اور اردو منظوم فتاویٰ کا ایک ذخیرہ ہے جو ابھی تک مرتب نہ ہو سکا۔ کچھ اردو کلام بھی باقی ہے۔"(۱)

غالباً" ڈاکٹر صاحب کا اشارہ اردو کلام سے اسی مجموعہ کلام "الاستمداد" کی جانب ہے۔ اسی طرح کے بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے بھی اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ (مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری) میں ان موضوعات کی نشاندہی کی ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام کو مکمل طور پر نعتیہ افکار و خیالات کی روشنی میں قلم بند فرمایا ہے۔ اور نعت گوئی میں رہبر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا ہے۔ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں :

"نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقش

قدم پر چلتے رہے۔ وہ مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منبر بچھایا اور ان کو بٹھایا--- دعاؤں سے نوازا۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کفش برداری اور در کی دربانی اور جاروب کشی کو حضرت رضا بریلوی نے اپنے لئے سعادت سمجھا ہے۔

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور ہیں
کہ رضائے عجمی ہو' سگ حسان عرب" (۲)

نعت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ نعت ہی کے زمرے میں وہ سارے کلام بھی آتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدافعت اور اغیار کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں قلم بند کئے جائیں۔ چنانچہ عصر حاضر کے عظیم نعت گو جناب نعیم صدیقی فرماتے ہیں :

"میں نعت کو محض حمدیہ یا ثنائیہ رنگ تک محدود رکھنا درست نہیں سمجھتا بلکہ اس میں سیرت و خلق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان اور اپنی پستی احوال اور دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا دکھڑا بھی رویا جا سکتا ہے۔" (۳)

ڈاکٹر صدیقہ ارمان لکھتی ہیں :

"حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت کی بنیاد ناموس رسول کی حفاظت' تعلیمات رسول کی تبلیغ اور اپنے خلوص و عقیدت کے اظہار پر رکھی تھی۔ آپ نے اپنی نعت میں منکرین رسالت کے جواب میں فضائل نبوی بیان کرکے قرآن کے اس حکم کی تعمیل کی "جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیروں میں ہیں۔" (۴)

پروفیسر محمد اقبال جاوید لکھتے ہیں :

"عرب بنیادی طور پر فصیح و بلیغ تھے۔ ان کی طلاقت لسانی اور ذوق اظہار مسلم تھا۔ آغاز اسلام میں جب زبان و بیان کے میدان میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شدت اختیار کرگئی تو ایک دن آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا "مخالف شعراء کی ہرزہ سرائیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے تو میری مد کی ہے کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟" اس پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور خود کو اس کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان میں کچھ لوگ میرے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خلاف بھلا کس انداز سے کہو گے؟" حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں آپ کو ان میں سے یوں الگ کرلوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے

سے بال کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔ گویا نعت کی ترغیب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر جس شاعری نے جنم لیا وہ شعوری طور پر مخالفین کے معاندانہ اشعار کا جواب اور لاشعوری طور پر حضور کے ثناء کے سانچے میں ڈھل کر نعت بنتی چلی گئی۔" (۵)

حکیم محمد یحییٰ خاں لکھتے ہیں :

"حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی مورخین اور سیرت نگاروں نے شاعر دربار نبوی کے خطاب سے ذکر کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ مداحین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرخیل ہیں۔ خود نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہودی اور مشرک شاعروں کی ہفوات سے اپنے دفاع پر مامور فرمایا تھا--- روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھری مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا' "مخالف شعراء کی ہرزہ سرائیاں حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟" اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اس خدمت کے لئے یہ ناچیز حاضر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبہ خلوص سے خوش ہو کر بولے "ان میں سے کچھ لوگ میرے اپنے قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے قریبی عزیز ہیں مثلاً" ابوسفیان میرا عم زاد ہے۔ اس کے خلاف بھلا تم کس انداز سے کہو گے؟" حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' حضور! میں آپ کو ان کے بیچ میں سے یوں الگ کرلوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔" (٦)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے' وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں منبر بچھاتے تھے جس پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخر و مباہات کی باتیں بیان کرتے تھے۔ اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ کسی نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے تو اس کا جواب دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے کہ بیشک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید کرتا ہے۔ جب تک وہ میری طرف سے فخر و مباہات کی باتیں کریں یا میری طرف سے دشمنوں کی نازیبا اور شرارت آمیز باتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ (۷)

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب "عربی

میں نعتیہ کلام" میں ڈاکٹر شوقی ضیف کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار تعداد میں زیادہ ہیں لیکن خاص نعت کے اشعار بہت کم ہیں زیادہ تر اسلام کی عظمت کا مضمون ہے یا پھر وہ قصیدے ہیں جو کفار و مشرکین اور یہود کی ہجو میں کہے گئے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجو میں فرق یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرکین مکہ کے انساب پر حملہ کرتے تھے اور ان کی تاریخ کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کرتے تھے' جنہیں سن کر وہ تلملا کر رہ جاتے اور سمجھتے تھے کہ یہ باتیں حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ معلوم ہیں' مگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدزبان کفار کی ہجو دوسرے انداز سے فرماتے تھے۔ وہ کفر و شرک کی گمراہی اور بے دینی کا طعنہ دیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تھے جیسے ابوسفیان' ہندہ اور وحشی وغیرہ ان کو عبداللہ بن رواحہ کی کہی ہوئی ہجو زیادہ بری لگتی تھی کیونکہ وقت گزرنے کے بعد سب باتیں بھولی بسری ہو جاتی ہیں۔ مگر جن باتوں کو کسی کامیاب شاعر نے اپنی نظموں میں کہہ دیا ہو تو وہ ختم نہیں ہوتیں اور لوگ اس کو دہرایا کرتے ہیں۔" (۸)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو اور مذمت کرتے تھے وہ تین اشخاص شمار کئے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت' کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم "روضتہ الاحباب" میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام شعراء مردوں میں سے ایک سو ساٹھ اور عورتوں میں بارہ تھیں۔" (۹)

ڈاکٹر ریاض مجید نے ہجویہ شاعری کے سلسلے میں بڑے پتے کی بات تحریر کی ہے وہ لکھتے ہیں :

"بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی' فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں

کوئی کلام نہیں کہ "مدح" نعت کا اہم موضوع ہے اور صنف نعت کے آغاز ہی سے اسے نعت کے ایک مرکزی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ کی ہجو اور گستاخی رسول کے جواب میں مسلمان شاعروں نے موثر طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربار رسالت کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔" (۱۰)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ بات ایمان ایقان سے کہی جا سکتی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا، ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت، کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائی، ہجو اور ذم کا جواب آج کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہی لسانی جہاد نعت کی خشت اول ہے اور اس کے معمار وہ مقدس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی اتباع سراپا رشد و ہدایت ہے۔ جن کی پذیرائی خود اللہ اور اس کے رسول نے فرمائی۔ نعت گوئی میں انہیں مقدس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم کی اتباع حضرت رضا بریلوی نے کی۔

نعت کا یہ اساسی پہلو نعت گو شعراء کے دل و دماغ سے محو ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے زیر نظر نعتیہ مجموعہ کلام "الاستمداد" قلم بند فرما کر نعت گو شعراء کی فکر کو مہمیز لگائی ہے اور نعت کے اس بنیادی پہلو یا موضوع پر شعر گوئی کی دعوت دی ہے جس سے کہ نعت کے اس بنیادی موضوع کا احیاء ہو سکے۔ چونکہ مولانا احمد رضا بریلوی درجہ مجددیت پر بھی فائز تھے اور ایک مجدد کی ذمہ داری ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ان نقوش کو زندہ و تابندہ فرمائے جو حوادث زمانہ کے باعث پژمردہ ہو گئے ہیں۔

چنانچہ ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مذکورہ نعتیہ مجموعہ کلام کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"اندریں حالات ۱۳۳۷ھ میں فاضل بریلوی نے ایک دردناک فریاد، ایک پر آشوب استغاثہ اور ایک خوں چکاں نظم بہ عنوان "الاستمداد" (زیر نظر) شائع کی۔ جس میں ان لوگوں کے ظلم و ستم، بارگاہ خداوندی میں زبان درازیاں، بارگاہ رسالت میں گستاخیاں اور مسلمانوں کے پاکیزہ نظریات پر جارحانہ حملوں کی داستان مرتب کردی۔ فاضل بریلوی کی یہ کوشش آسان نظم میں

اہل دل کو خون کے آنسو رلائے گی۔ اعتقادی سفر
کے قافلہ والوں کے ڈگمگاتے قدموں کے لئے
سہارا بنے گی اور پھر ان نقاب پوشوں کے سیاہ
عزائم کو بے نقاب کردے گی جو اہل سنت کے
ایمان و ایقان کی دولت کے خلاف نقب زنی کر
رہے ہیں۔ یہ اشعار چھوٹی بحر میں ہیں مگر ایک
ایک مصرع دیوبندیوں کے پرفریب عقیدے کی مکمل
تصویر ہے۔ اگرچہ نظم کے نشتر بعض سادہ لوح اور
نو آموز دیوبندی حضرات کے لئے باعث تکلیف
ضرور ہوں گے مگر ان کے پرانے اور محروم
صلاحیت حضرات تو جانتے ہیں کہ۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے جو عدو کے سینے میں عار ہے

وہ عام مسلمانوں کے سامنے اپنے زخم
دکھاتے پھریں گے اور کہتے پھریں گے کہ لوگو! دیکھو
ہمیں کیا ہو گیا ہے مگر زخم دیکھنے والے ان کی دشنہ
زبانی سے واقف ہیں۔ انہیں شاید یاد دلانے کی
ضرورت نہ ہو کہ ان لوگوں کی زبان درازیوں نے
عصمت مصطفوی اور کمالات نبوی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے جسم پاک پر جو زخم لگائے ہیں وہ
صدیوں تک ہرے نہیں ہو سکیں گے۔" (۱۱)

انوار رضا میں اس نعتیہ مجموعہ کلام کا ذکر
کچھ اس طرح ہے :

"امام اہلسنّت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے
جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی
چھوٹی بحر میں ہے جس کا نام "الاستمداد علی اجیاد
الارتداد" ہے تقریباً" ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس
میں اغیار دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب و خلفاء
کے لئے دعائیں بھی ہیں۔" (۱۲)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مجموعہ کلام "
الاستمداد" کی رقم طرازی کا پس منظر بیان کرتے
ہوئے لکھتے ہیں :

"جب ۱۹۱۹ء میں امام احمد رضا اپنے خلفاء
عبدالاسلام حضرت علامہ عبدالسلام اور ان کے
صاحبزادے برہان ملت مفتی برہان الحق صاحب
رحمتہ اللہ علیہم کے زبردست اصرار اور التجا پر
جبل پور تشریف لے گئے تو حاجی کفایت اللہ
صاحب بحیثیت خادم ساتھ میں تھے۔ ٹرین میں
انہوں نے خیال کیا کہ امام احمد رضا تو مجدد ہیں
اور مجدد کا کوئی بھی وقت خدمت دین سے خالی
نہیں جاتا۔ آج اس طویل سفر میں امام سے کون
سی دین کی خدمت ہوئی۔ جب جبل پور پہنچے تو
حاجی صاحب سے امام احمد رضا نے فرمایا کہ فقیر
نے راستے میں ۳۶۰ اشعار کہے ہیں جن میں ۳۵
اشعار نعت پاک کے ہیں باقی وہابیہ' دیوبندیہ کے
رد میں ہیں انہیں قلمبند کر دیجئے۔ یہ قصیدہ دیکھ کر
حاجی صاحب کو اپنے دل کے وسوسے پر سخت
ملامت ہوئی۔ یہی وہ قصیدہ ہے جس کا تاریخی نام
"الاستمداد علی اجیا و الارتداد" ہے اس میں [illegible]

احمد رضا نے اپنے ۱۴ خصوصی خلفائے کرام کا ذکر بھی کیا ہے۔" (۱۳)

حضرت رضا بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) نعت انور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
(۲) استمداد از شاہ رسالت بر کبرائے کفر وردت
(۳) اسماعیل دہلوی، وہابیہ اور دیوبندی
(۴) امت محمدیہ علمائے دیوبند کی نظر میں
(۵) شرکستان وہابیہ
(۶) اللہ تعالیٰ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ
(۷) دیوبندی عقائد کے اضافے
(۸) گنگوہی صاحب کے نظریات
(۹) نانوتوی صاحب کے نظریات
(۱۰) تھانوی صاحب کے نظریات
(۱۱) ذکر احباب و دعاء احباب

حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس نعتیہ مجموعہ کلام کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ نیز جس بحر کا انتخاب فرمایا ہے وہ بہت ہی چھوٹی بحر ہے اور اس نعت پاک کی خوبی یہ ہے کہ اس کو اتنے آسان اور دلنشیں انداز میں قلم بند فرمایا ہے کہ جی چاہتا ہے پڑھتے رہیں اور وجد میں آکر گنگناتے رہیں۔ اس کے چند ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

سچی بات سکھاتے یہ ہیں
سیدھی راہ دکھاتے یہ ہیں
ڈوبی ناؤ تراتے یہ ہیں
ہلتی نیو جماتے یہ ہیں
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں
چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں (۱۴)
فیض جلیل خلیل سے پوچھو
آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں
ان کے نام کے صدقے جس سے
جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں (۱۵)

چونکہ اس نعتیہ مجموعے کا دوسرا موضوع "استمداد از شاہ رسالت بر کبرائے کفر و ردت" ہے جو اس مجموعہ کلام کے نام کا ایک جزو ہے اس لئے اس موضوع یا عنوان کے تحت استمداد کا ایک جدید اسلوب اور پیرایہ استعمال کیا گیا ہے جس سے مجموعہ کلام اسم بامسمیٰ ہو گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں چند اشعار ؎

مولیٰ دین مٹاتے یہ ہیں
کفر اسلام میں لاتے یہ ہیں
تیری شان گھٹاتے یہ ہیں
رب کو عیب لگاتے یہ ہیں
رب سے الجھیں نبی سے الجھیں
کس ابلیس کے کاتے یہ ہیں

بلکہ وہ کفن میں ان کا گرگا
پھر مسلم کہلاتے یہ ہیں
ابن عقبہ سے مسلم ہیں
حاشا اس کو لجاتے یہ ہیں
اس کے ظلموں کی حد تھی حرم پر
شاہ حرم تک جاتے یہ ہیں
کتنے مذہب ردت ٹھرے
فقہہ و کلام میں آتے یہ ہیں (۱۶)
سب سے مضر تر ہیں یہ وہابی
سنی بن کے رجھاتے یہ ہیں
سنی و حنفی و چشتی
بن بن کر بہکاتے یہ ہیں
حق سے باطل شاہ سے ذاہل
کیسی مد کے ماتے یہ ہیں
پیارے دفع کر اعدا' کیونکر
تیرے ہوتے ستاتے یہ ہیں (۱۷)

استمداد و استغاثہ نعت کا موضوع قدیم رہا ہے۔ اس موضوع پر عہد رسول سے لیکر اس وقت تک سخن وری کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

"نعت کا ایک اہم اور مشہور انداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنے حالات اور درپیش مسائل اور مصائب و آلام اور مشکلات کا اظہار کر کے ان سے مدد طلب کرنا۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے استغاثہ اور استمداد اور آپ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی و حاجت روائی کے لئے آپ کی بارگاہ رحمت میں سوال' آغاز نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد' ملک اور زبان کے شعراء نے رفع مشکلات' شفائے امراض' حصول مقاصد اور مصائب ومسائل سے نجات حاصل کرنے کے لئے سید کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور اپنی عرضداشت پیش کی ہے۔" (۱۸)

تیسرا موضوع "اسماعیل دہلوی وہابیہ اور دیو بندی" کے رد پر مشتمل ہے۔ جس میں اسماعیل دہلوی کے اپنے وہابی اور دیوبندی عقیدے کو حضرت رضا بریلوی نے بڑی ہی چابک دستی سے واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

شاہہ کو رسل کو ملک جو مانے
اس کو خدا سے چھڑاتے یہ ہیں (۱۹)
شہہ کو رسل کو اہل خدا کو
چوہڑے چمار سناتے یہ ہیں (۲۰)
ان کے منہ میں خاک ہو کس کو
مٹی میں مر کے سلاتے یہ ہیں (۲۱)
اتنا جلتے ہیں نام شہہ سے
کلمے سے کنیاتے یہ ہیں (۲۲)
بیٹی تک کے نہ کام آئیں گے
بے قدری یہ مناتے یہ ہیں

ان کے کام نہ آئیں گے بیشک
جب تو جہنم جاتے یہ ہیں (۲۳)
یاد محمد یاد خدا ہے
کس کو خر سے گھٹاتے یہ ہیں
ان کو گدھے کا ذکر ہی روزی
جس کی شان بڑھاتے یہ ہیں
ہم کو ذکر حبیب جسے یوں
آگ سمجھ کے بجھاتے یہ ہیں (۲۴)

چوتھا موضوع "امت محمدیہ علماء دیوبند کی نظر میں" اس موضوع کے تحت کل تین ہی شعر کہے گئے ہیں۔ مگر یہ تین اشعار قول فیصل یا حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ کسی طویل موضوع کو اس پیرائے میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے کہ موضوع بھی سمٹ جائے اور بات بھی پوری پوری واضح ہو جائے یہ انتہائی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت رضا بریلوی کی طلاقت لسانی ؎

شہہ کی امت کافر مانی
آپ کہاں بچے جاتے یہ ہیں
روئے زمین سے الگ کیا کوئی
گوہ کا بھٹہ بساتے یہ ہیں
اپنی آگ میں جل گئے آپ ہی
اچھی دیپک گاتے یہ ہیں (۲۵)

پانچواں موضوع "شرکستان وہابیہ" ہے اس موضوع کے تحت حضرت رضا بریلوی نے وہابیہ کے ان تمام امور کی وضاحت کردی ہے جو ان کے نزدیک شرک کے دائرہ میں آتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

شرک کی ایسی تند چڑھی ہے
شرک ہی شرک بلاتے یہ ہیں
شرک کی تسبیح ان کا وظیفہ
شرک ہی جپتے جپاتے یہ ہیں
ساون کے اندھے کا ہرا ہے
شرک جو گاتے گواتے یہ ہیں (۲۶)
لاکھوں مسلماں کر دیئے مشرک
گھر کی خبر بسراتے یہ ہیں
جیسی کرنی ویسی بھرنی
کاٹیں جیسی بواتے یہ ہیں
جد عزیز و ولی اللہ کو
شرک کی دلی دکھاتے یہ ہیں
شیخ مجدد صاحب پر تو
سب سے سوا غراتے یہ ہیں
آپ پہ ڈھالیں باپ پہ ڈھالیں
کون ہے جس کو بچاتے یہ ہیں
حاجی امداد اللہ کو بھی
شرک مدد پہنچاتے یہ ہیں (۲۷)
تھانوی قاسم گنگوہی کو
شرک کے تھان بندھاتے یہ ہیں

چھٹا موضوع "اللہ تعالیٰ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ" ہے۔ اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں ؎

سارا علم غیب الٰہی
پانچ میں ختم کراتے یہ ہیں (۲۸)
کذب الٰہی ممکن کہہ کر
دین و یقین سب ڈھاتے یہ ہیں (۲۹)
کذب کا کیا غم ہاں کوئی کاذب
سمجھے اس سے ڈراتے یہ ہیں
بالفعل ان کا خدا ہے عیبی
پھر امکان تو گاتے یہ ہیں
سوئے اونگھے بہکے بھولے
کیا کیا گت بنواتے یہ ہیں (۳۰)
اپنے خدا کو محفل محفل
کوڑی ناچ نچاتے یہ ہیں
دیو کے آگے گھنٹی بجا کر
بم اس سے بلواتے یہ ہیں
زانی مزنی اوچکا ڈاکو
سارے جھولے جھلاتے یہ ہیں
کون سی خواری باقی چھوڑی
سب اس سے کرواتے یہ ہیں (۳۱)

ساتواں موضوع "دیوبندی عقائد کے اضافے" ہے اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں

بیٹے گائے یہود و نصاریٰ
جورو اور ملاتے یہ ہیں
عقل فرنگ سے باغ خرد میں
تین خدا لہکاتے یہ ہیں (۳۲)
اب تو الوہیت بھی سدھاری
ڈھول سے کھال گنواتے یہ ہیں
جب ہے کمال خلاف قرآن
اب کیا پلہ بچاتے یہ ہیں
یا تو خدا ہے کمال سے خالی
یا قرآن جھٹلاتے یہ ہیں
رب کا غضب ہو وحی سے پہلے
کس کو ضال بتاتے یہ ہیں
مرسل لاثانی کا ثانی
گنگوہی کو بناتے یہ ہیں (۳۳)

آٹھواں موضوع "گنگوہی صاحب کے نظریات" ہے اس موضوع میں حضرت رضا بریلوی نے رشید احمد گنگوہی کے نظریات کا انکشاف کر کے اس کی تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

علم اپنے مرشد شیطان کا
علم شہہ سے بڑھاتے یہ ہیں
علم غیب ابلیس کو مانیں
شہہ کو کہو جل جاتے یہ ہیں (۳۴)
مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا
ایک ہے یوں چند راتے یہ ہیں

مجلس مولد شہہ ہے خرافات
ایسی خرافات لاتے یہ ہیں (۳۵)
عبد عزیز تک ایماں کب تھا
اسلام آج پھیلاتے یہ ہیں
دیوبند والوں کے ملنے سے
اردو شہہ کو سکھاتے یہ ہیں
ان کے نبی کی استاذی کا
حق امت پہ جتاتے یہ ہیں
اف بے باکی شاہ سے اپنی
روٹی تک پکواتے یہ ہیں (۳۶)

نواں موضوع "نانوتوی صاحب کے نظریات" ہے اس موضوع میں جناب قاسم نونوتوی صاحب کے نظریات کی عقدہ کشائی فرمائی ہے ۔

شہہ کے پچھلے نبی ہونے کو
فضل سے خالی گاتے یہ ہیں (۳۷)
شہہ کے بعد نبوت تازہ
پاک خلل سے بتاتے یہ ہیں
آپ ہی کافر آپ ہی مکفو
اپنی آپ ہی ڈھاتے یہ ہیں
اول کافر آخر کافر
ہر پھر کفر پہ چھاتے یہ ہیں
ان کے کفر کا اٹھتا جوبن
ناحق اس کو چھپاتے یہ ہیں (۳۸)

دسواں اور آخری موضوع "تھانوی صاحب کے نظریات" ہے اس کے بعد حضرت رضا بریلوی نے اپنے احباب و خلفاء کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع میں جناب اشرف علی تھانوی صاحب کے نظریات کی وضاحت کی گئی ہے فرماتے ہیں ۔

شہہ سا ہر کس و ناکس جانے
غیب یہ عیب دکھاتے یہ ہیں
علم غیب میں بچے پگلے
کل چوپائے' بھڑاتے یہ ہیں (۳۹)
یعنی اپنے نبی جینے کو
تسکیں بخش بناتے یہ ہیں
اپنے نام پر استقلالا"
صلی علیٰ بھنواتے یہ ہیں
بہکی زبان اور دن بھر بہکی
اف اف کیا بہکاتے یہ ہیں
ان کی ثناء تھی نبی کی ذم تھی
یوں یہ عذر مناتے یہ ہیں (۴۰)
واقعہ ڈھا لیں ماں کا آنا
زن کا ذہن لڑاتے یہ ہیں
جن پر لاکھوں مائیں تصدق
تعبیر ان کی بناتے یہ ہیں
کو کہہ میں ستر ہی تھے جن پر
قارون گنج بساتے یہ ہیں
یہ تو دو سو تیں ہیں اب کس
تحت ثریٰ کو جاتے یہ ہیں (۴۱)

اس پورے مجموعہ کلام میں ۳۶۱ اشعار ہیں۔ ۳۳۷ اشعار نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عقائد باطلہ کے رد پر مشتمل ہیں۔ اور ۲۴ اشعار حضرت رضا بریلوی نے اپنے احباب و خلفاء کے فضائل و مناقب میں قلم بند فرمائے ہیں جس میں انہوں نے اپنے ۱۴ خلفاء کا ذکر اختصاصی طور پر فرمایا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ

حضرت رضا بریلوی کے اس مجموعہ "کلام الاستمداد" میں ترتیب و تدوین کے لحاظ سے مقالہ نگار کو ایک اہم اشتباہ محسوس ہوا جس کا ازالہ لازم و ملزوم ہے۔ اس نعتیہ مجموعہ میں دو حواشی ہیں اور ایک تکملہ ہے۔ پہلا حاشیہ پیر و مرشد حضور سیدی الشاہ مصطفیٰ رضا المعروف مفتی اعظم ہند نوری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ حاشیہ ۳۳۷ اشعار کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حاشیہ ماہر لسانیات معروف ادیب و صحافی حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی۔ ایم۔ اے مہتمم مرکزی مجلس رضا لاہور کا ہے۔ یہ حاشیہ ۲۴ اشعار کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے جس میں حضرت رضی بریلوی نے اپنے مقتدر خلفاء کا ذکر فخر و مباہات کے طور پر فرمایا ہے۔ مجموعہ کلام کے آخر میں ایک تکملہ ہے۔ جس کا عنوان ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب الاستمداد پر

تکمیلات

تالیف

حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند اور کتاب کے صفحہ اول پر جو عنوان ہے وہ بایں طور پر ہے۔

الاستمداد
۱۳۳۷ھ
علی اجیاد الارتداد

تصنیف لطیف

اعلیٰ حضرت مجدد مانتہ حاضرہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

حواشی و تکمیلات
حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ

الحاصل کتاب کے آخر میں جو تکملہ ہے اس کے بارے میں ایک جگہ لکھا جارہا ہے کہ حواشی و تکمیلات حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ۔ اور دوسری جگہ لکھا جارہا ہے۔ تالیف حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند۔ ایک ہی چیز کو ایک جگہ حضور مفتی اعظم ہند کا تکملہ قرار دیا جارہا ہے۔ اور اسی چیز کو دوسری جگہ حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تکملہ خود حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ ہاں اس تکملہ کو حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف تو قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن بذات خود اس تکملہ کی نسبت حضور مفتی اعظم ہند کی جانب تخلیقی حیثیت سے کرنا غیر مناسب ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے اس تکملہ کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس مجموعہ کلام میں حضرت رضا بریلوی نے اپنی فکر کا موضوع جن موضوعات کو بنایا ہے وہ تفصیل طلب ہیں۔ اس لئے کہ شعر گوئی کا دامن خود ہی تنگ ہوا کرتا ہے۔ اور پھر اس میں ایمان و عقائد کا بیان ہر کس و ناکس کے فہم و ادراک سے بالاتر چیز ہے۔ اس لئے باقاعدہ طور پر حضرت رضا بریلوی نے ان اشعار کی تشریح و توضیح خود اپنے قلم سے فرمائی اور اس کو مجموعہ کلام کی تکملہ قرار دیا جس سے کہ لوگ بات کو کماحقہ سمجھ سکیں۔ اس تکملہ کے بغیر اس مجموعہ کلام کو مکمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح و توضیح فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا
ایک ہے یوں چندراتے یہ ہیں
پیٹھ رسول اللہ کو دے کر
کیسی اوندھی گاتے یہ ہیں

"تکمیل ۶۲۔ اقوال اسماعیل کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کو کیسی صریح بے ایمانی کی کہ مٹی سے متصل ہوجانا مٹی میں ملنا کہلاتا ہے۔ حاشا محض جھوٹ اولاً" ہر مکان کی دیواریں مٹی سے متصل بلکہ بنیاد تک مٹی کے اندر داخل ہوتی ہیں۔ پھر جب سلطانی قلعہ بن کر تیار ہو کوئی مجنوں ہی کہے گا کہ سارا قلعہ مٹی میں مل گیا۔

ثانیاً" روپیہ زمین پر رکھئے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا اور چاندی کا برادہ خاک میں گر کر خلط ہوجائے۔ اسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی۔

ثالثاً" گنگوہی صاحب جب زمین پر بیٹھتے ہوں گے تو اس وقت ان کے نیچے مٹی سے جسد مع پاجامہ ملاحق ہوتا تھا۔ مگر کوئی نہ کہتا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے نہ مرنے کے بعد چند روز تک یہ کہا جاتا۔ ہاں اب کہ ایک جگ بیت گیا اور ان کا بند گل کر مٹی میں خلط ملط ہوگیا۔ اب کہا جائے گا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے۔

رابعاً" "سے" اور "میں" میں فرق کرنا کیا مطلب کے لئے بھولا بن جانا ہے۔ اگر کسی کا لٹھا گنگوہی صاحب کے پاس امانت ہو اور ان سے گم ہوجائے تو یہ کہا جائے گا کہ لٹھا ان سے غائب ہوگیا۔ یا یہ کہ لٹھا ان میں غائب ہوگیا۔ آپ کے نزدیک دونوں طرح کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں **انا للہ و انا الیہ راجعون** ○ ان کے یہاں یہ وقعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ان کی شان میں گالی کو کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ایمانی ہے سبحان اللہ یہ منہ اور دعویٰ!" (۱۲)۔

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری اپنے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے مقالہ "اردو میں نعتیہ شاعری" میں علمائے دیوبند کے نظریات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی گئی اہانتوں کے حوالے سے حضرت رضا بریلوی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں۔

"مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ء ۔ ۱۹۲۱ء بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً" نصف صدی تک جس قدر انہوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ شاید دنیائے اسلام میں کسی ایک خاص دبستان خیال کے خلاف کبھی اتنا نہیں لکھا گیا۔ جناب اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہہ بھی کرلی جائے تب بھی ان کی برائی سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا ہے۔ بہرحال جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے۔ وہ اگرچہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ تب بھی ان کی قوت حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔" (۴۳)

حضرت رضا بریلوی نے اپنے تکملہ میں جن امثال اور تشریح و توضیح کا ذکر فرمایا ہے وہ ساری کی ساری مثالیں یا وضاحتیں اتنی کارآمد ہیں کہ کچھ مت پوچھئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر آج ہم ان کے اقوال و نظریات ان کے افکار و خیالات کے پابند ہوجائیں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں،

بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک بار میں ایک مناظرے کی روداد پڑھ رہا تھا جس میں مناظرے کا موضوع جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی یہی عبارت تھی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرکر مٹی میں مل گئے۔" اس مناظرے کے مناظر علمائے اہل سنت کی جانب سے مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشئہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب تھے۔ اور دوسری جانب سے علمائے دیوبند تھے۔ حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب نے فرمایا کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی مذکورہ عبارت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے اس لئے کہ مٹی میں ملنے کا مطلب یہی ہوا یا یہی ہوتا ہے کہ اپنے وجود کو کھو دینا۔ اس پر علمائے دیوبند کی جانب سے ان کے مناظر نے مذکورہ عبارت کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں پر "میں" بہ معنی "سے" اس لئے جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت کا وہ مطلب نہیں ہوا جو آپ نے فرمایا۔ بات یہاں آکر کافی الجھ گئی علمائے اہلسنت کا کہنا تھا کہ یہاں تشریح و توضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت واضح ہے مگر علمائے دیوبند بضد تھے کہ نہیں یہاں "میں" بہ معنی "سے" ہی ہے۔ حضرت شیر بیشئہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب نے ہر طرح سے علمائے دیوبند کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہر جواب کے جواب میں یہی کہتے کہ مولانا یہاں "میں" بہ معنی "سے" ہی ہے۔ انتظامیہ اور عوام بھی اس "میں" اور "سے" کی گفتگو سے عاجز آچکی تھی مجمع سے آواز آئی آپ حضرات کام کی بات کیجئے اور اس "میں" اور "سے" کی گفتگو کو چھوڑیئے وقت نہ برباد کیجئے۔ مناظر اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب نے جب دیکھا کہ اس طرح بات نہیں بننے والی ہے اور یہ ضدی علمائے دیوبند حق کو اتنی آسانی سے قبول کرنے والے نہیں۔ تو وہ انتظامیہ اور مجمع سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی ابھی اس مناظرے کا فیصلہ کردوں سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ مولانا جلدی کیجئے۔ مناظرے اہل سنت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے بات بخوبی آپ لوگوں کی سمجھ میں آجائے گی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی مذکورہ عبارت ہمارے آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے۔ لیکن علمائے دیوبند اس کی توضیح "سے" سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ عبارت میں کوئی گستاخی کا پہلو نہیں ہے تو میں ایک مثال دیتا ہوں اور آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ بتایئے اس

عبارت میں آپ گستاخی کا پہلو اپنے لئے مانتے ہیں
کہ نہیں اور پھر فکر رضا سے کام لیتے ہوئے اسی
مثال کو مناظر اہل سنت نے اختیار فرمایا جس کا ذکر
تکملہ میں ہے۔ فرمایا کہ حضرات! علمائے دیوبند کا
کہنا ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی کی عبارت میں
"میں" بہ معنی "سے" ہے اور ہمارا یہ کہنا ہے کہ
رشید احمد گنگوہی کی عبارت کی توضیح کی ضرورت
نہیں ہے۔ بلکہ وہ کفریہ عبارت ہے۔ اور پھر فرمایا
کہ آپ لوگ رشید احمد صاحب کی عبارت کا
مفہوم اس مثال کے ذریعے سمجھیں۔ یہ دیکھئے
میرے ہاتھ میں کیا ہے پہلے مجمع سے پوچھا اور پھر
علمائے دیوبند سے پوچھا سب نے کہا آپ کے ہاتھ
میں لاٹھی ہے۔ اس پر مولانا حشمت علی خاں
صاحب نے فرمایا کہ حضرات اگر میں اپنی اس
لاٹھی کو مناظر دیوبند کے پاس بطور امانت رکھ دوں
اور بالفرض مناظر دیوبند سے یہ لاٹھی کہیں گم
ہوجائے تو آپ لوگ کیا کہیں گے سب نے یک
زبان ہوکر کہا کہ یہی کہا جائے گا کہ مولانا حشمت
علی خاں صاحب کی لاٹھی مناظرے دیوبند سے کہیں
گم ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ نہیں
حضرات اگر میں اس عبارت کی توضیح کرکے اس
طرح کہوں کہ میری لاٹھی مولانا سے گم نہیں بلکہ
مولانا میں گم ہوگئی تو آپ لوگ کیا سمجھیں گے اسپر
مجمع نے قہقہ لگایا اور مناظر دیوبند نے کہا حضرات
دیکھئے مناظر اہل سنت ہم کو گالی دے رہے ہیں۔
اس پر شبیر شبیہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں
صاحب نے تڑپ کر اور گرج کر فرمایا کہ حضرات
جس چیز کو یہ اپنے لئے گالی مان رہے ہیں ہم اسی
بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ رشید احمد گنگوہی کی
مذکورہ عبارت ہمارے سرکار کی شان میں گستاخی
ہے اس بات کو وہ کسی بھی طرح ماننے کے لئے
تیار ہی نہیں تھے اور اس کی تشریح و توضیح کررہے
تھے آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی عزت و عصمت سے بڑھ کر علمائے
دیوبند کی عزت و عصمت ہے۔ سارے مجمع نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں تڑپ کر
فرمایا ہرگز نہیں اور پھر حق و باطل کا فیصلہ ہوگیا۔

پورے عالم اسلام کے لئے حضرت رضا
بریلوی کا ایک ایک قول لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا
ہے۔ اگر حضرت رضا بریلوی کی ایک مثال یا ایک
قول سے مناظرے کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ تو اگر ان
کے سینکڑوں یا ہزاروں اقوال جو ان کی کتابوں میں
جلوہ افروز ہیں اگر آج ہم ان کو اپنالیں پھر تو
اسلام کا ہی بول بالا ہو۔ اور اسلام کی عروج و
ارتقاء کے ایسے ایسے راستے ہموار ہوجائیں گے کہ
جن کو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے بالخصوص حضرت
رضا بریلوی کی سیاسی اور اقتصادی افکار کو اپنا کر
بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

غرض کہ حضرت رضا بریلوی نے نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو نہ صرف یہ کہ اپنے آقا و مولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت سرائی اور ان کے شمائل و فضائل کے بیان و ابلاغ میں بروئے کار لائے بلکہ جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا، حضرت رضا نے دشمنان رسول اور شاتمان حبیب خدا کی بدگویوں اور گستاخیوں کا مجاہدانہ شان سے رد کیا اور شاندار اور پرشکوہ انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر اور عصمت و عظمت کے دفاع کا فریضہ ادا کر کے اللہ جل جلالہ کے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکتوں سے بھی مستفیض ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کی تھی کہ :

"اے میرے رب تو روح القدس سے حسان کی مدد فرما اس لئے کہ یہ میرے دشمنوں اور بدگیوں سے میرا دفاع کرتا ہے۔"

امام احمد رضا نے "گستاخان رسول" کو "سب سے مضر تر" قرار دیکر اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے، ان کا یہ شعر قیامت تک دشمنان رسول کے لئے للکار بن کر ان کے ہوش و خرد پر شب خون مارتا رہے گا

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

کتابیات

۱۔ انتخاب حدائق بخشش۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سرہند پبلی کیشنز کراچی صفحہ نمبر ۲۸۱۔

۲۔ انتخاب حدائق بخشش۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سرہند پبلی کیشنز کراچی صفحہ نمبر ۲۹۳۔

۳۔ اوج نعت نمبر جلد اول شاہدرہ کالج لاہور صفحہ نمبر ۴۳۰۔

۴۔ اوج نعت نمبر جلد دوم شاہدرہ کالج لاہور صفحہ نمبر ۵۵۔

۵۔ اوج نعت نمبر جلد دوم شاہدرہ کالج لاہور صفحہ نمبر ۸۰۔

۶۔ اوج نعت نمبر جلد دوم شاہدرہ کالج لاہور صفحہ نمبر ۲۲۹۔ ۲۳۰۔

۷۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد بستوی غیر مطبوعہ صفحہ نمبر ۴۶۔ ۴۷۔

۸۔ عربی میں نعتیہ کلام ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی ۔ مکتبہ السلام لکھنؤ صفحہ نمبر ۷۷۔

۹۔ مدارج النبوت جلد دوم (اردو ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ادبی دنیا دہلی صفحہ نمبر ۱۰۰۸۔

۱۰۔ اردو میں نعت گوئی۔ ڈاکٹر ریاض مجید۔ اقبال اکادمی لاہور صفحہ نمبر ۱۲۔ ۱۳۔

۱۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا قادری بریلوی، قادری بک ڈپو

بریلی صفحہ نمبر۲۸۔
۱۲۔ انوار رضا۔ تحفہ حنیفہ لاہور صفحہ نمبر۶۰۶' (ضیاء القرآن پبلیکیشن' لاہور' صفحہ نمبر۶۳۶)
۱۳۔ جہان رضا شمارہ جون جولائی ۱۹۹۷ء مرکزی مجلس رضا لاہور صفحہ نمبر۳۸۔۳۹۔
۱۴۔ الاستمداد۔ حضرت رضا بریلوی' قادری بک ڈپو بریلی۲۹۔
۱۵۔ ایضا" صفحہ نمبر۳۰۔
۱۶۔ ایضا" صفحہ نمبر۳۷۔
۱۷۔ ایضا" صفحہ نمبر۳۸۔
۱۸۔ نقوش رسول نمبر جلد دھم۔ ادارہ فروغ اردو لاہور صفحہ نمبر۴۸۔
۱۹۔ الاستمداد۔ حضرت رضا بریلوی۔ قادر بک ڈپو بریلی صفحہ نمبر ۳۹۔
۲۰۔ ایضا" صفحہ نمبر۳۹۔
۲۱۔ ایضا" صفحہ نمبر۴۰۔
۲۲۔ ایضا" صفحہ نمبر۴۳۔
۲۳۔ ایضا" صفحہ نمبر۴۴۔
۲۴۔ ایضا" صفحہ نمبر۴۸۔
۲۵۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۱۔
۲۶۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۱۔
۲۷۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۳۔
۲۸۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۴۔
۲۹۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۷۔
۳۰۔ ایضا" صفحہ نمبر۵۸۔
۳۱۔ ایضا" صفحہ نمبر۶۰۔
۳۲۔ ایضا" صفحہ نمبر ۶۱۔
۳۳۔ ایضا" صفحہ نمبر۶۲۔
۳۴۔ ایضا" صفحہ نمبر ۶۵۔
۳۵۔ ایضا" صفحہ نمبر۶۹۔
۳۶۔ ایضا" صفحہ نمبر۷۶۔
۳۷۔ ایضا" صفحہ نمبر۷۷۔
۳۸۔ ایضا" صفحہ نمبر۷۹۔
۳۹۔ ایضا" صفحہ نمبر۸۱۔
۴۰۔ الاستمداد۔ حضرت رضا بریلوی' قادری بک ڈپو بریلی' صفحہ نمبر۸۴۔
۴۱۔ ایضا" صفحہ نمبر۸۵۔
۴۲۔ ایضا" صفحہ نمبر۱۶۱۔
۴۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق۔ سندھ اردو اکیڈمی کراچی صفحہ نمبر۳۸۰۔

امام احمد رضا اور منقبت نگاری

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بریلی، انڈیا)

نعت کی طرح منقبت بھی اسلامی ادب میں شمار ہوتا ہے جس کا تعلق دینی احساس اور عقیدت مندی سے ہے۔ ایسے اشعار جن میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، اولیائے عظام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار اور ازواج مطہرات وغیرہ کی تعریف کی گئی ہو منقبت کہلاتے ہیں۔

"نعت" کی طرح "منقبت" بھی ایک موضوع ہے جسے کسی بھی صنف، فارم یا تکنیک میں لکھا جاسکتا ہے۔ نعت کے بعد ہی "منقبت" کا آغاز ہوگیا تھا۔ صوفیائے کرام نے حمد و نعت کے بعد اہل بیت کرام اصحاب رسول اور اپنے پیروں اور دوسرے بزرگان دین کی مدح میں بھی اشعار کہے۔ صوفیوں کی جکریوں میں منقبتیہ اشعار ملتے ہیں اور یہیں سے منقبت کی ابتدا کا ثبوت ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی (۱) نے جکری کی تشریح کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے۔

(۵) میرانجی شمس العشاق (۲) (م ۹۰۵ھ)، شاہ علی جیوگام دھنی (۳) (م ۹۷۳ھ)، غواصی (۴) (م ۱۰۶۰ھ)، ملا وجہی (۵) (م ۱۰۷۰ھ)، ولی دکنی (۶) (۱۱۵۵ھ)، اور دوسرے شعرائے دکن (جنوبی ہند) کے ہاں منقبتیہ اشعار ملتے ہیں۔

جنوبی ہند کی طرح شمالی ہند میں بھی اردو کی ابتدائی نشونما صوفیائے کرام ہی کی رہین منت ہے۔ غلام قادر شاہ، امام بخش قادری، شیخ جیونی اور دوسرے شعراء کے ہاں مولا علی، سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور حضور غوث اعظم، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش (رضی اللہ عنہم اجمعین) نیز دوسرے بزرگوں کی منقبت کے اشعار ملتے ہیں۔

مرزا محمد رفیع سودا، غلام ہمدانی مصحفی، مومن، شاہ نیاز بریلوی، شہیدی، شہید، کافی، مراد آبادی، لطف بریلوی، حسرت، اقبال، حفیظ جالندھری، جمیل بریلوی وغیرہ نے منقبتیں کہی ہیں۔ خاندان رضا کے شعراء۔ (مولانا حسن رضا خان) حسن بریلوی (مولانا حامد رضا خان) حامد بریلوی، (مولانا مصطفیٰ رضا خان) نوری بریلوی وغیرہ نے بھی مناقب کہے ہیں۔

عصر حاضر میں بھی نعت کی طرح منقبت کہنے کا رواج نہ صرف برقرار ہے بلکہ فروغ پذیر ہے۔

امام احمد رضا کی منقبت گوئی

امام احمد رضا فاضل بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کے دیوان "حدائق بخشش" ہر سہ حصص میں بالالتزام لکھے گئے مناقب کے علاوہ چند نعتوں میں بھی منقبت کے اشعار شامل ہیں۔

مثلاً " منقبت صدیق اکبر، فاروق اعظم، سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ، سیدنا غوث اعظم، سیدنا ابوالحسین احمد نوری اور علامہ عبدالقادر بدایونی (رضی اللہ عنہم ورضی اللہ عنہن) وغیرہم

امام احمد رضا نے قصیدہ، غزل اور مثنوی کی صنف اور ہیئت میں منقبتیں کہی ہیں۔ غوث اعظم، کے مناقب کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

امام احمد رضا کے مشہور زمانہ سلام۔ " مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام" میں حضرت حمزہ، سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین، ازواج مطہرات بالخصوص سیدہ خدیجہ و سیدہ عائشہ، اصحاب و اہل بیت، سیدنا صدیق اکبر، فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، سیدنا مولا علی، امام اعظم، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام شافعی، سیدنا غوث اعظم، سیدنا برکت اللہ مارہروی، سیدنا نوری میاں مارہروی (رضی اللہ عنہم ورضی اللہ عنہن) کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ ہر ہر شعر ممدوحین کی عظمت اور ان سے امام احمد رضا کی عقیدت کا آئینہ دار ہے نیز ان اشعار میں فصاحت و بلاغت کے حسن کے علاوہ امام احمد رضا کی معنی آفرین، ترکیب سازی اور شادابی استعارہ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا نے دوسری نعتوں میں شامل منقبتیہ اشعار اور دوسرے نعتیہ اشعار میں بھی ممدوحین کی مدح سرائی کا حق ادا کردیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے :

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردار دو جہاں
اے مرتضیٰ عتیق و عمر کو خبر نہ ہو

---O---

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثمان و حیدر ہر اک اس کی شاخ

---O---

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

---O---

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرہ ہے کا جس میں حسین اور حسن پھول

---O---

ایک سینہ تک مشابہہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا

---O---

زباں پہ کانٹے ہیں شاہ کوثر ان آفتوں سے چھڑا دو ہم کو
حسین کی پیاس کا تصدق ذرا سا پانی پلادو ہم کو

---O---

راکب دوش نبی زیب کنار زہرا
بوئے گلزار علی باغ و بہار زہرا

---O---

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

---O---

آل احمد خذبیدی یا سید حمزہ کن مددی
وقت خزاں عمر رضا ہو برگ ہدیٰ سے نہ عاری شاخ

---O---

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

ایک رباعی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے ساتھ ساتھ حسنین کریمن کی مدح کے جلوے دیکھئے۔

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

امام احمد رضا نے سلسلہ قادریہ پر برکاتیہ کا جو منظوم شجرہ رقم فرمایا ہے اس میں بھی جو اشعار مولا علی سے مرشد امام احمد رضا۔ سیدنا آل رسول احمدی (رضی اللہ عنہم) تک موجود ہیں۔ عقیدت و عقیدہ کے اظہار کے ساتھ ساتھ منقبت نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ہر ہر شعر سے الگ الگ ممدوح کی عظمت شان کا خوبصورت اظہار ہوتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
کربلائیں رد شہید کربلا کے واسطے
سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علم حق دے باقر علم ہدیٰ کے واسطے
صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدر عبدالقادر قدرت نما کے واسطے
دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے
نور جان و نور ایماں نور قبر و حشر دے
بوالحسین احمد نوری لقا کے واسطے

مدح مولائے کائنات

امام احمد رضا نے مولائے کائنات سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی مدح میں الگ الگ زمینوں میں پانچ اشعار کہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

تشنہ لب تردامنو مژدہ کہ ہیں
ساقی نہر لبن مولٰی علی
باغبان اللہ گلبن مصطفٰی
عندلیب نغمہ زن مولٰی علی

---○---

علی مرتضٰی تو ہے وصی مصطفٰی تو ہے
مرا حاجت روا مشکل کشا تو ہے

---○---

علی امام، علی ملتجیٰ، علی مولٰی
سقر میں جائے جو چھوڑے شہا ترا دامن

---○---

عجب مذاق ہے شیعی پکڑنے دوڑتے ہیں
علی کو چھوڑ کے استاد و شیخ کا دامن

مندرجہ بالا اشعار میں امام احمد رضا نے بڑے خوب صورت استعارے استعمال کئے ہیں اور ان سے مولائے کائنات کے لئے نفیس القاب تراشے ہیں اور ترکیب سازی کا جلوہ بھی دکھایا ہے۔ یہ انداز سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے امام احمد رضا کی بے پایاں عقیدت و محبت کا آئینہ دار ہے۔

"ساقی نہرلبن، باغبان اللہ، گلبن مصطفٰی، عندلیب نغمہ زن" وغیرہ کہنے میں ندرت بھی ہے اور اظہار محبت و عقیدت بھی۔

اب ان مناقب کو دیکھئے جنہیں امام احمد رضا نے بالالتزام قصیدہ اور غزل کی صنف و ہیئت میں لکھا ہے :

۱۔ قصیدہ کی صنف میں : (۱) مدح سرکار صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ (۲) مدح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ (۳) مدح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲۔ غزل کی صنف و ہیئت میں : (۱) مدح سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا، ۲ عدد (۲) مدح غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، ۹ عدد (۳) مدح نوری رحمتہ اللہ علیہ، ۲ عدد (۴) مدح تاج الفحول رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ، ا عدد

۳۔ نظم میں : مدح غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، ا عدد

نوٹ : پوربی زبان والی منقبت غوث اعظم۔ "تورے دیکھن کو ترسے جیرایا عبدالقادر جیلانی" کو اس جائزے میں شامل نہیں کیا جارہا ہے کیونکہ یہ بات متحقق نہیں کہ یہ رضا بریلوی کا کلام ہے یا کسی اور کا۔ ٹھیک ایک ایسی ہی منقبت غوث چند

لفظوں اور شعروں کے فرق کے ساتھ اسی زمین میں رسالہ "تحفہ حنفیہ" پٹنہ (مدیر قاضی عبدالوحید صاحب مرید امام احمد رضا) جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۹ بابت ماہ رمضان ۱۳۲۱ھ میں مولود خواں محمد رضا خاں سندیلوی کے نام سے بعنوان "غزل محمد رضا صاحب سندیلوی مولود خوان" شائع ہوئی ہے جو ۱۱ اشعار پر مشتمل ہے اور امام احمد رضا سے منسوب منقبت مشمولہ حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ نمبر۷۰ تا ۷۱، ۱۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس پر راقم نے ایک دوسرے مقالے میں بحث کی ہے۔ یہاں زیادہ کچھ کہنے کا موقع نہیں!

مدحیہ قصائد

۱۔ قصیدہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عنوان ہے "در مدح امیر المومنین خلیفۃ المسلمین امام المشاہدین ارحم الامتہ للمومنین وللرسول صاحب و رفیق، افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ" (حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ نمبر۳۵-۳۶)

یہ قصیدہ نامکمل ہے۔ صرف پندرہ اشعار موجود ہیں۔ مطلع فارسی میں ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے بھی ہیں۔ ان کے حاسدین کے لئے امام احمد رضا نے بددعا بھی کی ہے اور ہر مسلمان سے ان کا بن کر رہنے کی تلقین بھی۔ اس قصیدہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس سخاوت کا ذکر بھی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیب دلانے پر انہوں نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ رضائے الٰہی اور رضائے رسالت پناہی میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر کردیا تھا۔

اہل بیت نبوت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور احترام نیز اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت اور ادب بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ شعر دیکھئے ؎

یہ اہل بیت کے واصف وہ ان کے مدح طراز
یہ ان پہ جان سے قرباں وہ ان پہ دل سے نثار

مندرجہ ذیل شعر بھی ملاحظہ کیجئے۔ کس طرح امام احمد رضا نے عظمت صدیقی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنے اور ان کے آقا۔ سرکاروں کے سرکار، سرکار ابد قرار سے عشق کا والہانہ اظہار بھی کیا ہے ؎

نہ چھوڑا بعد فنا بھی نبی کے قدموں کو
اٹھیں گے دست بدست جناب روز شمار

زیر نظر قصیدہ عقیدہ و عقیدت کا مظہر اور مسلمانوں کے عقائد کے تحفظ کا ضامن ہے۔

مدح فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عنوان ہے۔ "در مدح حضور پرنور امیر

المومنین خلیفتہ المسلمین غیظ المنافقین امام المجاہدین عز الاسلام والمسلمین اعدل الاصحاب واشدھم فی اللہ سیدنا عمرالفاروق الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔" تاریخی نام۔ "فضائل فاروقی" ہے۔ (حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ نمبر۱۸ تا ۳۸)

موجودہ حالت میں اشعار کی تعداد ۲۱۷ ہے۔ مطلع اور اشعار تشبیب غائب ہیں۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے ۔

عمر وہ عمر جس کی عمر گرامی
ہوئی صرف ارضائے خلاق واہب

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدح یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ گریز بھی نہیں ہے۔ یہ قصیدہ مشکل اور عیسرالفہم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی بحر مترنم ہے اور اس میں گھلاوٹ ہے۔

زیر نظر قصیدے میں میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت' عدل و انصاف' مساوات' نظام حکومت اور صلاحیت حکومت و انداز حکومت' شجاعت اور ان کے عہد خلافت کے فتوحات اور اسلامی شان و شوکت کا بہت ہی بلند آہنگ بیان ہے ۔

عمر راحت روح شرع الٰہی
عمر آفت جان ادیان کاذب
ترے عہد میں کون ہے پاشکستہ
نہیں حرف آخر پہ کسرہ مناسب

جو عامل کرے جر زر وہ بھی اب تو
ترے عدل کا شہرہ سن کر ہے غائب
یہ ارشاد بھی ہے کہ قرآن میں داخل
جناب عمر کے ہیں آرائے ثاقب
عمر تجھ پہ قربان جان فضائل
عمر تجھ پہ صدقے علو مراتب
بڑھے جھومتے کالی وردی کے بادل
چھپی بادلہ پوش فوج کواکب
ہوئی کالے گورے کی پلٹن میں بدلی
کہ بدلی کے آتے ہی تارے تھے غائب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار' گھوڑے نیز ان کے درگاہ کے سگ کی' تعریف بھی مدح میں شامل ہیں ۔

چمک کر کہے زر ہوں کے چھیڑنے کو
عجب قصہ باز و دار عناکب
گرج کے بگل میں وہ پیاری صدائیں
کہ نصر من اللہ و فتح مقارب

بدمذہبوں کی ہجو اور ذم بھی اس قصیدے میں ہے ۔

علی سے محبت عمر سے عداوت
کہیں بھی ہوئے جمع نور و غواہب
روافض پہ واللہ قہر علی ہے
خوارج پہ فاروق اعظم مصائب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آل و

اصحاب کی منقبت کے اشعار بھی شامل ہیں ۔

نظر مجھ پہ دین کرم میں ہے واجب
میں خادم تو آقا میں بندہ تو صاحب
خصوصاً ابوبکر و فاروق و عثماں
علی چار انہار باغ مناقب
تری آل آلائے والا کی والی
صحابہ سحاب حباب مواہب

امام نے جدید طرز میں عجیب و غریب دعا کی ہے ۔

الٰہی پھلیں پھولیں اعداء مگر یوں
کہ خارش میں جس طرح جسم اکالب
وہ دودھوں نہائیں مگر یوں کہ جیسے
سفیدی دیدہ بہے تا عواقب

اس قصیدے کی عسیر الفہمی' مشکل الفاظ کے استعمال وغیرہ کے سلسلے میں جناب رضا بریلوی کہتے ہیں ۔

سبب ہی کچھ ایسے پڑے آکے ورنہ
لغت اتنے بھرنے بھی کیا تھے مناسب
جناب قوافی کی کچھ تو عنایت
ادھر کچھ تقاضائے علمی بھی غالب

اب قصیدے کے فنی تقاضے کا ذکر ملاحظہ کیجئے ۔

زبان زنان تو غزل مانگتی ہے
قصائد ہیں اغلاق علمی کے طالب

ادبی انانیت کے حوالے سے شاعر کی انانیت بھی ملاحظہ کیجئے ۔

اور ایسے تو بھاری لغت بھی نہیں ہیں
کہ کامل کو ہوں سنگ راہ مطالب

یہ قصیدہ تمام تر ادبی و فنی محاسن اور علمی اوصاف سے مزین ہے۔ الفاظ کا شکوہ' صوتی آہنگ' گھلاوٹ' حسین تراکیب' نادرہ کار تشبیہات و استعارات' لفظی و معنوی صنعتوں بالخصوص تلمیحات' **تلمیعات**' اقتباسات وغیرہ کے سارے جلوے اس قصیدے میں عیاں ہیں۔

اطائب' خارب' معاقب' مکاسب' ناصب' متاعب' حاصب' ترائب' مارب' کواعب' ثعالب' اکالب وغیرہ جیسے قوافی پیش کرنا رضا ہی کی قادر الکلامی کو زیب دیتا ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں!

عربی و فارسی الفاظ کو اردو کے ساتھ ساتھ رضا نے اس طرح ضم کیا ہے کہ انہیں اردو ہی کا ایک حصہ بنادیا ہے اور کہیں بھی کسی طرح کی اجنبیت یا ثقالت کا احساس نہیں ہوتا۔

قصیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اس قصیدہ کے اشعار کی ترتیب میں احتیاط نہیں برتی گئی اور اشعار تشبیب اشعار مدح سے اس طرح ضم ہوگئے کہ مخالفین کو رضا پر توہین ام

المومنین کے جھوٹے الزام تراشی کا موقع ملا۔ ضرورت اس بات کی تھی اس وقت ادبی طور پر مناظرہ کرکے مخالفین کا منہ بند کردیا جاتا حالانکہ اس زمانے میں بمبئی کے کچھ دانش وروں نے اس سلسلے میں مذاکرہ بھی کیا تھا اور اسے رضا کا شاہکار قصیدہ کہا تھا۔ اس مذاکرہ کی روائداد اور ادبی بحث کی فائل کا پتہ لگ گیا ہے۔ انشاء اللہ راقم جلد ہی اسے حاصل کرکے پیش کرے گا۔ اس سلسلے میں ضرورت ہے ایک "انڈو پاک سیمینار" کی جس میں کچھ غیر مسلم ناقدین بھی ہوں اور دوسرے فرقہ کے غیر جانب دار ادیب اور نقاد بھی ہوں تاکہ ادبی حیثیت سے رضا کی صفائی ہوجائے یا حدائق بخشش کے مرتب کی برات!

مدح حضور رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کی ابتدا بھی بہاریہ عشقیہ ہے جس میں (تشبیب میں) جاہلیہ دور کے قصائد کی طرح محبوبہ (سعاد) کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔

بہرکیف اس سلسلے میں زیادہ گفتگو نہ کرکے صرف ان اشعار کا جائزہ پیش کیا جائے گا جنہیں علماء نے درست مانا ہے۔

یہ قصیدہ بہت ہی شگفتہ اور رواں دواں ہے۔ مطلع بہت ہی زور دار ہے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ کسی اہم تر اور پاکیزہ ہستی کی مدح و توصیف کا سماں باندھا جارہا ہے۔

آج فردوس میں کس کان حیا کا ہے گزر
حکم ہے سبزہ بیگانہ کو باہر باہر

تشبیب کے مزید اشعار دیکھئے جن میں حسن تعلیل اور محاکات کے حسین جلوے بکھرے ہوئے ہیں۔

نہ اٹھے آنکھ رہے اپنی طرف آج نگاہ
ہے یہ خود بینی خدا بینی کی جانب مخبر
تھیں جو بے پردہ عنادل میں عروسان چمن
شرم سے لیتی ہیں دامان حیا اب منہ پر
چلمنیں چھوڑ دو پلکوں کی چکیں ڈال دو جلد
کہہ دو مردم کو کہ دامان نگہ لیں منہ پر
نیل ڈھل جائے گا آنکھوں کا فلک یاد رہے
وا اگر یوں رہی آج بھی چشم اختر
یہ بنا تخت زمرد وہ بنا افسر لعل
واہ کیا سبزہ وگل نے ہیں دکھائے جوہر

مندرجہ بالا اشعار امام احمد رضا کی قوت متخیلہ کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

مدح کے اشعار میں امام احمد رضا نے قران و حدیث کے مضامین کو بڑی خوبصورتی سے سمویا ہے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل، عظمت و رفعت اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت کا بہت ہی حسین، مودبانہ اور والہانہ اظہار کیا ہے۔

حور رویت کے لئے شوق سے آنکھیں دھولیں
اسی سرکار کی مملوک ہے حوض کوثر
ہیں کہاں مالنیں سرکار کی' عفت حرمت
کہہ دو مجرے کو بڑھیں پھولوں کا گہنا لے کر
باغ تطہیر کی کلیوں سے بنائیں کنگن
آیہ نور کا ماتھے پہ منور جھومر
یا حمیرا کے تن پاک کا گلگوں جوڑا
کلمنی کے در آویزہ گوش اطہر
بس کہ جز حضرت شہ دل میں نہیں اور کی جا
شاہزادوں سے بھی خالی ہے کنار اطہر

اس شعر میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی کیسی نفیس و لطیف توجیہہ پیش کی ہے ۔

سورہ نور نے کالے کئے منہ اعداء کے
لعنتہ اللہ علی کل شقی اکفر
کوئی خاتون تری طرح کہاں سے لائے
باپ صدیق سا اور ختم رسل سا شوہر
تیرے جلوے سے رہی مسند اقتاء روشن
عہد صدیق سے تا دور جناب حیدر

زیر نظر قصیدہ اپنی شگفتگی و روانی۔ ترنم اور گھلاوٹ' تمام ترفنی اور ادبی محاسن سے پر ہے۔

مدح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حدائق بخشش حصہ سوم میں سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں ۵' ۶ شعر کے دو مناقب ہیں۔ ایک کی بابت تو یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ اشعار قصیدہ نور کے ہیں جو سرکار فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح میں تھے اور چھپنے سے رہ گئے تھے۔ اشعار حسب ذیل ہیں ۔

نور بنت نور و زوج نور و ام نور و نور
نور مطلق کی کنیز اللہ دے پہنا نور کا
بادلے کی اوڑھنی ہے تار باران درود
گو کھرو کی چٹکی بنت لچکا مسالہ نور کا
تابش عقد انامل سے ہیں چھلے پور پور
ہے علی بند اس کف انور میں سبحہ نور کا
مجھ کو کیا منہ عرض کا لیکن ملائک یوں کہیں
شاہزادی درپہ حاضر ہے یہ منگتا نور کا
کہہ دو فضہ دیدیں سونے کا نوالہ نور کا
اپنے بچوں کا تصدق دے دو صدقہ نور کا

مندرجہ بالا اشعار میں گو رعایت لفظی و صنعت گری ہے لیکن اس صنعت گری میں تخلیق کا رنگ جھلک رہا ہے' "علی بندہ" کی ترکیب میں کیسی ندرت ہے؟ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پردہ داری' عفت و سخاوت نیز اختیار کا حقیقت افروز بیان ہے۔

سیدہ سرکار خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی منقبت کے بقیہ پانچ اشعار اس طرح ہیں ۔

جناب سرور عالم کی پیاری پیاری بتول

ستیر، پاک، جگر پارہ رسول
ادب سے نام زباں پر مرے نہیں آتا
بدن پر کیفیت رعشہ ہے. خدا ہے گواہ
جو ان کا نام ہے سنا زہرہ سربلندی چھوڑ
بنی ستادہ بپا ہوکے باندی درگاہ
جو مہر کرکے پھرایاں طواف لاثانی
قدم سے ماہ گرا دل سے کھنچ کر اک آہ
انہیں کے دامن اقدس کا صدقہ میرے رسول
انہیں کی چادر عفت کے واسطے یا شاہ

ان اشعار میں بھی سرکار خاتون جنت کی عظمت و تقدیس کا بیان بہت ہی مودبانہ اور نیاز مندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ رعایت لفظی نے اشعار کو پرلطف اور حسین بنادیا ہے۔

مناقب غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدائق بخشش حصہ سوم میں امام احمد رضا نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک سراپا نظم کیا ہے۔

مطلع فارسی میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

حمد حق ، نعت نبی ، توصیف غوث
بعد ازاں من طالب تعریف غوث

"بهجته الاسرار" کے حوالے سے یہ نظم کہی ہے جیساکہ لکھتے ہیں۔

حلیہ اقدس کہ عین نور ہے
بہجتہ الاسرار میں مذکور ہے۔

اس منقبت میں سرکار غوث پاک کے جسم، قد، ریش، رنگت، ابرو، چشم، آواز وغیرہ کی تعریف میں اشعار ہیں بعدہ دعا اس طرح۔

یاالٰہی اس سراپا کے لئے
قادریوں پر تری رحمت رہے
یہ رضا اور اس کے احباب اقرباء
سب انہیں میں پائیں رضوان و رضا
ان میں ہوں، ان میں رہیں، ان میں مریں
ان میں اٹھیں، عیش خلد ان میں کریں

حدائق بخشش حصہ سوم میں ۴ اشعار پر مشتمل سیدنا غوث اعظم دستگیر کی ایک منقبت ہے جس کا مطلع اور پہلا شعر فارسی میں ہیں۔ مقطع اس طرح ہے۔

یہ رضا آپ کا ادنی سگ در ہے واللہ
اس پہ ہو لطف و رضا حضرت غوث الثقلین

حدائق بخشش حصہ اول و دوم میں حضور غوث اعظم دستگیر رضی الرب القدیر تعالیٰ عنہ کی مدح میں "تیرا" کی ردیف میں تین غزلیں ہیں۔ پہلی "درمنقبت آقائے اکرم حضور غوث اعظم" کے عنوان سے ہے، اس میں سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان سے عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔

دوسری غزل بعنوان "درحسن مفاخرت از

سرکار قادریت" میں حضور غوث الثقلین کا تفاخر ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسری' "در منافخت اعداء و استعانت از آقا" میں سرکار غوثیت ماب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے دشمنوں کے دفاع میں امداد طلب کی گئی ہے۔

یہ تینوں مناقب فنی اور ادبی اعتبار سے بہت بلند پایہ ہیں۔ ان میں غزل کا بانکپن' قصیدہ کا شکوہ اور مثنوی کی روانی ہے اور سیدنا غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ سے امام احمد رضا کی عقیدت و محبت کی حقیقت افروز کہانی ہے۔

تینوں مناقب سے مشترک چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

۲۔ تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے "خضر" مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

۳۔ قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

۴۔ نبوی مینھ' علوی فصل' بتولی گلشن
حسنی پھول حسینی ہے' مہکنا تیرا

۵۔ تجھ سے در' در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

۶۔ اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

۷۔ میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اشعار ۵' ۶ اور ۷ میں سرکار غوثیت ماب سے ۱۴ ویں صدی کی عظیم مجدد امام احمد رضا کی بے پایاں عقیدت اور ان کی بارگاہ جلیل و جمیل میں خود سپردگی کا منظر ملاحظہ کریں۔

۸۔ تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

۹۔ سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ ترا

۱۰۔ سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف
کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا

۱۱۔ تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار
لائی ہے فصل سمن کوندھ کے سہرا تیرا

۱۲۔ ڈالیاں جھومتی ہیں رقص خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا

۱۳۔ گیت کلیوں کی چٹک' غزلیں ہزاروں کی چہک
باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانہ تیرا

۱۴۔ صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری
شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا

۱۵۔ نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوہ نور
نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا

شعر ۸' ۹' ۱۰ میں سرکار غوثیت ماب کے تفاخر و عظمت کا کیسا سچا اور پیارا اظہار ہے؟ شعر

۱۱ تا ۱۴ میں حسن تعلیل کی بہار اور محاکات کا جلوہ دیکھنے لائق ہے۔

۱۶۔ الاماں قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا

۱۷۔ ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

۱۸۔ باز **اشہب** کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

۱۹۔ حکم نافذ ہے ترا خامہ ترا سیف تری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

۲۰۔ جس کو للکار دے' آتا ہو تو الٹا پھر جائے
جس کو چمکار لے ہر پھر کے وہ تیرا تیرا

۲۱۔ دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر
مطمئن ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلہ تیرا

۲۲۔ اے رضا **چیست** غم ار جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامن خود قبلہ حاجاتے را

مطلع (شعر نمبر۱۶) میں آپ کے عالم جلال و غضب کا ذکر ہے اور اس عالم میں آپ سے جو کرامت صادر ہوئی اس کی طرف ایک نادر اشارہ ہے۔

شعر نمبر ۱۷ میں قرآنی آیات (صنعت اقتباس) کے حسن اور شعر نمبر ۱۸ میں "طوطا اڑنا اور آنکھیں پھیرنا" کے محاوروں کے برمحل استعمال کی لطافت دیکھنے کے لائق ہے۔ شعر نمبر ۱۹ میں اختیار غوث کا کیسا بلیغ اظہار کیا ہے۔ شعر نمبر ۲۰ میں مرضی غوث و اختیار غوث' کا بیان ہے مگر بانداز دگر ان سے اپنائیت اور وابستگی کا اظہار بھی ہے۔

غوث حقیقتاً" غوث ہیں بلکہ غوث اعظم بصدقہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم' اور جس کے سر پر ان کا پلہ ہو اسے گرمئی حشر کی فکر نہیں ہوتی۔ غوث نے تو اپنے غلاموں کو دینا' قبر اور حشر ہر مقام پر حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ شعر نمبر ۲۱ میں ان کے اسی فرمان کی سچائی پر اپنے عقیدہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے مقطع میں اپنی میں خود سپردگی اور اپنے قلب **مطمئنہ** کا بیان ہے۔

ہر ہر شعر عقیدت رضا کی اکائی اور لو دیتی ہوئی شمع ہے۔

حدائق بخشش حصہ اول اور دوم کی چوتھی منقبت "عبدالقادر" کی ردیف میں ہے۔ یہ آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع اس طرح ہے۔

بندہ قادر کا بھی ہے عبدالقادر
سر باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر

اس منقبت میں غوث اعظم کی فقاہت و فتوی نویسی اور شرعی فیصلہ و قضا کے کمال' علم طریقت کے جمال' علم و عرفان و فضل کا جلال' ولایت و کرامت اور اختیار و تصرفات وغیرہ کا حقیقت افروز مگر والہانہ بیان ہے۔ چند اشعار دیکھئے

مفتی شرع بھی ہے قاضی ملت بھی ہے
علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبدالقادر
سلک عرفاں کی ضیاء ہے یہی درمختار
فخر اشباہ و نظائر بھی ہے عبدالقادر
ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

مقطع میں سرکار غوثیت ماب سے والہانہ وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

رشک بلبل ہے رضا لالہ صد داغ بھی ہے
آپ کا واصف و ذاکر بھی ہے عبدالقادر

مقطع نزاکت خیال اور ادبی انانیت کا مظہر ہے۔

"یاغوث" کی ردیف میں ۴ غزلیں ہیں۔ پہلے دو حضور غوث الوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں۔ نمبر ۳ غوث اعظم کی فضیلت اور رد اعداء میں۔ نمبر ۴ سرکار غوثیت ماب سے امداد و استعانت میں۔ طوالت کے پیش نظر چند اشعار بلا تبصرہ پیش کیے جاتے ہیں ۔

۱۔ ترا ذرہ مہ کامل ہے یاغوث
ترا قطرہ یم سائل ہے یاغوث
۲۔ تری جاگیر میں ہے شرق تا غرب
قلمرو میں حرم تا حل ہے یاغوث
۳۔ کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضا تجھ سے ترا سائل ہے یاغوث
۴۔ بدل یا فرد جو کامل ہے یاغوث
ترے ہی در سے مستکمل ہے یاغوث
۵۔ رضا کا خاتمہ بالخیر ہو گا
تری رحمت اگر شامل ہے یاغوث

مندرجہ بالا چاروں مناسب خارجی اور داخلی خوبیوں اور ادبی و فنی محاسن سے آراستہ ہیں۔ ہر ہر شعر سیدنا غوث اعظم کی عقیدت و محبت، ادب و احترام کا مہکتا ہو پھول ہے۔

مدح نوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے اپنے مرشد زادے سیدنا ابوالحسین احمد نوری ماہروی نور اللہ مرقدہ کے دو مناقب، ایک حدائق بخشش حصہ دوم میں اور ایک حصہ سوم میں ہیں۔

حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمتہ و الرضوان کی ولادت ۱۹ر شوال ۱۲۵۵ھ مطابق ۲۶ر دسمبر ۱۸۳۹ء کو ہوئی اور وصال ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۲۴ھ ۳۱ر اگست ۱۹۰۶ء کو ہوا۔

حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری میاں حضور امام احمد رضا کے مرشد برحق حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی ماہروی قدس سرہ العزیز کے پوتے یعنی ان کے خلف اکبر حضرت سیدنا شاہ

ظہور حسن صاحب علیہ الرحمتہ والرضوان (م ۱۲۶۶ھ) کے فرزند ارجمند ہیں۔ امام احمد رضا کو حضرت نوری رحمتہ الباری سے اجازت و خلافت اور تلمذ کا بھی شرف حاصل ہے۔ امام احمد رضا کو آپ سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔

امام احمد رضا نے حضرت نوری میاں کی پہلی منقبت ان کی مسند نشینی کے موقع پر (۱۲۹۸ھ) میں کہی تھی جو ۲۳ اشعار پر مشتمل ہے اور ردیف ہے۔ "ابوالحسین"۔

دوسری منقبت بعنوان تاریخی "مشرقستان قدس" ۱۳۱۵ھ میں لکھی جو ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ ردیف ہے۔ "احمد نوری۔"

پہلی منقبت کا مطلع ہے ۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

بحر بہت ہی مترنم ہے۔ مطلع ہی اس قدر بلند آہنگ ہے کہ صرف اسی سے نوری میاں کی عظمت و بزرگی کا احساس ہوجاتا ہے اور اس احساس سے امام احمد رضا کے احساس کی پاکیزگی اور آداب القاب کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

زیر نظر منقبت میں امام احمد رضا نے حضور احمد نوری علیہ الرحمہ کی ریش مبارک، کرم و سخاوت، فیض و برکت، خاندانی سلسلہ، تقدیس و نورانیت وغیرہ کا والہانہ بیان کیا ہے۔

چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

۱۔ خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں
کہ صبح نور بار ہے شام ابوالحسن
۲۔ ساقی سنادے شیشہ بغداد کی ٹپک
مہکی ہے بوئے گل سے مدام ابوالحسین
۳۔ جس نخل پاک میں ہیں چھیالیس ڈالیاں
اک شاخ ان میں سے ہے منام ابوالحسین
۴۔ میلہ لگا ہے شان مسیحا کی دید ہے
مردے جلا رہا ہے خرام ابوالحسین
۵۔ ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی
گرجوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

ہر شعر پیکر تراشی، اپنے ممدوح سے شیفتگی کا اظہار اور نازک خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اشعار میں صنعت تضاد، حسن تعلیل تلمیح کے برملا استعمال نے جو حسن پیدا کیا ہے اس سے اہل ذوق لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مقطع میں جناب رضا حضرت ابوالحسین کے اجداد کرام کی غلامی پر ناز کرتے ہیں ۔

ہاں طالع رضا تری اللہ رے یاوری
اے بندہ جدود کرام ابوالحسین

منقبت نوری نمبر ۲ (مشرقستان قدس) :

زیر نظر منقبت ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے ۔

ماہ سیما ہے احمد نوری

مہر جلوہ ہے احمد نوری
نور والا ہے احمد نوری
نور والا ہے احمد نوری
نور سینا ہے احمد نوری
طور سینا ہے احمد نوری

مطلع کس قدر خوب صورت اور مترنم ہے۔ پہلے شعر میں نور والا اور نور والا میں صفت **تجنیس** کی بہار لائق دید ہے۔

زیر نظر منقبت میں حضرت نوری رحمتہ اللہ علیہ کے علم و فضل و بزرگی و عظمت، عبادت و ریاضت، حسن صورت و سیرت، خاندانی شجرہ طریقت اور دوسرے فضل و کمال، تبلیغ دین وغیرہ کا بیان کر کے ممدوح کی غلامی و نیاز مندی پر فخر و مباہات کا نہایت والہانہ اظہار ہے۔

دونوں "مناقب نوری" رضا کی زبان و بیان کی شگفتگی اور شعری استعداد نیز ممدوح سے بے پایاں محبت و عقیدت کے آئینہ دار ہیں۔

مدح تاج الفحول رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

تاج **المفحول** حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ) ابن حضرت علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ ھ) رحمتہ اللہ علیہا کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ امام احمد رضا اور ان کے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہم کو بیعت کرانے کے لئے یہی مارہرہ مطہرہ لے گئے تھے۔ امام رضا کو ان سے زبردست عقیدت و محبت تھی۔

زیر نظر منقبت کا تاریخی نام "چراغ انس" (۱۳۱۵ھ) ہے جو ۱۰۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ ردیف "محب رسول"۔ حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی قدس اللہ سرہ العزیز کے دو القاب "تاج **الفحول**" اور "محب رسول" بہت مشہور ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے انہیں محب رسول کہہ کر ان کی عظمت اور ان کے فنافی الرسول ہونے کا اظہار کیا ہے اور اعتراف بھی!

مطلع اس طرح ہے ۔

اے امام الہدیٰ اے محب رسول
دین کے مقتدا محب رسول

امام الہدیٰ کہہ کر تاج **الفحول** کی فضیلت اور بزرگی واضح کیا ہے۔

زیر نظر قصیدہ میں امام احمد رضا نے حضرت تاج **الفحول** کی خاندانی عظمت و وجاہت، ان کے علم و فضل، بدمذہبوں سے نفرت اور ان کے رد وغیرہ کے بیان کے ساتھ ان سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

نائب مصطفیٰ محب رسول
صاحب **اصطفا** محب رسول

عین حق کا بنا محب رسول
عین حق کا بنا محب رسول

مصرعوں کی تکرار دیکھئے۔ ایک "بنا" اپنے عام معنی میں ہے اور دوسرا "بنا" سے مراد دولہا ہے۔ صنعت **تجنیس** کا عمدہ استعمال ہے اور صرف ایک لفظ بنا کے دو معانی کی وجہ سے تکرار کے باوجود دونوں مصرعوں کے معنی بدل گئے ۔

تو کلام خدا کا حافظ ہے
تیرا حفاظ خدا محب رسول

حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ حافظ قرآن بھی تھے۔ اس شعر میں اس حقیقت کا بلیغ اظہار کیا ہے۔

محب رسول کے مرتبہ کو بالا بتاتے ہوئے کس طرح اپنا انکسار ظاہر کرتے ہیں ۔

میں کہاں اور کہاں تعالیٰ اللہ
تیری مدح و ثنا محب رسول

چونکہ امام احمد رضا کو سیدنا آل رسول احمدی مارہروی رضی المولی عنہ سے بیعت و خلافت کا شرف تاج **الفحول** ہی کے توسط سے حاصل ہوا تھا لہٰذا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

تیری نعمت کا شکر کیا کیجئے
تجھ سے کیا کیا ملا محب رسول

محب رسول سے اپنی وابستگی کا اس طرح اظہار کرتے ہیں ۔

نہ تو مجھ سے جدا نہ میں تجھ سے
میں ترا تو مرا محب رسول

امام احمد رضا نے حضرت محب رسول کی نسل کے پھولنے پھیلنے اور بیٹوں بھتیجوں کے علم نافع کے حصول کی دعا بھی کی ہے۔

زیر نظر قصیدہ رضا کی سلاست زبان و طلاقت بیان کا خوبصورت نمونہ ہے۔

محب رسول کے لئے جو القاب وضع کئے ہیں۔ **مثلاً** ۔ شہد صاف ثنا' ناظم اہتداء' مظہر ارتضاء' صاحب **اصطفا**' شرق شان وفا' برق جان جفا وغیرہ ان میں ترکیب سازی اور استعارہ گری کا عمدہ نمونہ بھی ہیں اور ممدوح سے عقیدت و محبت کا اظہار بھی!

خلاصہ کلام

امام احمد رضا نے نعت کی طرح منقبت میں بھی جذبوں کے تمام پیچ و تاب کو سمو کر الفاظ کو معانی کے نئے جہانوں کی سیر کرائی ہے۔

قصائد میں "فضائل فاروق" فنی اعتبار سے بہت ہی بلند پایہ ہے۔

"قصائد عائشہ" سے حسن زبان اور طرح داری بیان کا خوبصورت ترین نمونہ ہے۔

"مناقب غوث و نوری" قصیدہ و غزل کا حسین امتزاج ہیں۔ رضا کے ادبی و فنی کمالات کی جلوہ گری کے ساتھ ان خطابیہ قصائد سے رضا کی علمیت بھی آشکارا ہے۔

تصنیفات و تالیفات امام احمد رضا

ایک جائزہ ——— اقبال احمد اختر القادری

حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۷۲ھ ...... ۱۸۵۶ء کے انقلابی دور میں بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۰ھ ...... ۱۹۲۱ء کے ہنگامہ خیز دور میں وہیں وصال فرمایا...... اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں انہوں نے جو علمی و قلمی خدمات انجام دیں ان کا احاطہ آج بھی مشکل ہی نظر آتا ہے...... جو فاضل بریلوی کی گرانقدر علمی تحقیقات سے ایک بار فیض یاب ہوتا ہے پھر اس کی نگاہ میں بڑے بڑے محققین بھی نہیں جچتے......

پاکستان کے مشہور محقق و دانشور پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (سابق صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی جامشورو، سندھ) فرماتے ہیں......

"ان کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی و دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین و مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے"......۱

امام احمد رضا کی وسعت علم کا ہند سے سندھ تک چرچا ہے، چنانچہ ہندوستان کے ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر حامد علی خاں (شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) فرماتے ہیں......

"آپ (امام احمد رضا) اپنے وقت کے فاضل اجل، اور جملہ علوم و فنون میں ماہر و کامل ہوئے۔ مروجہ علوم میں سے ہر علم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا......۲"

سندھ کے پروفیسر ایس۔ ٹی۔ علی نقوی (صدر شعبہ کیمیاء گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ سندھ) فرماتے ہیں......

"ان کا علم وسیع اور بو قلموں تھا"......۳

فاضل بریلوی کا قلم دل گیر اور علم ہمہ گیر تھا...... پاکستان کے مشہور مورخ، صحافی و دانشور

میاں عبدالرشید لکھتے ہیں......

"وہ ہمہ گیر عبقری، نہایت ذہین اور بے حد متقی اور فقہ اسلامی کے ماہر، ان کا علم ہمہ گیر تھا"۴

امام احمد رضا، لاثانی صاحب تصنیف و تالیف تھے...... ان کا مقیاس ذہانت اس کمال کا تھا کہ حافظہ میں مسائل **مستحضر** رہتے تھے...... جس موضوع پر بھی قلم اٹھانا چاہا، متعلقہ مباحث کو ذہن ہی میں مرتب کرلیا پھر سرعت سے اپنی فراست علمی کو کام میں لاکر **مستحضر** و مرتب ذہنی مواد کو تحریر کا جامہ پہنا دیا...... ڈیرہ غازی خان کے فاضل ڈاکٹر محمد مالک (MBBS) نے حال ہی میں "امام احمد رضا کا مقیاس ذہانت (I.Q)" کے عنوان سے تحقیقات نادرہ پر مشتمل مقالہ تحریر کیا ہے جو کہ لائق مطالعہ اور قابل داد ہے، جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے اپنے سالنامہ معارف رضا ۱۹۹۷ء میں شائع کیا ہے۔

امام احمد رضا نے اپنی مختصر سی حیات میں جو علمی و تحقیقی کام کیے وہ کسی فرد واحد سے ناممکن نظر آتے ہیں، اتنے عمیق و وسیع کاموں کے لئے بڑے بڑے بورڈ اور یونیورسٹیوں کی ضرورت پڑتی ہے، گویا فاضل بریلوی خود اپنی ذات میں ایک یونیورسٹی تھے...... نیو کاسل یونیورسٹی، برطانیہ کے سابق استاذ، پروفیسر غیاث الدین قریشی مرحوم (جی۔ ڈی۔ قریشی) نے سچ فرمایا تھا......

"انہوں نے اپنے وسیع اور عمیق علم کے طفیل اپنی ذات میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی بلندیاں جمع کرلی ہیں،......۵

امام احمد رضا عہد جدید کے عظیم عبقری تھے...... جس پر ان کی تصانیف و تالیفات شاہد ہیں...... ان کو زبان و بیان پر حیرت انگیز دسترس تھی، لیکن انہوں نے تقریر کے مقابلے میں تحریر کو فوقیت دی کیونکہ ان کی بین الاقوامی حالات اور زمانے پر گہری نظر تھی اور انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ آنے والا وقت میڈیا اور لٹریچر کا وقت ہوگا، اگر آج لٹریچر کی جانب توجہ نہ کی تو مسلم قوم شعبہ علم و فن میں دوسری قوموں سے نہایت درجہ پیچھے رہ جائے گی چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ایک دور یعنی نصف صدی گزر گئی، زمانے کے حالات بدل گئے، اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی کرنا چاہئے"......۶

امام احمد رضا کے شاگرد و خلیفہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمتہ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

"آپ نے تمام تر توجہ تصنیف و تالیف کی طرف پھیر دی"...... "چونکہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں اس لئے اعلیٰ حضرت تقریر کی بہ نسبت تحریر کی طرف زیادہ توجہ فرمایا کرتے

تھے"......۷

مولانا حسنین رضا خاں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر امام احمد رضا کی زندگی کو ان کے تحریر کردہ صفحات پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً" ۵۴ صفحات یومیہ کا ایوریج نکلتا ہے......

امام احمد رضا ۱۸۶۹ء میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور اسی سن میں سب سے پہلا فتوی تحریر کرکے تصنیف و تالیف کا باقاعدہ آغاز کیا......

فاضل بریلوی کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ مسودات کو چار نقل کرنے والے بیک وقت نقل کیا کرتے' ابھی یہ لوگ نقل سے فارغ نہ ہو پاتے کہ پانچواں صفحہ تیار ہوجاتا۸...... اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاضل بریلوی کس رفتار سے تصنیف و تالیف کا کام فرماتے تھے۔

دیگر کار تحریر کے علاوہ صرف استفتاء اس قدر آتے کہ کسی مفتی کے پاس نہ آتے ہوں گے...... ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتاء آتے اور سب کا بروقت جواب دیا جاتا۔ چنانچہ فاضل بریلوی خود فرماتے ہیں......

"فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجے وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار' جملہ رفقاء ہندوستان' بنگال و پنجاب' ملیبار' برما' ارکان' چین و غزنی' امریکہ' افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔۹"

امام احمد رضا جب بیمار ہوتے تب بھی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھتے' چنانچہ امام احمد رضا کے رفیق اور شاگرد و خلیفہ مولانا ظفرالدین رضوی فرماتے ہیں......

"علالت کی وجہ سے رات کو املا کراتے اور دن کو خود تحریر فرماتے...... اور اس قدر حصہ تحریر فرماتے تھے کہ کئی شخصوں کو اعلیٰ حضرت کے ایک دن کے لکھے کی نقل کرنا دشوار ہوتا' اور شب کو اسی طرح کام کیا جاتا تھا۱۰"

امام احمد رضا کی زود نویسی اور کثرت تصانیف کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے...... عہد امام احمد رضا اور متقدمین میں کوئی ایسا عالم' پاک و ہند میں نظر نہیں آتا جس کی تصانیف تعداد و کثرت کے لحاظ سے فاضل بریلوی کے ہم پلہ ہوں۔ امام احمد رضا کی تصانیف و تالیفات کے بارے میں مختلف زمانوں میں مختلف محققین نے مختلف تعداد لکھی ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقتاً" فوقتاً" تصانیف میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا......

امام احمد رضا نے ۱۸۶۹ء سے باقاعدہ تحریر کا آغاز کیا...... ۱۸۸۷ء میں مولانا رحمان علی نے جب اپنی کتاب "تذکرہ علماء ہند" (فارسی) مرتب

کی تو اس میں فاضل بریلوی کی تصانیف کی تعداد "۷۵" بتائی.......

"تصانیف وے تا ایں زماں ہفتا دو پنج مجلّہ رسیدہ۱۱"

۱۹۰۵ء میں امام احمد رضا نے خود اپنی تصانیف کی تعداد اپنی معرکہ آراء کتاب "الدولتہ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" میں "۲۰۰" سے زیادہ لکھی ہے۱۲.......

امام احمد رضا کے بڑے فرزند مولانا حامد رضا خاں اس کتاب کے حاشیہ میں جہاں فاضل بریلوی نے اپنی "۲۰۰" تصانیف کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں.......

"بحمد اللہ تعالیٰ ۴۰۰ سے زائد ہیں جن میں سے فتاویٰ مبارکہ بڑی تقطیع کے بارہ ضخیم مجلدوں پر ہے۱۳......"

۱۹۰۹ء میں مولانا ظفرالدین رضوی نے امام احمد رضا کی کتب کے حوالے سے ایک رسالہ بنام "**المجمل المعدد التالیفات المجدد**" مرتب کیا جو غالباً" ۱۹۰۹ء ہی میں پٹنہ سے شائع ہوگیا' اس میں "۳۵۰" کتب کی تفصیلات ہیں نیز مرتب نے انکشاف کیاہے کہ تقریباً" "۵۰" رسالے اور ہونگے جو کہ فہرست میں شامل نہ ہو سکے۱۴.......

فاضل بریلوی کے وصال (۱۳۴۰ھ ر۱۹۲۱ء) کے بعد مولانا موصوف نے مزید تحقیق کرکے تصانیف کی تعداد "٦۰۰" تحریر کی.......

"درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف (٦۰۰) چھو سو سے زیادہ ہیں' جن کا مفصل بیان حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم میں آنا ہے۔۱۵"

(زہے نصیب کہ "حیات اعلیٰ حضرت" کی جلد دوم تا حال مفقود ہے جو کہ کسی بھی المیہ سے کم نہیں!)

امام احمد رضا کے چھوٹے فرزند مولانا مصطفےٰ رضا خان نوری کے شاگرد رشید مفتی اعجاز ولی خان نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر تصانیف کی تعداد "۱۰۰۰" سے زیادہ لکھی ہے.......

"صاحب التصانیف العالیہ و التالیفات الباہرۃ التی بلغت اعداد ھافوق الالف"۱٦

مولانا محمود احمد قادری نے ۱۹۷۱ء میں تذکرہ علمائے اہل سنت' مرتب کی تو "۱۰۰۰" ہی تعداد لکھی۱۷.......

پاکستان کے ممتاز ماہر تعلیم' سابق ایڈیشنل سیکریٹری وزارت تعلیم' حکومت سندھ' سیدی استاذی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد جنہیں دنیائے علم و فن "محقق عصر" اور "ماہر رضویات" کہتی ہے فرماتے ہیں۔

"فتاویٰ کے علاوہ امام احمد رضا کی دیگر کتب و تصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۱۸"......

آپ نے تقریباً "۸۵۰" کتب کی فہرست بھی تیار کی ہے جوکہ زیر تدوین مبسوط حیات امام احمد رضا میں شامل ہے۔

عرصہ ہوا' ہندوستان کے مولانا یٰسین اختر مصباحی نے لکھا تھا کہ جامعہ اشرفیہ 'مبارکپور کے فاضل مولانا عبدالمبین نعمانی نے پوری تحقیق و تلاش کے بعد فاضل بریلوی کی تصانیف کی فہرست تیار کی ہے جو عنقریب منظر عام پر آئے گی۱۹.......

ناشر رضویت مولانا سید ریاست علی قادری (مرحوم) نے بتقریباً "۹۰۰" تصانیف کی فہرست مرتب کی تھی مگر ان کے انتقال کے بعد ان کا خاندان جب اسلام آباد سے کراچی منتقل ہوا تو وہ فہرست مسودات میں سے کہیں گم ہوگئی.......

۱۹۷٦ء میں بمبئی سے ماہنامہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر شائع ہوا'اس میں "۵۴۸" تصانیف کی تفصیلات شامل اشاعت تھیں۲۰....... یہی تفصیلات پاکستان سے شائع ہونے والی ضخیم کتاب "انوار رضا" میں بھی شائع ہوئی ہیں۲۱.......

ماہنامہ جہان رضا'لاہور نے اپنے شمارہ اگست ۱۹۹۵ء میں "۹۸" کتب کی تفصیل شائع کی ہے جبکہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۵ء کے مشترکہ شمارہ میں "۳۵۰" تصانیف کی تفصیلات شائع کیں.......

۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر حسن رضا خان نے امام احمد رضا کی فقہی خدمات کے حوالے سے پٹنہ یونیورسٹی (ہندوستان) میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ کر ph.D کی ڈگری حاصل کی' بعد میں یہ مقالہ ہندوستان و پاکستان سے الگ الگ شائع ہوا.......
اس کے پانچویں باب میں پچاس علوم و فنون پر "۴۱۲" تصانیف کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے جبکہ ساتویں باب میں فقہ سے متعلق "۲۴۰" کتب و حواشی کا ذکر کیا گیا ہے'اس طرح مجموعی طور پر "٦٦٦" کتب و حواشی کی تفصیلات اس مقالہ میں موجود ہیں.......

امام احمد رضا کی تصنیفات و تالیفات کے اس جائزہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رضا تقریباً ایک ہزار یا اس سے زائد کے مصنف ہیں....... فاضل بریلوی کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف دنیا کے مختلف مقامات میں محفوظ ہیں.......

قلمی کتابوں کا ذخیرہ ہندوستان میں خانوادۂ امام احمد رضا کے پاس محفوظ ہے....... ماہنامہ اعلیٰ حضرت' بریلی نے اپنے شمارہ اکتوبر ۱۹٦۲ء میں "۲۵۰" قلمی کتابوں کی تفصیلات شائع کی تھیں۔ جبکہ پاکستان کے بین الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی لائبریری "گوشہ محققین" میں تقریباً "۱۵۰" قلمی مسودات کے عکوس موجود ہیں جن میں "ترجمہ القرآن کنزالایمان" اور "حاشیہ بخاری شریف" سرفہرست ہیں۔ ان میں اکثر حواشی اور شروح

ہیں...... "گوشہ محققین" میں تقریباً "٣٥٠" مطبوعہ کتب بھی موجود ہیں.......

پاکستان کے قانون ساز ادارہ قومی اسمبلی کی لائبریری میں امام احمد رضا کی "١٢٥" کتب موجود ہیں...... اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی مرکزی لائبریری واقع اسلام آباد میں تقریباً "١٧٥" کتب و رسائل ہیں...... ایشیاء کی سب سے بڑی جدید لائبریری "مدینتہ الحکمتہ" میں "گوشئہ اعلیٰ حضرت" کے نام سے باقاعدہ ایک الگ سیکشن قائم ہے جہاں تقریباً "١٦٥" کتب و رسائل اور قلمی مخطوطات کے **عکوس** محفوظ ہیں...... لاہور کے غلام یٰسین رضا قادری کی ذاتی لائبریری میں "٢٢٥" کتب و رسائل ہیں......

مولانا کوکب نورانی اوکاڑی (کراچی) کی ذاتی لائبریری میں تقریباً "١٠٠" کتب و رسائل ہیں...... ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے پاس تقریباً "٣٠٠" کتب و رسائل اور قلمی مخطوطات و مکتوبات کے **عکوس** ہونگے......

کانپور کے محمد جمیل اختر رضوی نے فقیر کو اپنی لائبریری کی ایک مرتبہ فہرست کا عکس بھیجا ہے جس میں "٢٢٣" کتب و رسائل درج ہیں' موصوف نے "تحریک تلاش کتب رضویہ" کے نام سے باقاعدہ مہم شروع کی ہے...... جامعہ الازہر (مصر) کے ریسرچ اسکالر مشتاق احمد شاہ نے اپنی ایک فہرست کا عکس بھیجا ہے جس میں "١٣٨" کتب کا ذکر ہے...... سندھ ہائیکورٹ بار لائبریری' کراچی میں بھی تقریباً "١٠٠" سے متجاوز کتب ہیں...... اسلامک ایجوکیشن ٹرسٹ نارتھ کراچی کی "شاہ احمد رضا لائبریری" میں بھی تقریباً "١٧٥" کتب ہیں...... سنا ہے کہ دارالعلوم غوث الاعظم' پوربندر گجرات (انڈیا) کے مولانا عبدالستار ہمدانی کے پاس تقریباً "٥٠٠" سے متجاوز مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و رسائل موجود ہیں۔

ان تمام مقامات کی کتب آپس میں قدرے مشترک ہیں' فقیر کے خیال میں ان تمام لائبریریز کی مخزونہ کتب "گوشئہ محققین" میں موجود ہیں....... دینی مدارس اور ہندستان کی لائبریریوں تک فقیر کی رسائی نہ ہوسکی البتہ صرف اتنا علم ہوسکا کہ فاضل بریلوی کی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی پوری تعداد خانقاہ برکاتیہ' مارہرہ شریف میں محفوظ ہے۔

مولانا سید ریاست علی قادری (مرحوم) نے امام احمد رضا کی کتب اور ان کے تعارف کے حوالے سے کام شروع کیا تھا انہوں نے اس حوالے سے ایک کتاب "امام احمد رضا کی نثر نگاری" بھی مرتب کی جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے شائع کیا...... موصوف اس حوالے سے کئی جلدیں مرتب کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔

تصنیف و تالیف اور فتاویٰ نویسی کے علاوہ امام احمد رضا کے لکھے گئے مکتوبات کی تعداد بھی اتنی کثیر ہے کہ اب تک دو ضخیم جلدیں "مکتوبات امام احمد رضا" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں...... یہ خطوط عام خطوط نہیں بلکہ اپنے اندر علم و فن کا خزانہ مقید رکھتے ہیں، ضرورت تھی کہ دیگر عناوین کی طرح کوئی فاضل مکتوبات کے حوالے سے تحقیق کام کر کے اس پوشیدہ علمی خزانہ کو عام کردے۔ چنانچہ اب مولانا غلام جابر مصباحی، مگدھ یونیورسٹی، گیا، ہندوستان سے "امام احمد رضا اور ان کے مکتوبات" کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں...... ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ کوئی فاضل محقق "امام احمد رضا کی تصنیفات و تالیفات" کے حوالے سے تحقیق کرے......

حوالا جات

۱۔ محمد مرید احمد چشتی، جہان رضا، مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۸۸

۲۔ ماہنامہ المیزان (امام احمد رضا نمبر) مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۴۷

۳۔ مجلہ الہاشم، مطبوعہ گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ) شمارہ ۱۹۸۳ء، صفحہ نمبر ۱۵

۴۔ Main Abdul Rashid, Islam in Indo-Pak, Lahore, 1977, P.65

۵۔ پیغام برائے مجلس رضا مانچسٹر، محررہ ۹ر اکتوبر ۱۹۸۱ء

۶۔ عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، یاد اعلیٰ حضرت، مطبوعہ

۷۔ ایضاً

۸۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، افتتاحیہ (فقیہہ اسلام از ڈاکٹر حسن رضا خاں) مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ نمبر ۲۴

۹۔ احمد رضا خاں، مولانا، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، جلد چہارم، مطبوعہ کراچی، صفحہ نمبر ۱۳۹

۱۰۔ ظفرالدین رضوی، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، صفحہ نمبر ۳۷

۱۱۔ رحمان علی، مولانا، تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

۱۲۔ احمد رضا خاں، مولانا، الدولتہ المکیہ، مطبوعہ کراچی، صفحہ ۱۶۸

۱۳۔ حامد رضا خان، مولانا، حاشیہ الدولتہ المکیہ، مطبوعہ کراچی، صفحہ نمبر ۱۶۹

۱۴۔ ظفرالدین رضوی، مولانا، المجمل المعدد التالیف مجدد، مطبوعہ پٹنہ، صفحہ نمبر ۴

۱۵۔ ظفرالدین رضوی، مولانا حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ بریلی، صفحہ نمبر ۱۳

۱۶۔ اعجاز ولی خان، ضمیمہ، المعتقد المنتقد، مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر ۲۶۶

۱۷۔ محمود احمد قادری، مولانا، تذکرہ علماء اہلسنت، مطبوعہ کانپور، ۱۹۷۱ء، صفحہ نمبر ۴۶

۱۸۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، افتتاحیہ (فقیہہ اسلام) مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ نمبر ۳۰

۱۹۔ یٰسین اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۷ء، صفحہ نمبر ۳۸

۲۰۔ ماہنامہ المیزان، بمبئی (امام احمد رضا نمبر)، مطبوعہ ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۳۰۶

۲۱۔ انور رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، صفحہ نمبر ۳۲۸

استاذِ امام احمد رضا

حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج حنفی رحمۃ اللہ علیہ

عابد حسین شاہ پیرزادہ (چکوال)

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۷۲ھ --- ۱۳۴۰ھ/۱۸۵۶ء --- ۱۹۲۱ء) نے اپنے پہلے سفرحج ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء کے موقع پر جن تین علماء مکہ مکرمہ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا؛ شیخ عبدالرحمٰن سراج حنفی رحمتہ اللہ علیہ ان میں سے ایک ہیں۔ فاضل بریلوی نے اپنی کتاب "الاجازات المتینہ لعلماء بکہ والمدینہ" (۱۳۲۴ھ) ناشر منظمہ الدعوۃ الاسلامیہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

"مولانا الامام الھمام سراج اللہ فی البلد الحرام عبدالرحمٰن ابن المولی عبداللہ السراج مفتی الحنفیہ بمکہ المحمیہ رحمھما اللہ تعالیٰ" (صفحہ نمبر ۲۰)

"مولی الاجل الفقیہ الابجل درۃ التاج و بدر الواج مفتی الحنفیہ بمکہ المحمیہ سیدنا الشیخ عبدالرحمٰن السراج ابن المفتی الاجل عبداللہ السراج الوھاج"۔ (صفحہ نمبر ۳۷)

ذیل کی سطور میں شیخ عبدالرحمٰن سراج حنفی، اور ان کی اولاد میں سے بعض کے حالات قارئین کی نذر کئے جا رہے ہیں۔ (ع)

شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج ۱۲۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مجید اور دیگر علوم مکہ مکرمہ کے اجلہ علمائے کرام سے پڑھے ان میں آپ کے والد شیخ علماء مکہ و مفتی احناف شیخ عبداللہ سراج (وفات ۱۲۶۴ھ)؛ مفتی مکہ شیخ جمال عبداللہ--- جو آپ کے والد شیخ عبداللہ سراج کی وفات کے بعد "شیخ علماء مکہ" کے منصب پر فائز ہوئے--- (۲)؛ صاحب التالیف الشھیرہ و شیخ علماء مکہ السید احمد زینی دحلان--- (۳)؛ مدرسہ صولتیہ کے بانی شیخ محمد رحمت اللہ ہندی شامل

ہیں--- (۴)' شیخ عبدالرحمٰن سراج کے تمام اساتذہ اس دور میں علماء مکہ مکرمہ کے سردار تھے۔ آپ نے حصول علم میں پوری لگن سے کام لیا اور علم و فضل میں ممتاز مقام پایا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے مسجد الحرام میں اپنا حلقہ درس قائم کیا جہاں طالبان علم کی کثیر تعداد آپ سے فیض یاب ہوئی اور سندات حاصل کیں۔ اسی دوران آپ کے شیخ و استاد' مفتی احناف شیخ جمال عبداللہ زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ منورہ گئے تو ان کی عدم موجودگی میں " مفتی احناف کی مسند شیخ عبدالرحمٰن سراج کے سپرد ہوئی جس کی ذمہ داریاں آپ نے بخیر و خوبی انجام دیں۔ اور جب تھوڑے ہی عرصہ بعد شیخ جمال عبداللہ نے وصال فرمایا تو امیر مکہ عبداللہ بن عون الشریف نے مفتی احناف کے منصب پر آپ کے تقرر کے احکامات جاری کئے--- (۵)۔ نشر النور والزہر کے مولف لکھتے ہیں کہ--- (۴) آپ مسند افتاء پر طویل عرصہ ممتکن رہے لیکن کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ آپ نے اس منصب کے فرائض کی ادائیگی کے لئے کسی کوتاہی یا مصلحت سے کام لیا ہو' آپ جادہ استقامت پر مضبوطی سے قائم رہے' برائی کو روکنے میں بے باک تھے' تقوی و ثابت قدمی کی خوبیاں آپ میں بدرجہ اتم موجود پائی جاتی تھیں' دینی امور میں تصلب سے کام لیتے اور اعلاء کلمتہ الحق میں کسی لومتہ لائم کو قریب نہ آنے دیتے۔ آپ کتب سے گہری محبت رکھتے تھے اور نادر کتب کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہتے اور انہیں محفوظ کرنے میں بطور خاص دلچسپی لیتے۔ دور دراز علاقوں سے کتب حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور کم یاب کتب کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے شہر بھر میں منفرد اپنے عظیم کتب خانہ میں سلیقے سے محفوظ کردیتے۔

نشر النور و الزہر کے مصنف مزید لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن سراج اعلی ذہانت اور قوی یاداشت کے مالک تھے۔ احکام فقہ' ادب نیز علماء و ادباء کے حالات و واقعات آپ کو ازبر تھے۔

محمد علی مغربی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن سراج کی کتب سے محبت اور علمی ورثہ کو محفوظ کرنے کی سعی و کوشش کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ شیخ بغدادی کی کتاب "خزانہ الادب" کا ایک مکمل وصاف خطی نسخہ آپ کے ذخیرہ کتب میں موجود تھا۔ آپ نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا جس پر مکہ مکرمہ کے چھ زعماء نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور اس کی طباعت کے اخراجات کی فراہمی میں آپ کا ساتھ دیا' ان کے نام یہ ہیں۔

- عبدالرحمٰن میمن
- احمد المشاط (۷)

○ عبدالرحمٰن الشیبی (۸)

○ حسین بن عبداللہ میمن

○ ابوطالب میمن

○ عبداللہ بن الشیخ محمد الباز الکتبی (۹)

خزانہ الادب، مطبع بولاق مصر میں طبع ہوئی اور اس پر ان سات شخصیات کے نام موجود ہیں۔ کچھ عرصہ قبل استاد عبدالسلام ہارون نے خزانہ الادب کے اسی ایڈیشن کو بنیاد بنا کر اس پر تحقیق کی اور حواشی لکھ کر نئے انداز میں شائع کیا۔ (۱۰)

"امراء البلد الحرام" کے مصنف لکھتے ہیں:

۱۲۹۴ھ کے اوائل میں شریف مکہ عبداللہ بن عون نے ایک فرمان جاری کیا کہ تمام اہل مکہ فوجی تربیت حاصل کریں اور بندوق چلانا سیکھیں تاکہ خلافت عثمانیہ اور روس کے درمیان ہونے والی جنگ میں بوقت ضرورت اہل مکہ شرکت کر سکیں۔ یہ حکم جاری ہوتے ہی حکومت کی طرف سے بندوقوں اور فوجی معلمین کی بڑی تعداد مکہ مکرمہ پہنچ گئی اور پھر تربیت کا سلسلہ شروع ہوا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ (۱۱)

تاریخ مکہ میں ہے کہ عسکری تربیت کا یہ فرمان ۱۲۹۲ھ میں جاری ہوا جس کے نتیجے میں علماء، زعماء اور عام شہری قطار در قطار تربیتی میدان میں پہنچتے اور ترک فوجیوں سے تربیت پاتے۔ شریف مکہ خود اور اس کے خاندان کے افراد نے عام شہریوں کی طرح وردی پہن کر میدان میں آکر تربیت حاصل کی (۱۲)۔ مغربی لکھتے ہیں کہ سلطان عبدالحمید الثانی کے عہد میں خلافت عثمانیہ اور روس کے درمیان جزیرہ بلقان کے ممالک بوسنیا و ہرزیگوینیا پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور نوبت جنگ تک جا پہنچی۔ یہ علاقہ خلافت عثمانیہ کی حدود میں شامل تھا اور یہاں عیسائیوں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ ہرزیگوینیا کے مقام پر جب جنگ چھڑی تو خلافت عثمانیہ میں اتنا دم خم باقی تھا کہ وہ اس شورش سے نبٹ سکیں لیکن ہوا یہ کہ یورپ کے عیسائی ممالک نے کھل کر روس کی اعانت کی جس کے نتیجے میں جنگ طول پکڑ کر پھیلتی گئی اور اس نے صلیبی جنگوں کی سی صورت اختیار کر لی۔ اسلامی فوجیں جو کہ عثمان پاشا غازی کی سرکردگی میں برسرپیکار تھیں ان کی بڑی تعداد وہاں کے بلوعنہ نامی علاقے میں موجود تھی وہ سخت سردی و برف باری کے باعث وہاں پر پھنس کر رہ گئیں ادھر مخالف فوجوں نے پیش قدمی جاری رکھی۔ اس مرحلے پر خلافت عثمانیہ نے پہلی بار حجاز مقدس، بالخصوص مکہ مکرمہ کے شہریوں کو تربیت دینے کی ضرورت محسوس کی۔ عسکری تربیت کی اس مہم میں مکہ مکرمہ کے اکابر علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا شیخ عبدالرحمٰن سراج اس وقت علماء کے سب سے بڑے اور اہم منصب "مفتی احناف" پر فائز تھے۔

لافت عثمانیہ ملک کے تمام معاملات میں حنفی
ہب کی پابند تھی اور ملک بھر میں یہی سرکاری
ہب تھا اس لئے مکہ مکرمہ میں مفتی احناف کے
نصب کی اہمیت مسلمہ اور واضح تھی۔ جنگی تربیت
کے ایام میں شیخ عبدالرحمٰن سراج دیگر مذاہب کے
علماء کے ساتھ مسجد الحرام میں خطاب فرماتے اور
لوگوں کو جہاد کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کرتے
اور انہیں تربیت کے لئے خروج کی ترغیب دیتے۔
خطاب کے بعد آپ دیگر لوگوں کے ساتھ سیدھے
تربیتی میدان میں پہنچتے اور افسران زعماء کی صفوں
میں بجائے عام شہریوں کی صفوں میں کھڑے ہوتے
اور ان کے ساتھ مل کر جنگی تعلیم و تربیت پاتے۔
لیکن ملک کے اندر جنم لینے والی سازشوں' ادھر
جنگ میں یورپی ممالک کی شمولیت اور دیگر عوامل
کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کو جزیرہ بلقان میں بہت
سے علاقے سے محروم ہونا پڑا نیز بہت زیادہ مالی
خسارہ سے دوچار ہونا پڑا اور جنگ کا خاتمہ ۱۲۹۵ھ
میں صلح پر منتج ہوا۔ (۱۳)

۹ ذوالحجہ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء کو شریف عون
رفیق مکہ مکرمہ کے امیر مقرر ہوئے (۱۴)۔ شریف
عون رفیق غریب الاطوار اور بدمزاج آدمی تھا اس
نے اپنے عجیب اعمال و افعال کی وجہ سے چند ہی
سالوں میں اہل مکہ کے لئے سانس لینا دوبھر کردیا۔
بالاخر تنگ آکر شہریوں نے سلطان عبدالحمید خلیفہ
عثمانی کے نام ایک درخواست لکھی اور اس میں
تمام حالات درج کرکے اس پر متعدد شہریوں کے
علاوہ مندرجہ ذیل اکابر علماء مکہ نے تائیدی دستخط
ثبت کیے۔

- مفتی احناف شیخ عبدالرحمٰن سراج
- مفتی مالکیہ شیخ محمد بن عابد بن حسین (۱۵)
- مفتی حنابلہ و نائب الحرم شیخ سید ابراہیم
- مفتی شافعیہ شیخ سید عبداللہ بن محمد الزواوی (۱۶)
- شیخ السادۃ مکہ مکرمہ شیخ سید علوی السقاف (۱۷)

ان علماء کرام سے دستخط لینے کے بعد اہل
مکہ نے ادھر یہ درخواست سلطان کے نام
دارالخلافہ استنبول روانہ کی ادھر شریف عون کو
اس کی خبر ہوگئی اور اس نے درخواست کی تائید
کرنے والوں میں سے بعض شہریوں کو جیل میں
ڈال دیا اور ان پانچوں علماء کرام کو مکہ مکرمہ چھوڑ
دینے کے احکامات جاری کردیئے۔ جب یہ
درخواست خلیفہ کے پاس استنبول پہنچی تو انہوں نے
گورنر حجاز احمد راتب پاشا کی سرپرستی میں تحقیقات
کے لئے ایک کمیٹی قائم کردی۔ لیکن اسی دوران
یہ علماء کرام مکہ مکرمہ چھوڑ کر اپنی اگلی منزلوں کی
تلاش میں روانہ ہوچکے تھے۔
شیخ حسین سراج نے محمد علی مغربی کو بتایا کہ

شیخ عبدالرحمٰن سراج اپنے کم سن بیٹے عبداللہ سراج (۱۸) کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچے اور وہاں پر مچھلی کا بیوپار کرنے والے ایک غریب و مفلس کے جھونپڑے میں پناہ گزیں ہوکر بدلتے حالات پر نظریں جمائے رہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے دوست جدہ شہر کی ممتاز شخصیت آفندی عمر نصیف اس جھونپڑے میں آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور آپ کو تازہ حالات سے باخبر کرتے ہوئے بتایا کہ سلطان نے واقعات کی تحقیق کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی، شریف عون اس کے اراکین پر اثر انداز ہورہا ہے لہٰذا ان کا اصل حقائق تک پہنچنا محال ہے۔ اس صورت حال میں آپ حجاز مقدس سے کہیں دور چلے جائیں اور آپ جہاں بھی جانا چاہیں مجھے بتائیں میں آپ کی منزل تک خفیہ سفر کا بندوبست کردوں۔ آفندی عمر نصیف جدہ شہر کے انتہائی مالدار، معزز و بااثر شخصیت تھے۔ گورنر حجاز احمد راتب پاشا شدید گرمی کے موسم میں جدہ چلے آتے اور ان کے محل میں قیام کرتے۔

ان ایام میں حکومت برطانیہ کی طرف سے خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کی سازشیں عروج پر تھیں۔ برطانوی حکومت اس وقت بہت سے اسلامی ممالک مثلاً" مصر، فلسطین، ملائیشیا، ہندوستان وغیرہ پر قابض تھی لیکن ان ممالک کے مسلمانوں کی ہمدردیاں خلافت عثمانیہ کے ساتھ تھیں جن کی وجہ سے انگریزوں کو اپنے منصوبوں پر عملی جامہ پہنانے میں دقتیں پیش آرہی تھیں۔ اس صورت حال سے نبٹنے کے لئے انگریزوں کو ایک ترکیب سوجھی اور انہوں نے سلطنت عثمانیہ میں شامل علاقوں میں سے کسی ایسے مسلمان کو خلیفہ کی مسند پر بٹھانے کی ٹھانی جو عثمانی خلیفہ سے الگ حکومت قائم کرکے انگریزوں کے اشاروں پر چلے۔ لیکن انہیں اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے اندر دوسری خلافت قائم ہونے پر برطانوی راج میں شامل اسلامی ممالک میں بے چینی پھیلے گی اور وہاں کے مسلمان اس صورت حال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اپنے منصوبے کی کامیابی یقینی بنانے اور اپنی مسلمان رعایا کو اس کا شرعی جواز پیش کرکے مطمئن کرنے کے لئے انگریز کسی موقع کی تاک میں تھے۔

جیسا کہ اوپر گزرا خلافت عثمانیہ کی حدود میں حنفی مذہب سرکاری طور پر رائج تھا اور تمام سرکاری احکامات و فیصلے فقہ حنفی کی روشنی میں نافذ کئے جاتے تھے۔ اسی پس منظر میں مکہ مکرمہ کے "مفتی احناف" کے منصب اور ان کے جاری کردہ فتاوے کی بہت اہمیت ہوتی تھی۔ چنانچہ مفتی احناف شیخ عبدالرحمٰن سراج جب مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچے

اور وہاں سے کسی ملک کی طرف نکلنے کی سوچ رہے تھے کہ انگریزوں کو اپنا یہ منصوبہ آگے بڑھنے کی امید بندھی۔ اور برطانوی حکومت کا ایک نمائندہ شیخ عبدالرحمٰن سراج کے پاس جھونپڑے میں وارد ہوا اور آپ سے عرض کیا! "حکومت برطانیہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ ایک فتوی جاری کردیں کہ اسلامی ممالک میں بیک وقت دو خلفاء کا مسند نشین ہونا یا دو خلافتوں کا وجود اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں۔" اور اگر آپ یہ فتوی لکھ کر ہمیں دے دیں تو حکومت برطانیہ آپ کو ہندوستان میں "قاضی القضاۃ" کا اعلی ترین منصب پیش کرے گی اور فی الفور آپ کی تقرری کے احکامات جاری کرکے آپ کو بحفاظت ہندوستان پہنچا دیا جائے گا۔ شیخ عبدالرحمٰن سراج اور برطانوی نمائندے کے درمیان جب یہ گفتگو ہورہی تھی تو آپ کے نوعمر بیٹے شیخ عبداللہ سراج وہیں موجود تھے' انہوں نے اپنے والد کی پیرانہ سالی اور مرض کو ذہن میں لاتے ہوئے آپ سے عرض کیا' والد محترم! آپ یہ فتوی جاری کردیں تاکہ ہمیں ان پیش آمدہ مصائب سے نجات ملے۔ جواباً" آپ نے برق آلود نگاہوں سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک زوردار تھپڑ ان کے گال پر رسید کیا اور برطانوی نمائندے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا! "آپ جاکر اپنے افسر سے کہہ دیجئے کہ میں دنیا کی خاطر اپنے دین کو بیچا نہیں کرتا۔" آپ کا یہ دو ٹوک جواب سن کر نمائندہ چپ چاپ اٹھا اور جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد آفندی عمر نصیف نے آپ کے بحری سفر کا انتظام کردیا اور آپ بیٹے سمیت یہاں سے مصر روانہ ہوگئے۔

احمد السباعی لکھتے ہیں کہ علماء کرام کے مکہ مکرمہ سے نکالے جانے کا یہ واقعہ ۱۳۱۴ھ میں پیش آیا۔ ان میں علماء میں سے شیخ عبدالرحمٰن سراج نے مصر کا رخ کیا۔ شیخ محمد بن عابد بن حسین مفتی مالکیہ نے یمن کی راہ لی اور وہاں سے خلیجی ریاستوں میں پہنچے جہاں دبئی شہر میں کئی سال مقیم رہے پھر وہیں سے حجاج کے قافلوں کے ساتھ خفیہ طور پر مکہ مکرمہ واپس آگئے جہاں آپ شریف عون کی وفات (۱۳۲۳ھ) تک روپوش رہے (۱۹)۔ اور شیخ عبداللہ الزواوی نے انڈونیشیا کے شہر جاوا کو اپنا مستقر بنایا۔ الغرض شیخ عبدالرحمٰن سراج اور ان کے بیٹے شیخ عبداللہ سراج جدہ سے مصر کی بندرگاہ سوئز پہنچے تو آپ مرض کی وجہ سے قریب المرگ ہوچکے تھے۔ مصر میں ان دنوں مصطفیٰ فہمی پاشا وزیراعظم تھے جو ملک کی انتہائی باا ثر شخصیت تھے۔ ان کی بیٹی صفیہ زغلول "ام المصریین" کے لقب سے مشہور تھیں جن کی شادی مصر کے عظیم رہنما سعد زغلول پاشا سے ہوئی جو بعد ازاں جدید مصر کے وزیراعظم بنے۔ مصطفیٰ فہمی پاشا' شیخ

عبدالرحمٰن سراج کے عقیدت مند تھے اور دونوں کے درمیان قدیم مراسم تھے۔ چنانچہ آپ نے بندرگاہ کے حاکم کے ذریعے اپنی یہاں کی آمد کی اطلاع مصطفیٰ فہمی پاشا کو بھجوائی جس پر انہوں نے آپ کو تمام اعزاز و اکرام کے ساتھ قاہرہ منگوا کر اپنے ضیافت خانہ میں ٹھہرایا۔ لیکن بہت دیر ہوچکی تھی، شیخ عبدالرحمٰن سراج کو بیماری نے گھیر رکھا تھا اس پر اپنے وطن عزیز حجاز مقدس سے جدائی، اپنے اہل و عیال اور احباب سے بچھڑنے کا ملال، **نتیجتاً"** ۱۳۱۴ھ ہی میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں یہ بے مثل عالم دیں، حق کی خاطر آواز بلند کرنے میں کسی قسم کا ڈر خوف خاطر میں نہ لانے والے، رعایا پر ظلم رکوانے کے لئے مناصب جلیلہ اور ذاتی اعزاز و اکرام کو خیرباد کہنے والے، ایک بھرپور زندگی گزار کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

آپ کی اولاد میں سے دو اہم بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

○ شیخ محمد علی سراج (۲۰)

○ شیخ عبداللہ سراج (۲۱)

مفتی احناف شیخ عبداللہ سراج رحمتہ اللہ علیہ

۱۲۹۶ھ ------ ۱۳۶۸ھ

شیخ عبداللہ سراج ۱۲۹۶ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے حصول تعلیم کی ابتدا مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ (سن تاسیس ۱۲۹۰ھ) میں مشاہیر علماء مکہ سے کی نیز اپنے والد شیخ عبدالرحمٰن سراج سے متعدد علوم میں تربیت پائی۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن سراج مکہ مکرمہ سے جدہ اور پھر قاہرہ تشریف لے گئے تھے تو نوعمر عبداللہ سراج ان کے ہمراہ تھے اور جب آپ کے والد نے وفات پائی تو آپ کی عمر بیس سال سے کم تھی۔ شیخ عبداللہ سراج نے جامعہ الازہر میں داخلہ لے لیا اور وہاں کے اجلہ علماء و مشائخ عظام سے علوم حاصل کرکے یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کی۔ اسی دوران آپ کے میزبان مصطفیٰ فہمی پاشا کا انتقال ہوگیا اور تعلیم کی تکمیل کے بعد قاہرہ میں قیام کے لئے آپ کی کوئی دلچسپی نہ رہی۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن جامع الازہر کے قریب واقع ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ہندوستانی باشندے میری نشست کے قریب آکر مجھ سے بیٹھنے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ اور جب وہ تشریف فرما چکے تو مجھ سے سوال کیا! آپ کا وطن کون سا ہے؟ جواباً" میں نے انہیں اپنے بارے میں مختصراً" بتایا۔ میرا جواب سن کر اس ہندی بزرگ نے فرمایا! میں آپ کے والد شیخ عبدالرحمٰن سراج کو نہ صرف جانتا ہوں بلکہ اپنے قیام کے دوران ان کی شاگردی اختیار کرچکا ہوں۔ اگر آپ ہندوستان تشریف لے جانا پسند کریں تو آپ رخت

سفر باندھیں میں اپنے ساتھ ہی آپ کے سفر کا بھی
بندوبست کیئے دیتا ہوں۔ شیخ عبداللہ سراج فرماتے
ہیں کہ میں مصر میں اجنبی تھا' اپنے وطن حجاز لوٹنا
محال تھا اندریں حالات میں نے ہندوستان جانے
کا فیصلہ کرلیا اور انہی کے ساتھ بلادہند پہنچ کر وہاں
کے متعدد شہران کی معیت میں گھومے اور پھر
حیدر آباد پہنچے تو رمضان المبارک کا آغاز ہوگیا اس
شہر میں ٹھہر کر میں نے مہینہ بھر نماز تراویح پڑھائی
اور عید کے موقع پر وہاں کے مسلمانوں نے مجھے
نقدی و مختلف قسم کے تحائف سے لاد دیا جن کی
کل مالیت چالیس ہزار روپے کے لگ بھگ تھی
اور اس زمانے میں یہ ایک بہت بڑی رقم تھی۔
وہاں سے شیخ سید عبداللہ الزواوی مفتی شافعیہ جو
مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے جاوا انڈونیشیا میں مقیم
تھے ان کی دعوت پر میں ہندوستان سے انڈونیشیا
اور پھر وہاں سے دوبارہ ہندوستان پہنچا۔ (۲۲)

پھر آپ نے دارالخلافہ استنبول جانے اور
وہاں پر کسی مدرسے میں پڑھانے کا مصمم ارادہ کیا
اور کشاں کشاں استنبول پہنچے۔ وہاں جب شریف
حسین بن علی ------ جو بعد میں شاہ حجاز
بنے ------ کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں
نے آپ کی بھرپور ضیافت کی اور اپنے گھر میں قیام
پر آمادہ کیا۔ شیخ عبداللہ سراج نے استنبول میں
شریف حسین بن علی کے ہاں اٹھارہ ماہ مقیم رہ کر
اپنے علمی مشاغل جاری رکھے۔ خود فرماتے ہیں کہ
وہاں پر میری رہائش گاہ شریف عبداللہ بن حسین
(۲۳)------ جو بعد میں شاہ اردن
بنے ------ کی رہائش گاہ سے ملحق تھی اور ان
دونوں باپ بیٹے نے مجھ سے یکساں روابط استوار
رکھے۔ یہاں قیام کے دوران خلافت عثمانیہ کے
اعلی عہدیداروں' امراء و زعماء نے شیخ عبداللہ
سراج کو شاندار پذیرائی بخشی اور خلیفہ سلطان
عبدالحمید نے آپ کو ایوارڈ "تمغہ حمیدی" پیش
کیا۔

اس دوران ترکی اور اتحادیوں کے درمیان
۲۷ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو ایک معاہدہ طے پایا
(۲۴) جس کے نتیجے میں ترکی اور اس کی عرب
رعایا کے درمیان فاصلے بہت بڑھ گئے اور خلافت
عثمانیہ کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل تیز ہوگیا۔ ادھر شریف
عون رفیق ۹ ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ تا جمادی الاول
۱۳۲۳ھ مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرکے اس دنیا سے
رخصت ہوئے اور ان کی جگہ شریف علی پاشا بن
عبداللہ نے لی جو بدلتے حالات کے نتیجے میں
۱۳۲۶ھ میں معزول کیئے گئے اور یہ منصب شریف
عبداللہ بن محمد بن عون کو سونپا گیا جو استنبول میں
تھے لیکن وہ بیمار پڑ گئے اور اپنی تقرری کے فقط پانچ
دن بعد ۳ شوال ۱۳۲۶ھ کو وہیں پر وفات پائی۔
اس پر شریف حسین بن علی امیر مکہ قرار پائے جو

استنبول میں مقیم تھے اور شیخ عبداللہ سراج انہی کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔

شریف حسین بن علی اپنا منصب سنبھالنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو شیخ عبداللہ سراج نے بھی وطن واپسی کی تیاری کی اور یہ صاحبان ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ کو مکہ مکرمہ پہنچے (۲۵)۔ شریف حسین نے امیر مکہ کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی "مفتی احناف" کا منصب جلیل شیخ عبداللہ سراج کے سپرد کیا جس پر قبل ازیں آپ کے والد شیخ عبدالرحمٰن سراج اور دادا شیخ عبداللہ سراج رحمتہ اللہ علیہم (۲۶) خدمات سرانجام دے چکے تھے۔

اس دوران آپ "مجلس المبحوث" کے دو بار رکن منتخب ہوئے۔ یہ رکن ہر پچاس ہزار کی آبادی میں سے ایک چنا جاتا تھا۔ بالاخر آپ اس کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے (۲۷)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے "مجلس المبحوث" کو ترکی اور عربوں کے درمیا مخاصمت بڑھانے نیز اتحادیوں کی طرف ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت میں ملوث پایا۔

شریف حسین ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ تا ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ خلافت عثمانیہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے امیر رہے (۲۸)۔ یہ دور حجاز میں شورش، پہلی عالمی جنگ، اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا دور تھا۔ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ کو شریف حسین نے حجاز میں انقلاب، خود مختاری اور اپنی بادشاہت کا آغاز کیا۔ شریف حسین نے اپنے محل سے فائر کرکے اس انقلاب کا اعلان کیا عین اسی وقت شیخ عبداللہ سراج مفتی احناف نے شریف حسین کے حکم پر مسجد الحرام میں خطاب فرمایا اور لوگوں کو اس تبدیلی سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر مکہ مکرمہ کے علاوہ طائف شہر میں تین ہزار ترک فوجی موجود تھے اور یہ شہر ابھی شریف حسین کے قبضہ میں نہیں آیا تھا۔ شیخ عبداللہ سراج کا اصل وطن طائف تھا اور وہاں پر آپ کا قبیلہ وسیع اراضی کا مالک اور علاقے کا مشہور و معروف اور بااثر قبیلہ تھا۔ چنانچہ شریف حسین نے شیخ عبداللہ سراج کو طائف روانہ کیا تاکہ آپ اس اثر و رسوخ سے کام لیں اور باہم جدال و قتال کی نوبت نہ آئے۔ نتیجتاً" کم جانی نقصان کے بعد ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء کو طائف پر شریف حسین کا قبضہ ہوگیا (۲۹)۔ اور آہستہ آہستہ پورے حجاز پر ان کی بادشاہت قائم ہوگئی۔ پھر ۶ محرم ۱۳۳۵ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۱۶ء بروز جمعرات بادشاہ کی بیعت کے لئے مجلس منعقد ہوئی پہلے مکہ مکرمہ کے علماء نے بیعت کرنا تھی چنانچہ سب سے پہلے مفتی احناف شیخ عبداللہ سراج نے بیعت کی۔ بیعت کا سلسلہ مکمل ہونے پر شریف حسین نے "ملک بلاد العربیہ" کے لقب سے اپنی بادشاہت کا

باقاعدہ آغاز کیا۔ (۳۰)

ملک حسین نے تخت سنبھالتے ہی "قاضی القضاۃ" کا منصب شیخ عبداللہ سراج کے سپرد کیا۔ نیز حکومتی امور کے اہم عہدے "رئیس الوکلاء" جو وزیر کا درجہ رکھتا تھا اس پر بھی آپ کا تقرر کیا۔ شریف حسین کے بعد اس کے بیٹے شریف بن علی حسین حجاز کے حکمران ہوئے اور شیخ عبداللہ سراج ان کے دور میں بھی بیک وقت تین اعلی مناصب "رئیس الوکلاء" "قاضی القضاۃ" اور "مفتی احناف" پر تعینات رہے۔ (۳۱)

شریف حسین ۵ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو اپنے بیٹے علی بن حسین کے حق میں بادشاہت سے دستبردار ہوکر جدہ کے راستے عقبہ چلے گئے۔ اسی دوران خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لئے قاہرہ میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (۳۲)۔ شیخ عبداللہ سراج اس میں شرکت کے لئے قاہرہ پہنچے۔ ادھر حجاز کے حالات بہت بگڑ چکے تھے۔ شریف حسین خاندان کی حکمرانی دس سال سے زائد جاری نہ رہ سکی بالآخر حجاز کے بادشاہ علی بن حسین اور نجد کے بادشاہ عبدالعزیز آل سعود کے درمیان ایک معاہدہ طے پاگیا جس کے نتیجے میں علی بن حسین نے پورا حجاز شاہ عبدالعزیز کے حوالے کردیا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو شیخ عبداللہ سراج کانفرنس کے بعد قاہرہ تشریف فرما تھے اور مصر پر شاہ فواد حکمران تھا۔ حجاز مقدس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بعد شاہ فواد نے شیخ عبداللہ سراج کو سوڈان میں "قاضی القضاۃ" کا عہدہ قبول کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے معذرت ظاہر کردی۔ اسی دوران مشرقی اردن کے امیر عبداللہ بن حسین نے آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اس پر آپ اردن تشریف لے گئے جہاں ملک عبداللہ بن حسین کی خواہش پر ۱۳۴۸ھ میں آپ وزیراعظم اردن کا عہدہ سنبھالا۔ اردن میں آپ کے دور وزارت میں آئین ساز مجلس کا قیام عمل میں آیا اور ملک کے متعدد قوانین بنائے گئے۔ معاہدہ بالفور کے نتیجے میں ان دنوں یہودیوں نے نقل مکانی کرکے اس علاقے میں آباد ہونے کی کوششیں تیز تر کردیں۔ آپ نے قانون بنایا کہ کوئی بھی شہری کسی غیر ملکی کو نہ تو زمین فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہی اجرت پر دے سکتا ہے۔ اس قانون کی بڑی اہمیت و افادیت تھی۔ آپ دو سال چار ماہ اردن کی وزارت عظمی پر متمکن رہنے کے بعد فالج کی بیماری میں مبتلا ہونے کے باعث اس سے مستعفی ہوگئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حجاز و نجد کے بادشاہ عبدالعزیز آل سعود نے آپ کو بہ عزت و احترام واپس حجاز آنے کی دعوت دی جواباً آپ نے معذرت اور شکریہ کا خط لکھ بھیجا اور انہیں اپنے اردن ہی میں مقیم رہنے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔

شیخ عبداللہ سراج وزارت سے الگ ہونے کے بعد بیماری میں سترہ سال زندہ رہنے کے بعد رجب ١٣٦٨ھ مطابق ١٩٤٨ء کو وصال فرما گئے اور عمان کے شاہی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ کے وصال پر شاہ اردن عبداللہ بن حسین کا جو تعزیتی بیان اخبارات میں شائع ہوا اس میں انہوں نے کہا کہ :

"قبیلہ بنی ہاشم کے عظیم رہنما نے سادہ زندگی گزاری اور سادگی پر ہی وفات پائی۔"

شیخ عبداللہ سراج کی زندگی ذاتی شرافت اور وسیع تعلقات سے متصف ایک مثالی زندگی تھی۔ آپ نوعمری میں وطن سے نکلے اور جوانی میں واپس لوٹے، جلاوطنی اور اسفار کے دوران آپ نے علم کی نعمت سے اپنے دامن کو خوب بھرا (٣٣)، حجاز و اردن میں اعلی مناصب پر فائز رہے، حالات کے اتار چڑھاؤ میں اپنے اخلاق و کردار پر مضبوطی سے جمے رہے، بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود آپ کے عظیم اخلاق و کردار میں کسی قسم کی کجی نہ آئی، مال و متاع کو جمع کرنا اپنے اوپر حرام رکھا، اور جیسا کہ شاہ عبداللہ بن حسین نے آپ کے بارے میں کہا :

عاش فقیرا" و مات فقیرا"

حوالے وحواشی

(۱) یہ مضمون علی مغربی کی کتاب "اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر للهجرة و بعض القرون الماضیه" جلد سوم، طبع اول، ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء، مطبع المدنی موئسستہ السعودیہ قاہرہ مصر کے صفحات ۳۳۹۔ ۳۹۳ سے ماخوذ ہے۔

محمد علی مغربی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کو جدہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ الفلاح میں پائی اور مجلّہ "صوت الحجاز" کی مجلس ادارت سے وابستہ ہوگئے ساتھ ہی تجارت کے شعبے میں سرگرم رہے۔

(الحرکتہ الادب فی المملکتہ العربیتہ السعودیہ، تالیف ڈاکٹر بکری شیخ امین، طبع چہارم ۱۹۵۸ء، دارالعلم للملایین بیروت لبنان، صفحہ نمبر ۴۵۷) مغربی کی تصانیف یہ ہیں۔

---- البعث، کہانیوں کا مجموعہ، ۱۳۶۴ھ اور پھر ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوئی۔

---- حیات من عنقود، دو ایڈیشن ۱۳۸۷ھ، ۱۴۰۵ھ

---- لعنتہ ھذا الزمن، مجموعہ مقالات، مطبوعہ ۱۳۸۷ھ

---- ملامح الحیاة الاجتماعیہ فی الحجاز فی القرن الرابع عشر لهجرة، چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر کے صوبہ حجاز کی معاشرتی زندگی کی تفصیلات پر مشتمل ہے، سعودی وزارت تعلیم کی طرف سے سرکاری مدارس کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ، تین ایڈیشن، ۱۴۰۲ھ، ۱۴۰۵ھ میں دو بار،

---- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مصنف نے مشاہیر صحابہ کرام پر کتب لکھنے کا سلسلہ شروع کیا یہ اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے، مطبوعہ ۱۴۰۳ھ

---- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، مطبوعہ ۱۴۰۳ھ، ۱۴۱۵ھ

---- عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، مطبوعہ ۱۴۰۴ھ، ۱۴۰۷ھ

---- علی بن ابی طالب والحسن بن علی رضی اللہ عنہم، مطبوعہ ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۵ھ

---- الاسلام فی شعر شوقی، امیر الشعراء احمد شوقی (وفات ۱۹۳۲ء) کی شاعری بالخصوص ان کے نعتیہ کلام پر ایک تحقیقی مقالہ، جو سعودی ادیبوں کی ملک گیر تنظیم کے پہلے اجلاس منعقدہ ۷ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ بمقام مکہ مکرمہ میں پڑھا گیا، مطبوعہ ۱۴۰۴ھ

---- تاریخ الدولتہ الامویہ، اموی دور خلافت کی مفصل سیاسی تاریخ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم سے مروان بن محمد الحمار تک کے تمام خلفاء کے حالات، مطبوعہ ۱۴۰۹ھ

---- رباعیات محمد علی مغربی، جدہ سے شائع ہونے والے روزنامہ "المدینتہ المنورہ" میں سات سال تک ہر ہفتے چھپنے والے کلام کا مجموعہ، مطبوعہ ۱۴۱۵ھ

---- لمعات من تاریخ الحجاز قبل الاسلام، مطبوعہ ۱۴۱۴ھ

---- اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر للهجرة، چودھویں صدی ہجری کے تیں مشاہیر حجاز کے مفصل حالات، جلد اول کل صفحات ۳۹۲، دو ایڈیشن ۱۴۰۱ھ، ۱۴۰۵ھ، اس کتاب کے بعض حصے قبل ازیں روزنامہ "البلاد" جدہ میں شائع ہوئے۔

---- اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر للهجرة، دس علماء، مورخین شعرا و ادباء کے حالات جن میں ان کی مطبوعہ تصانیف اور مخطوطات سے استفادہ کیا گیا، جلد دوم، کل

صفحات ۳۵۲، دو ایڈیشن ۱۴۰۴ھ، ۱۴۱۵ھ

--- اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر للھجرۃ و بعض القرون الماضیہ، دس اکابرین حجاز کا تفصیلی تذکرہ اور ان کی مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ تصنیفات کا مکمل تعارف، جلد سوم، کل صفحات ۵۱۶، مطبوعہ ۱۴۱۰ھ، ۱۴۱۵ھ

--- اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر و الخامس عشر الھجری، دس مشاہیر حجاز کا تذکرہ اور ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کا تعارف، جلد چہارم، کل صفحات ۲۸۸، مطبوعہ ۱۴۱۴ھ

--- القصیدۃ النبویہ، منظوم واقعات سیرت، ۱۴۳۱ اشعار اور ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں جدہ سے پہلا ایڈیشن شائع ہوا یہ کتاب بہاؤ الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال میں موجود ہے۔

--- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیاء و المرسلین، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نثر میں لکھی گئی عام فہم کتاب، کل صفحات ۷۵۴، مطابع دار البلاد جدہ، طبع اول ۱۴۱۷/۱۹۹۶ء

محمد علی مغربی نے مسجد الحرام مکہ مکرمہ میں عالم جلیل فضیلتہ الشیخ الامام السید علوی بن عباس المالکی رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں بھی تعلیم پائی۔ "اعلام الحجاز" جلد دوم کے صفحات ۲۷۴۔۲۸۴ پر سید علوی مالکی مرحوم کے حالات درج ہیں جن کا ملخص اردو ترجمہ مولانا افتخار احمد قادری مصباحی نے کیا جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے سالنامہ "معارف رضا" کراچی میں شائع کردیا ہے۔ محمد علی مغربی نے ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ (ع)

(۲) مفتی مکہ شیخ جمال عبداللہ کے حالات کے لئے دیکھئے : عالم المکی قاضی الشیخ عبداللہ مرداد ابوالخیر کی کتاب "نشر النور والزہر" اس کتاب میں دسویں سے چودہویں صدی ہجری تک کے مکہ مکرمہ کے چھ سو علماء و ادباء کے حالات درج ہیں۔ شیخ عبداللہ مرداد کی یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے الفاسی (وفات ۸۳۲ھ) کی کتاب "العقد الثمین" کے بعد اہم اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ شیخ محمد سعید العامودی اور شیخ احمد علی نے نشر النور و الزہر کی تلخیص کی اور اسے نئے سرے سے مرتب کرکے اس پر حواشی لکھے جسے محمد سرور الصبان نے ۱۳۷۹ھ میں "ونظم الدرر فی اختصار نشر النور والزہر" کے نام سے شائع کرایا اس کا دوسرا ایڈیشن عالم المعرفہ جدہ نے ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں طبع کرایا۔

(۳) شیخ احمد زینی دحلان رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۳۲ھ---۱۳۰۴ھ/۱۸۱۷---۱۸۸۶ء) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی، فقیہ اور مورخ تھے درس و تدریس میں زندگی گزاری۔ آپ کے دور میں مکہ مکرمہ میں پہلا مطبع نصب ہوا جس سے آپ نے متعدد کتب طبع کرائیں۔ آپ کی والدہ "خدیجہ الطبویہ" کا شمار مکہ مکرمہ کے اجل علماء میں ہوتا تھا۔ شیخ دحلان کی اہم تصانیف کے نام یہ ہیں :

--- تاریخ الدول الاسلامیہ بالجداول المرضیہ، مطبعہ البہیہ قاہرہ، ۱۳۰۶ھ

--- خلاصہ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام، مطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۵ھ

--- الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ، مطبعہ البابی الحلبی قاہرہ، ۱۳۱۹ھ

--- السیرۃ النبویہ و الاثار المحمدیہ، مطبعہ بولاق مصر، ۱۲۹۲ھ

----- الفتوحات الاسلامیہ بعد مضی الفتوحات النبویہ' مطبعہ المیریہ بکہ' ۱۳۰۲ھ

ڈاکٹر امین نے اپنی کتاب میں "تاریخ الدول اسلامیہ" کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

(الحرکتہ الادب فی المملکتہ العربیہ السعودیہ' ڈاکٹر بکری شیخ امین' صفحات ۷۵' ۱۴۰۹۶۱۳۔ ۶۱۲' ۶۵۲)

شیخ احمد زینی دحلان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ شیخ زہیر محمد جمیل کتبی مکی (ولادت ۱۳۷۵ھ) نے اپنی پانچ جلدوں پر مشتمل کتاب "رجال من مکہ المکرمہ" کی تیسری جلد مطبوعہ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء کے صفحات ۱۸۷۔ ۲۱۲ پر شیخ دحلان اور ان کے خاندان کے دیگر اہم افراد کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ آپ کی اٹھائیس تصنیفات و تالیفات اور شروحات کے نام درج کئے ہیں۔ شیخ دحلان کے خاندان نے انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں متعدد دینی مدارس قائم کئے ہیں جو اب تک جاری و ساری ہیں۔

شیخ دحلان کی بعض تصانیف لبنان' ترکی اور پاکستان سے بھی شائع ہوئیں "خلاصہ الکلام" کا ایک ایڈیشن دارالمتحدہ بیروت نے طبع کرایا' ترکی میں شیخ حسین حلمی الشیق استنبولی نے آپ کی تین اہم تصانیف کے متعدد ایڈیشن چھپوا کر دنیا بھر میں مفت تقسیم کئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ پاکستان میں آپ کی کتاب "الدرر السنیہ" کا عربی متن پشاور سے چھپا اور اس کے متعدد اردو تراجم سامنے آئے' ایک ترجمہ مولانا ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں رحمتہ اللہ علیہ نے کیا جو بریلی سے شائع ہوا دوسرا ترجمہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک فاضل مرید نے کیا جس کا تازہ ایڈیشن مولانا ابوداؤد محمد صادق حفظ اللہ تعالیٰ کی سعی سے مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ نے شائع کر رکھا ہے۔ مولانا محمد کرم الدین دبیر مرحوم کی کتاب "آفتاب ہدایت" کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۵ء کے آخری صفحہ پر درج اشتہار سے "الدرر السنیہ فی الرد علی الوھابیہ" کے تیسرے اردو ترجمہ (مترجم کا نام درج نہیں) کا ثبوت ملتا ہے۔ شیخ دحلان رحمہ اللہ تعالیٰ سے عالم اسلام کے جن اکابر علماء کرام کی کثیر تعداد نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی و مولانا احمد الدین چکوالوی کے نام بھی شامل ہیں۔ (ع)

(۴) مولانا رحمت اللہ کیرانوی ثم عثمانی رحمتہ اللہ کے حالات کے لئے دیکھئے : اعلام الحجاز' جلد دوم' صفحات ۲۸۶۔ ۳۱۳' نیز دیکھئے : ماہنامہ المنہل جدہ' شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء' مضمون بعنوان "المدرستہ الصولتیہ و جھاد قرن من الزمان" بقلم مسعود سلیم رحمت اللہ' صفحات ۱۵۲۔ ۱۶۶ (ع)

(۵) شریف عبداللہ بن عون کے حالات کے لئے دیکھئے: امراء البلد الحرام' سید احمد زینی دحلان' صفحات ۳۶۶۔۳۷۶

(۶) نشر النور والزھر' صفحات ۲۴۳۔ ۲۴۴

(۷) احمد المشاط ایک دیانت دار و خوش اخلاق تاجر تھے جدہ میں آپ کی وسیع تجارت تھی۔ حکومت مصر کی طرف سے آپ کو بحری جہازوں میں حجاج و زائرین کو لانے اور واپس پہنچانے کا کام سونپا گیا تھا۔ مسافروں سے اچھے معاملات کی وجہ سے آپ ہردلعزیز شخصیت تھے۔ احمد المشاط کے حالات کے لئے دیکھئے : احمد بن محمد الحضراوی (۱۲۵۲ھ ۔ ۱۳۲۷ھ) کی کتاب "الجوھر المعدۃ فی فضائل مدینہ جدۃ" جس پر شیخ حمد الجاسر نے تحقیق کی اور حواشی لکھ کر اسے ماہنامہ "العرب" الریاض ۹۹ ۔ ۱۳۹۸ھ کے شماروں میں قسط وار شائع کیا۔

احمد الحضراوی الشاذلی کے حالات اور ان کی تصانیف کے مفصل تعارف کے لئے دیکھئے : اعلام الحجاز، جلد سوم صفحات ۷۵ ـ ۲۰۳

(۸) شیخ عبدالرحمٰن الشیبی، شریف مکہ عون الرفیق کے عہد میں بیت اللہ کے کنجی بردار تھے۔ عون الرفیق نے کسی بات پر خفا ہوکر آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال کر طائف بھیج دیا وہیں پر آپ نے وفات پائی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ طائف سے ہندوستان ہجرت کرگئے تھے۔ (تاریخ مکہ، احمد السباعی، طبع چہارم ۱۳۹۹ھ، ناشر نادی مکہ للثقافہ، صفحہ ۵۵۱)

احمد السباعی (۱۳۲۳ھ ـ ۱۴۰۴ھ) کے حالات کے لئے دیکھئے : اعلام الحجاز، جلد سوم، صفحات ۱۰ ـ ۴۷

(۹) شیخ عبداللہ بن شیخ الباز الکتبیی کی اولاد اس وقت (۱۹۸۰ء) مکہ مکرمہ میں کتابوں کی تجارت میں نمایاں ہے۔

(۱۰) خزانہ الادب مولفہ عبدالقادر بن عمر بغدادی (۱۰۳۰ھ ـ ۱۰۹۳ھ) چار ضخیم جلدوں میں مطبعہ بولاق نے ۱۲۹۹ھ میں طبع کی تھی۔ بعد ازاں اس کا ایک ایڈیشن علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی و علامہ احمد تیمور پاشا کی تحقیق و تعلیمات کے ساتھ منظرعام پر آیا۔ پھر اس پر عالم عرب کے معروف محقق عبدالسلام محمد ہارون نے تحقیق کی جسے مکتبہ الخانجی قاہرہ نے تیرہ جلدوں میں شائع کیا اور اب یہی ایڈیشن بازار میں دستیاب ہے۔ (ع)

(۱۱) خلاصتہ الکلام فی تاریخ امراء البد الحرام، سید احمد زینی دحلان، دارلمتحدہ للنشر بیروت، صفحہ ۳۷۵

(۱۲) تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحہ ۵۳۹

(۱۳) الفتوحات الاسلامیہ، سید احمد زینی دحلان، مطبعہ مصطفیٰ محمد مکتبہ التجاریہ الکبری محمد علی پاشا روڈ قاہرہ، جلد دوم، صفحہ ۳۱۲

(۱۴) شریف عون رفیق کے حالات کے لئے دیکھئے : امراء البلد الحرام، سید احمد زینی دحلان، صفحہ ۳۰۱، نیز تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحہ ۵۵۱، اور شیخ عبداللہ غازی مکی (۱۲۹۰ھ ـ ۱۳۵۷ھ) کی چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل غیر مطبوعہ کتاب "افادۃ الانام باخبار البلد الحرام" شیخ عبداللہ غازی مکی کے حالات اور ان کی اس کتاب کے تعارف کے لئے دیکھئے : اعلام الحجاز، جلد چہارم، صفحات ۸۷ ـ ۲۱۱

(۱۵) مفتی مالکیہ العلامتہ الشیخ محمد عابد بن حسین ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد مفتی مالکیہ کے منصب پر خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۱ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ آپ کا گھر طالبان علم کے لئے علم و معرفت کا خزانہ تھا۔ آپ کی دو تصانیف یہ ہیں :

---- هدیہ الناسک علی توضیح المناسک، اپنے والد مرحوم کی کتاب کے ادق مقامات کو عام حجاج کے لئے آسان بنا کر شائع کیا۔

---- توسل کے جواز پر ایک رسالہ تالیف فرمایا۔

(بحوالہ : سیروتراجم بعض علمائنا فی القرن الرابع عشر للهجرة، عمر عبدالجبار، مکتبہ تهامہ جدہ، طبع دوم ۱۴۰۳ھ صفحات ۱۵۲ ـ ۱۵۳، عمر عبدالجبار (۱۳۲۰ھ ـ ۱۳۹۱ھ) کی اس کتاب میں چودھویں صدی ہجری کے ۱۳۰ کے قریب علمائے مکہ مکرمہ کے حالات درج ہیں۔ اس کا مقدمہ سید علوی بن عباس المالکی مرحوم نے لکھا، پہلا ایڈیشن ۱۳۵۸ھ میں شائع ہوا) شیخ محمد عابد مکی کے اساتذہ میں آپ کے والد کے علاوہ مفتی شافعیہ و شیخ علماء مکہ سید احمد دحلان کے نام شامل ہیں۔ اور آپ کے شاگردوں میں آپ کے چھوٹے بھائی شیخ محمد علی بن حسین المالکی (۱۲۸۷ھ ـ ۱۳۶۷ھ) کا نام اہم ہے۔

الدلیل المشیر کے مصنف نے شیخ محمد علی بن حسین مالکی کی ۳۹ تصانیف کے نام درج کئے ہیں۔ دیکھئے : الدلیل المشیر، قاضی مکہ شیخ ابی بکر بن احمد الحبشی العلوی (۱۳۲۰ھ - ۱۳۷۴ھ)، ناشر مکتبہ المکیہ مکہ مکرمہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء صفحات ۲۷۱ - ۲۷۷۔

علماء دیوبند کے افکار و نظریات کی تردید میں لکھی گئی مولانا غلام دستگیر قصوری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید و الخلیل" (۱۳۰۸ھ) نیز مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کتاب "الدولتہ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" (۱۳۲۳ھ) و "حسام الحرمین" (۱۳۲۴ھ) پر مفتی مالکیہ شیخ محمد عابد بن حسین رحمتہ اللہ علیہ کی تقاریظ موجود ہیں۔ حسام الحرمین میں آپ کا نام ان القابات کے ساتھ درج ہے :

"صورۃ ماحبرہ حامل لواء العلماء المالکیہ مطرح الانوار العرشیہ والفلکیہ الفاضل البارع الخاشع المتواضع ذوالتقی و النقی مفتی المالکیہ سابقا مولانا الشیخ عابد بن حسین زینہ اللہ بازین زین" (صفحہ نمبر ۶۳)

اور تقریظ لکھتے ہوئے شیخ محمد عابد مالکی نے اعلی حضرت کا ذکر ان الفاظ میں کیا :

"سید العلماء الاعلام و فخر الفضلاء الکرام وسعد الملہ والدین احمد السہو والعدل فی کل وطر العالم ذو الاحسان حضرۃ المولی احمد رضا خان......" (صفحہ نمبر ۶۳) ع

(۱۶) مفتی شافعیہ شیخ سید عبداللہ ابن محمد صالح الزواوی ۱۲۶۶ھ کو پیدا ہوئے۔ مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی۔ مسجد الحرام میں مدرس رہے جہاں باب بنی شیبہ کے قریب آپ کا حلقہ درس ہوتا تھا۔ مفتی شافعیہ کے منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں ہندوستان، انڈونیشیا، چین اور جاپان کے سفر کئے۔ ہاشمی عہد میں "رئیس مجلس شوری" اور "رئیس مجلس الشیوخ" رہے۔ نہر زبیدہ کے بھی نگراں رہے اور اس کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی۔ ۱۳۴۳ھ کو طائف میں وفات پائی۔ سیرو تراجم، عمر عبدالجبار، صفحات ۱۴۰ - ۱۴۲)

(۱۷) شیخ السادہ سید علوی السقاف کے حالات کے لئے دیکھئے : نشر النور و الزہر، صفحات ۳۴۳ - ۳۴۵

(۱۸) محمد علی مغربی نے شیخ سراج حسین بن شیخ عبداللہ سراج بن شیخ عبدالرحمٰن سراج بن شیخ عبداللہ سراج سے ملاقاتوں کے دوران ان سے معلومات حاصل کر کے انہیں زیر نظر مضمون میں شامل کیا۔

شیخ سراج حسین ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو طائف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ الفلاح مکہ مکرمہ میں پائی پھر مشرقی اردن چلے گئے اور وہاں سے میٹرک کیا۔ بعد ازاں بیروت لبنان میں واقع امریکی یونیورسٹی سے منسلک ہوگئے اور اس کی اعلی ڈگری حاصل کی۔ عملی زندگی میں قدم رکھا تو متعدد اعلی مناصب پر فائز رہے۔ وزارت خارجہ اردن کے مشیر اور پھر شاہ اردن عبداللہ بن حسین کے عہد میں شاہی دیوان کے صدر رہے آگے چل کر مصر میں اردن کے سفیر ہوئے۔ زاں بعد رابطہ عالم اسلامی کے مدیر رہے۔ عالم و ادب سے گہرا تعلق رہا، اہم تصانیف یہ ہیں :

----عزام ولادۃ، شعری مجموعہ ----جمیل بثنیہ

----ظالم نفسہ، یہ تینوں کتب ۱۹۵۲ء میں مصر سے شائع ہوئیں۔ (بحوالہ : الحرکہ الادبیہ فی المملکۃ العربیہ السعودیہ، ڈاکٹر بکری شیخ امین، صفحات ۲۱۳ - ۶۵۵)۔ ع

(۱۹) تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحات ۵۵۱ - ۵۵۲

(۲۰) شیخ محمد علی سراج بن عبدالرحمٰن سراج ۱۲۹۷ھ کو طائف میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق چونکہ ایک علمی گھرانے سے تھا لہذا اسی ماحول میں تربیت پائی اور والد کے عظیم کتب خانہ سے بھی بھرپور استفادہ اٹھایا۔ قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے ساتھ ہی دیگر علوم کی اہم کتب کے متون بھی آپ کو مستحضر تھے ان میں بلاغت پر الفیہ ابن مالک،

الجوہر المکنون، منطق میں "السهم" فرائض میں "الرحبیہ" شامل ہیں۔ ان کتب کی شرح اپنے والد سے پڑھی۔ مزید برآں اپنے والد کے شاگرد شیخ احمد نجار سے نحو، صرف اور بلاغت کے علوم پڑھے شیخ عبدالحفیظ قاری سے فقہ تفسیر اور حدیث نیز شیخ شعیب الدکالی المغربی سے ان کے قیام طائف کے دوران متعدد علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ بعد ازاں شیخ محمد علی سراج مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور عثمانی عہد میں مسجد الحرام میں امامت و خطابت اور خطبہ جمعہ کی خدمات پر تعینات ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ تقوی و پرہیز گاری اور تواضع و اخلاق میں مثالی کردار کے حامل تھے۔ سعودی عہد میں طائف کے قاضی رہے جہاں آپ کے شہر کے تمام طبقوں میں ایک ہر دلعزیز شخصیت تھے اور آپ کے عدل و انصاف کا شہرہ تھا۔ بعد ازاں آپ محکمہ قضاء کی سپریم کونسل کے رکن بنائے گئے جس پر آپ طویل عرصہ تک متمکن رہے تاآنکہ پیرانہ سالی کے باعث ازخود مستعفی ہوئے۔ شیخ محمد علی سراج نے ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی۔ (بحوالہ : سیر و تراجم بعض علمائنا فی القرن الرابع عشر للهجرة، عمر عبدالجبار صفحہ نمبر ۲۷۴)۔ ع

(۲۱) جزیرۃ العرب کے باشندوں میں یہ رواج ہے کہ جو نام دادا کا ہوتا ہے آگے چل کر یہی نام ایک پوتے کا رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عبدالرحمٰن سراج کے والد کا نام عبداللہ سراج تھا جو مکہ مکرمہ کے اکابر علماء میں سے تھے تو شیخ عبدالرحمٰن سراج کے ایک بیٹے کا نام بھی عبداللہ سراج ہے جن کا مفصل تعارف پیش نظر تحریر کی آئندہ سطور میں آرہا ہے۔ اس خاندان کے چند بزرگوں کے اسماء گرامی اس ترتیب سے ہیں :

شیخ حسین سراج (ولادت ۱۳۳۱ھ) بن شیخ عبداللہ سراج (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۸ھ) بن شیخ عبدالرحمٰن سراج (۱۲۴۹ھ - ۱۳۱۴ھ) بن شیخ عبداللہ سراج (وفات ۱۲۶۴ھ) بن شیخ عبدالرحمٰن سراج

جزیرہ عرب کی شخصیات پر کام کرتے ہوئے وہاں کے اس رواج کو ذہن میں رکھنے کی اشد ضرورت ہے ورنہ واقعات کے اندراج میں خلط ملط کا قوی امکان ہے۔ (ع)

(۲۲) احقر کا اندازہ ہے کہ شیخ عبداللہ سراج ۱۳۲۰ھ میں پہلی بار ہندوستان تشریف لائے۔ (ع)

(۲۳) اردن کے موجودہ (۱۹۹۸ء) کے بادشاہ حسین بن طلال کے دادا۔ (ع)

(۲۴) تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحات ۵۵۸-۵۵۹

(۲۵) ایضاً" صفحات ۵۶۰-۵۶۱

(۲۶) شیخ عبداللہ سراج (وفات ۱۲۶۴ھ) کے حالات کے لئے دیکھئے : المختصر من کتاب نشر النور والزہر، صفحات ۲۹۷-۳۰۰

(۲۷) تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحہ ۵۶۰، بحوالہ افادۃ الانام، شیخ عبداللہ غازی مکی، مخطوط

(۲۸) تاریخ مکہ، احمد السباعی، صفحہ ۵۶۲

(۲۹) الثورۃ العربیتہ الکبری، امین سعید، مطبع عیسیٰ البابی الحلبی قاہرہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۲۰۱

(۳۰) الثورۃ العربیتہ الکبری، امین سعید، جلد سوم، صفحہ ۱۳

(۳۱) ایضاً" صفحات ۱۳۱-۱۳۴

(۳۲) یہ کانفرنس ۱۳ مئی ۱۹۲۶ء کو منعقد ہوئی اور اپنے مقصد میں ناکام رہی

(۳۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کے اثبات اور اس موضوع پر وارد اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ کی کتاب "الدولتہ المکیہ" پر عرب دنیا کے جن اکابر علماء و مشائخ نے تقریظ لکھیں ان میں شیخ عبداللہ سراج مفتی حنفیہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

استاذ امام احمد رضا

علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل شافعی قدس سرہ

عابد حسین شاہ پیرزادہ (چکوال)

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء --- ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے اپنے پہلے سفر حج ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء کے دوران مکہ مکرمہ کے تین اکابر علماء کرام سے مختلف علوم و فنون میں سندات حاصل کیں۔ "الاجازات المتینہ" میں ان علمائے مکہ مکرمہ کے اسماء گرامی یہ دیئے گئے ہیں : علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمتہ اللہ علیہ مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ (وفات ۱۳۰۴ھ)، علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ شیخ الخطباء و امام الشافعیہ مسجد الحرام (وفات ۱۳۰۵ھ)، شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج رحمتہ اللہ علیہ مفتی حنفیہ (وفات ۱۳۱۴ھ)۔

مکہ مکرمہ کے ان تینوں جلیل القدر علماء میں سے ثانی الذکر کے حالات زندگی مطبوعہ عربی کتب میں بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ فقط دو کتب میں آپ کے مختصر حالات مل سکے ان میں سے ایک کتاب کا نام "الشجرة الزكية فی الانساب وسیر آل بیت النبوة" ہے۔ یہ کتاب علامہ سید حسین بن صالح بن سالم جمل اللیل شافعی کے خاندان کے ایک فرد، آپ کے بھائی کے پوتے، بریگیڈیر ابوسہل سید یوسف بن عقیل بن صالح بن سالم جمل اللیل کی تالیف ہے۔ اس کا موضوع سادات خاندان کی ایک شاخ "جمل اللیل" کے انساب اور اہم افراد کے حالات زندگی ہے۔ لہٰذا اس نسبت سے علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل نیز آپ کے اجداد کا مختصر ذکر بھی اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

کتاب کے مؤلف بریگیڈیر سید یوسف بن عبداللہ جمل اللیل ۱۳۵۶ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۹۱ھ میں عسکری علوم میں ایم اے کیا۔

سعودی عرب کی شاہی افواج میں شامل ہوئے اسی دوران ایٹمی اور کیمیائی جنگوں اور دیگر حربی موضوعات پر متعدد مقالات و کتب تصنیف کیں۔ ۱۴۱۲ھ میں ۷۴۰ صفحات پر مشتمل اپنی تصنیف "الشجرة الزکیه" کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت اللواء الرکن کے عہدے پر فائز اور وزارت دفاع میں ایک حساس شعبے کے ڈائریکٹر تھے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اور اس کا آخری باب انتہائی اہم ہے کتاب کے صفحہ آخر پر اطلاع دی گئی کہ اس خاندان کے بزرگوں کے مزید حالات و انساب کی تلاش جاری ہے' جو دست یاب ہوسکے' کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں اس کتاب پر مکہ مکرمہ میں مقیم اس خاندان کے ایک فرد' ماہر انساب عبدالحمید زینی علوی عقیل (پوسٹ بکس نمبر ۸۳۷۵ فون نمبر ۵۴۵۱۸۱۱) نے تقدیم لکھی نیز ان کے مرتب کردہ متعدد شجرے بھی شامل کتاب کئے گئے ہیں۔

دوسری کتاب کا نام "نشر النور و الزهر فی تراجم افاضل مکہ۔ **من القرن العاشر الی القرن الرابع عشر**" ہے جو مکہ مکرمہ کے ایک عالم شیخ عبداللہ مرداد ابوالخیر (۱۲۸۵ھ --- ۱۳۴۳ھ) کی تالیف ہے اس کتاب میں دسویں تا چودھویں صدی ہجری کے چھ سو سے زائد علمائے مکہ مکرمہ کے حالات دیئے گئے ہیں۔ اس کے مصنف مکہ مکرمہ کے باشندے اور علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل کے معاصرین میں سے ہیں۔ علامہ سید حسین کی وفات ۱۳۰۵ھ کے وقت کتاب ہذا کے مصنف کی عمر بیس سال تھی اور وہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے مزید یہ کہ شیخ عبداللہ مرداد کے والد شیخ احمد مرداد (۱۲۵۹ھ --- ۱۳۳۵ھ) نے ۱۲۹۳ھ سے ۱۲۹۹ھ تک منصب "**شیخ الخطباء**" پر فائز رہنے کے بعد استعفی دیا تو ان کی جگہ علامہ سید حسین جمل اللیل اس منصب پر تعینات ہوئے۔ اندر ایں صورت حال علامہ سید حسین جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ کے خاندانی پس منظر اور ان کے حالات زندگی پر مذکورہ بالا دونوں کتب بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ نشر النور کا خلاصہ ۶۴۲ صفحات پر ۱۳۹۸ھ میں پہلی بار شائع ہوا۔ اس وقت یہ دونوں کتب راقم کے سامنے ہیں اور ان کے مختلف صفحات پر علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل اور ان کے اجداد کے جو حالات دیئے گئے ہیں وہ آئندہ سطور میں پیش ہیں۔

رسول اللہ سیدنا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی بیٹیوں کی اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلائی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیوں میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو یہ

نعمت کبریٰ حاصل ہوئی کہ ان کے دونوں بیٹوں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل جاری ہے۔ علامہ سید حسن بن صالح جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ کا نسبی تعلق اسی اشرف و مبارک نسل سے ہے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :

علامہ سید حسین (وفات ۱۳۰۵ھ) بن صالح بن سالم بن محمد بن علوی الفقیہ بن عبداللہ بن محمد البوری بن عبداللہ باحسن جمل اللیل بن محمد المغروم بن سالم بن احمد بن عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جمل اللیل (۷۵۰ھ --- ۸۴۵ھ) بن حسن المعلم (وفات ۷۷۵ھ) بن محمد اسد اللہ (وفات ۷۷۸ھ) بن حسن الترابی (وفات ۷۲۱ھ) بن علی (وفات ۶۷۳ھ) بن محمد الفقیہ المقدم (پیدائش ۵۷۴ھ) بن علی (وفات ۵۹۵ھ) بن محمد صاحب مرباط (وفات ۵۵۶ھ) بن علی خالع قسم (وفات ۵۲۹ھ) بن علوی (فات ۵۱۲ھ) بن امام محمد (وفات ۴۴۶ھ) بن علوی بن عبید اللہ (وفات ۳۸۳ھ) بن المہاجر احمد (وفات ۳۴۵ھ) بن عیسیٰ (مدفون بصرہ) بن محمد بن علی العریضی (فات ۲۱۰ھ) بن امام جعفر صادق (وفات ۱۴۸ھ) بن امام محمد باقر (وفات ۱۱۳ھ) بن علی زین العابدین (وفات ۹۵ھ) بن ابوالشہداء حسین (وفات ۶۱ھ) بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ (وفات ۴۰ھ) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) و حضرت فاطمہ الزہراء (وفات ۱۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

علامہ سید حسین جمل اللیل کے ایک جد امجد امام علی عریضی بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلے پر العریض نامی ایک گاؤں میں رہائش پذیر تھے وہیں وفات پائی اور العریض میں ہی دفن ہیں آپ کی قبر مشہور ہے۔ سید علی عریض کے حالات زندگی متعدد کتب میں ملتے ہیں۔

امام سید علی عریضی کے فرزند سید (النقیب) محمد اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد مدینہ منورہ سے عراق ہجرت کی اور بصرہ میں سکونت اختیار کی۔

بعد ازاں ۳۱۷ھ میں شیخ الاسلام سید احمد المہاجر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے عبداللہ المعروف بہ ابو علوی عبید اللہ (وفات ۳۸۳ھ) کے ساتھ بصرہ سے نقل مکانی کرکے حضر موت کے شہر تریم کے قریب واقع مقام الحسیسہ میں رہائش اختیار کی۔ اور ۳۴۵ھ میں وہیں وفات پائی۔ تریم شہر کے قریب نبی اللہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک ہے جس پر ہر دور میں اہل علم و فضل بکثرت حاضر ہوتے رہے پھر آئندہ صدیوں میں یہ

شہر سادات علویہ کے علماء مشائخ کا مرکز بنا اور اب تریم کی وجہ شہرت یہی دو اسباب ہیں۔ سنگاپور میں اسلام کی آمد و پھیلاؤ اسی خاندان کی ایک شاخ "آل جنید" کے علماء و مشائخ اور تجار کی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو تریم سے سنگاپور تشریف لے گئے۔ وہاں پہلی مسجد تعمیر کی، زمین خرید کر مسلمانوں کا پہلا قبرستان بنایا، فلاحی مراکز و مدارس اسلامیہ قائم کئے۔ (آل جنید خاندان کے اکابرین کی ملی خدمات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب "العقود العسجدیہ فی مناسب بعض افراد الاسرة الجنیدیہ" چند سال قبل سنگار پور سے شائع ہوچکی ہے۔ عابد)۔ الغرض سید احمد المهاجر اس خاندان کے وہ پہلے فرد ہیں۔ جنہوں نے علاقہ حضرت موت کو اپنا مسکن بنایا اور پھر یہیں سے آپ کی اولاد نے فروغ اسلام کے لئے وہ گراں قدر خدمات انجام دیں جو تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہیں۔

امام سید علوی بن عبید اللہ بن احمد حضر موت میں پیدا ہوئے آپ سادات خاندان کے پہلے فرد ہیں جن کا نام "علوی" رکھا گیا۔ اس وقت حضر موت، یمن، سعودی عرب اور جزیرہ عرب کے جنوبی علاقوں میں آباد قبائل، آل علوی، بنی علوی، با علوی، ابن علوی سب انہی امام سید علوی بن عبید اللہ کی نسل ہیں۔

امام محمد بن علوی عبید اللہ ۳۹۰ھ کو سمل حضر موت میں پیدا ہوئے بعد میں اپنے بزرگوں کے آباد کردہ مقام بیت جبیر حضر موت منتقل ہوگئے اور ۵۶ سال کی عمر میں ۴۴۶ھ میں بیت جبیر میں وفات پائی۔ آپ محدث، فقیہ، جمال الدین و محی سنتہ سید المرسلین تھے۔

امام علی المعروف بہ خالع قسم تریم شہر سے جنوب میں واقع گاؤں بیت جبیر میں پیدا ہوئے۔ ۵۲۱ھ میں تریم ہجرت کر آئے اور ۲۹ھ میں وفات پائی۔ شہر تریم جو بعد میں اس خاندان (آل علوی) کا مرکز بنا اس میں سب سے پہلی قبر امام علی خالع قسم کی بنی۔

شیخ مشائخ الاسلام محمد بن علی تریم میں پیدا ہوئے۔ یمن کے عظیم فقیہ و مفتی تھے۔ شافعی مذہب کی خوب اشاعت کی۔ آپ حضر موت، یمن، حرمین شریفین کے اکابر علماء میں سے ایک تھے۔ آپ کے دور میں خوارج نے بدامنی پھیلائی، تریم شہر بھی ان کی لپیٹ میں آیا چنانچہ آپ یہاں سے بحر ہند کے ساحل پر واقع شہر مرباط تشریف لے گئے اور ۵۵۶ھ میں وہیں وصال فرمایا۔

آپکے بیٹے امام علی بن محمد تریم میں پیدا ہوئے۔ ۵۹۵ھ میں وفات پائی تریم میں آپ کا روضہ انور موجود ہے۔ امام الیمن امام یحییٰ حمید الدین نے ۱۳۵۱ھ میں اس خاندان کے نسب نامہ سے متعلق ایک تصدیقی فرمان جاری کیا تھا جس کا

عکس اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

امام محمد بن علی المعروف بہ الفقیہ المقدم رحمتہ اللہ علیہ (پیدائش ۵۷۴ھ) اس خاندان میں کئی صدیوں میں گزرنے والے نامور علماء، مشائخ، محدثین، فقہا، صالحین میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر دور کے عرب مورخین نے آپ کے حالات قلمبند کئے ہیں مثلاً" شیخ عبدالرحمٰن سراج نے "مواھب البرالرؤف" میں اور مرتضٰی زبیدی نے "شرح القاموس" و دیگر مورخین نے اپنی کتب میں۔ آپ جامع العلوم شخیصت تھے اور فقہا میں ممتاز مقام رکھتے تھے اسی لئے "الفقیہ المقدم" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سید محمد بن حسن المعروف بہ محمد جمل اللیل ۷۵۰ھ میں تریم میں پیدا ہوئے اور ۸۴۵ھ کو رحلت فرمائی تریم کے قبرستان زنبل میں آخری آرام گاہ بنی۔ آپنے قرآن مجید حفظ کیا اور علماء کی کثیر تعداد سے علوم اسلامیہ حاصل کئے۔ علم اور زہد و تقوی میں بلند مقام پایا۔ آپ رات بھر نوافل کے دوران تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے حتی کہ صبح طلوع ہوجاتی اسی باعث آپ "جمل اللیل" کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ کی نسل "جمل اللیل" کے خاندانی نام سے اب تک اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔ اس وقت حضر موت انڈونیشیا، ملائشیا، سنگاپور، مشرقی افریقہ، جزائر القمر، سعودی عرب اور ہندوستان میں جتنے بھی سادات جمل اللیل آباد ہیں وہ سب انہی سید محمد بن حسن جمل اللیل کی اولاد ہیں۔

سید محمد بن حسن جمل اللیل کی نسل میں سے سید عبداللہ با حسن بن حسن بن سید محمد المغووم بن سالم بن احمد رحمتہ اللہ علیہم کی اولاد "آل با حسن جمل اللیل" کہلاتی ہے۔ آل باحسن جمل اللیل کے بعض افراد نے تریم سے مکہ ہجرت کی۔ اور پھر مکہ مکرمہ سے سید علوی (ولادت ۱۱۴۰ھ بمقام مکہ مکرمہ) بن محمد بن علوی الفقیہ نے ۱۱۶۵ھ میں مدینہ منورہ کی راہ لی۔ جن کے بیٹے سید زین العابدین بن علوی بن محمد بن علوی الفقیہ رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں عالم فاضل، محدث عصر، شافعی فقیہہ اور صاحب تصانیف ہوئے، سید زین العابدین نے ۱۲۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں ہی انتقال فرمایا۔

مدینہ منورہ میں اس خاندان کی یہ شاخ مسلسل علم و فضل سے وابستہ رہی۔ سید زین العابدین رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۱۲۳۵ھ) کے پوتے سید زین العابدین بن عبدالرحمٰن بن سید زین العابدین بھی اکابر علماء میں سے تھے جن کے حالات علامہ یوسف اسمٰعیل نبھانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۶۶ھ --- ۱۳۵۰ھ) نے اپنی کتاب "ریاض الجنتہ فی اذکار الکتاب و السنتہ" مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بیروت لبنان میں درج کئے ہیں۔ نیز انہی سید زین العابدین بن عبدالرحمٰن کے چچا سید محمد بن زین العابدین مدینہ منورہ میں "شیخ السادۃ العلویہ" کے منصب پر فائز رہے ہیں۔

حرمین شریفین میں آباد سادات علویہ کی خدمت کو شاہان وقت نے اپنے لئے شرف سمجھا' چنانچہ مراکش کے بادشاہ کی طرف سے گاہے گاہے کثیر نقدی بطور ہدیہ اور اس کے ساتھ شاہی مکتوب اس خاندان کے سربراہ "شیخ السادۃ العلویہ" کے نام ارسال کیا جاتا رہا۔ کتاب ہذا میں مراکش کے بادشاہ کا ایک ایسا ہی خط مرقومہ ۱۲۰۳ھ کا عکس دیا گیا ہے' نیز شاہ مراکش کے مرسلہ تحائف کی وصولی کی دو سندات کے عکس بھی دیئے گئے ہیں' جن میں سے ایک ۱۱۹۵ھ میں شیخ السادۃ علویہ مکہ مکرمہ سید عمر بن سید سالم رحمتہ اللہ علیہ کی جاری کردہ جب کہ دوسری سند ۱۱۹۶ھ میں شیخ السادۃ علویہ مدینہ منورہ سید محسن مقیبل کی تحریر کردہ ہے۔ علاوہ ازیں شیخ السادۃ علویہ حرمین شریفین کے نام خلیفہ عثمانی کے دو فرامین کے عکس بھی دیئے گئے ہیں۔

حجاز مقدس میں اس خاندان کے اہل علم' مساجد حرمین شریفین کی امامت' خطابت' درس و تدریس' شیخ الخطباء' شیخ الائمہ' مفتی شافعیہ اور شیخ السادۃ وغیرہ اہم مناصب سے وابستہ رہے۔ نیز ۱۲۵۹ھ میں گورنر جدہ و امیر مکہ نے ایک حکم جاری کیا جس کے تحت سید زین العابدین جمل اللیل کی اولاد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں واقع اہل بیت اطہار و دیگر سادات کرام کے مزارات اور قبروں کی دیکھ بھال کی خدمات انجام دیں گے۔ اس حکم نامہ میں کہا گیا کہ "ان تمام مزارات کی صفائی وہاں پر رکھے گئے قرآن مجید کے نسخوں کی حفاظت و دیکھ بھال' مزارات پر چڑھائے جانے والے غلاف کی تبدیلی و دیکھ بھال' ہر جمعرات کو عصر کے بعد زائرین کے لئے ان مزارات کے دروازے کھولنا' ایام حج میں دروازے کھولنا وغیرہ تمام قسم کی ذمہ داری سادات آل با حسن جمل اللیل کے اس گھرانے کے افراد کے ذمہ ہے۔" انہی ذمہ داریوں سے متعلق ایک اور حکم نامہ ۱۲۶۷ھ میں جاری کیا گیا جس کا عکس زیر نظر کتاب کے صفحہ ۶۶۳ پر دیا گیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے نظریات کے حامل

بریگیڈیر سید یوسف جمل اللیل اپنی کتاب میں مزید رقم طراز ہیں کہ جنت البقیع میں اہل بیت اطہار و دیگر سادات کے قبروں کی دیکھ بھال بدستور سید زین العابدین جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد کے ذمہ رہی تاآنکہ جلالتہ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے مدینہ منورہ پر اپنی حکمرانی

قائم کر کے ان قبروں کو منہدم کرادیا۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں آچکا کہ "آل با حسن جمل اللیل" کے بعض بزرگوں نے تریم سے مکہ مکرمہ کی راہ لی۔ اسی گھرانے کے سید سالم بن محمد بن علوی الفقیہ کا شمار مکہ مکرمہ کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ ان کے بیٹے سید صالح بن سالم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد اور مسجد الحرام کے دیگر اہم علماء سے شرعی علوم حاصل کئے نیز قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مسجد الحرام میں امام و خطیب تعینات ہوئے۔ سید صالح جمل اللیل کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند حسین، عقیل، ہاشم اور عبدالرحمٰن عطا کئے۔ تقریباً ۱۲۳۰ھ میں سید صالح جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تین بیٹوں عقیل، ہاشم اور عبدالرحمٰن کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی جہاں آپ مسجد نبوی کی امام و خطیب مقرر ہوئے اور یہ اعزاز اب تک آپ کی نسل کو حاصل ہے۔

سید صالح جمل اللیل کے سب سے بڑے بیٹے سید حسین جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پہلے سفرحج ۱۲۹۶ھ کے دوران مکہ مکرمہ میں انہی سید حسین بن صالح جمل اللیل شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے مختلف علوم و فنون میں سند اجازت حاصل کی۔ نشرالنور میں ہے کہ سید حسین بن صالح بن سالم شافعی مکی مسجد الحرام مکہ مکرمہ کے امام و خطیب تھے۔ آپ مکہ مکرمہ میں ہی پیدا ہوئے۔ یہاں کے اکابر اہل علم و فضل سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۹۹ھ میں امیر مکہ، شریف عبدالمطلب نے آپ کو "شیخ الخطبا و الائمہ" مکہ مکرمہ کے منصب پر تعینات کیا جس سے آپ اپنی وفات ۱۳۰۵ھ تک وابستہ رہے۔ آپ نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی۔ باب الکعبہ کے قریب آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور المعلی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ و تدفین میں جم غفیر نے شرکت کی۔ آپ نے بکثرت شادیاں کیں جن کی تعداد نوے سے زائد ہے۔ آپ ادبی ذوق رکھتے اور شعر کہتے۔ سید حسین بن صالح جمل اللیل شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد امامت و خطابت کا سلسلہ ان کی اولاد میں بھی جاری رہا۔ آپ کی اولاد میں سید زینی، سید سالم، سید علوی، سید شرف، سید صالح نیز آپ کے پوتے سید زین بن علوی کے نام شامل ہیں۔

الشجرۃ الزکیہ میں ہے کہ سید حسین جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے بھائی سید عقیل بن صالح جمل اللیل رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں "شیخ السادۃ علویہ" بنائے گئے جن کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سید عبداللہ بن عقیل بن صالح جمل اللیل (مصنف کے والد) جو کہ مدینہ منورہ

کے اہم افراد میں سے تھے انہیں شیخ السادة علویہ بنایا گیا۔ سید عبداللہ جمل اللیل نے اسی منصب پر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ کو وفات پائی۔

علامہ سید حسن جمل اللیل کے تیسرے بھائی سید ہاشم بن صالح جمل اللیل بھی مدینہ منورہ کے صاحب علم و فضل اور سرکردہ افراد میں سے تھے۔ آپ کے تین بیٹے، حسین، حسن، ہاشم ہوئے۔ ان میں سے سید حسین (وفات ۱۳۸۸ھ) بن ہاشم جمل اللیل کے کچھ حالات بلدیہ مدینہ منورہ کے رئیس سید علی حافظ (۱۹۰۷ھ --- ۱۹۸۸ء) کی کتاب "فصول من تاریخ المدینہ المنورة" میں درج ہیں۔

ماخذ

(۱) الشجرة الزکیہ فی الانساب و سیر آل بیت النبوة، بریگیڈیر سید ابوسہل یوسف بن عبداللہ جمل اللیل، طبع اول، سن اشاعت درج نہیں، تاہم یہ کتاب ۱۴۱۲ھ یا اس کے بعد شائع ہوئی، ناشر : دارالحارثی للطباعة و النشر، حسان بن ثابت روڈ، پوسٹبکس نمبر ۱۲۸۱ فون نمبر ۷۴۳۴۳۳۷، فیکس نمبر ۷۴۴۲۹۴۷ طائف

(۲) المختصر من کتاب، نشر النور و الزهرفی تراجم افاضل مکہ --- من القرن العاشر الی القرن الرابع عشر، قاضی مکہ شیخ عبداللہ مرداد، طبع دوم، سن اشاعت ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ناشر : عالم المعرفہ پوسٹ بکس نمبر ۵۷۶ جدہ

(۳) الاجازات المتینتہ لعلماء بکہ و المدینتہ (۱۳۲۴ھ)، مولانا احمد رضا خان بریلوی، سن اشاعت درج نہیں، ناشر : منظمتہ الدعوة الاسلامیہ اندرون لوھاری دروازہ لاہور

(۴) فصول من تاریخ المدینہ المنورة، علی حافظ، اردو ترجمہ بنام "ابواب تاریخ المدینہ المنورہ" آل حسن صدیقی، طبع اول، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء، مطبوعہ جدہ، یہ اردو ترجمہ اصل عربی کتاب کی تلخیص ہے۔

امام احمد رضا کی صحبت یافتہ نادرِ زمن ہستی

مفتی امید علی خان گیاوی

ترتیب
خلیل احمد رانا
جہانیاں منڈی
خانیوال

مشہور صحافی جناب ولی محمد واجد' مدیر ماہنامہ "السعید" ملتان میں اپنے مضمون "شاہکار غزالی زماں جامعہ انوار العلوم" میں لکھتے ہیں!

ریلوے اسٹیشن ملتان کے قریب ایک قدیم محلہ "بستی دائرہ" میں ایک مسجد حضرت اویس کے نام سے معروف ہے' جو قبرستان مائی پاک دامن کے اس بستی سے متصل کونے پر واقع ہے' اب تو زمانے کی دستبرد نے اس مسجد کا حسن گہنا دیا' لیکن جن دنوں کی میں بات کررہا ہوں' اس مسجد کے جنوب مغربی دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا اور گھنی چھاؤں والا بڑ کا درخت ہوتا تھا' جہاں ہر وقت لوگوں کا جھمگٹا رہتا تھا' مسجد میں حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ محلہ بٹی شیر خاں والے' جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے اور کئی برسوں سے یہ خدمت کسی قابل ذکر معاوضہ کے بغیر انجام دے رہے تھے' مولانا محمد صدیق بھی حضرت غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے اور بہت چہیتے تھے' حضرت مولانا جعفر بلوچ رحمتہ اللہ علیہ (جو غزالی زماں کے شاگرد تھے اور بعد میں انوار العلوم میں استاد مقرر ہوئے) کے بہت مخلص دوست اور ساتھی تھے' رد روافض پر اتھارٹی سمجھے جاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن صورت اور حسن سیرت کی نعمتوں سے نوازا تھا' تقریر اتنی پر تاثیر ہوتی کہ سامعین خواہش کرتے کہ مولانا یونہی خطاب کرتے رہیں' ان کی تقریر سننے کے لئے دور دور سے لوگ بستی دائرہ آتے' اتفاق دیکھئے کہ بستی دائرہ کی اس مسجد کے ارگرد ایسے لوگوں کی آبادی زیادہ تھی جو' دشمنان صحابہ کرام کے طور پر بدنام تھے' ان کے گڑھ میں ان کا رد اور اصحاب رسول کی تعریف بڑے دل

گردے کی بات تھی۔

نومبر ۱۹۵۰ء میں ایک نوجوان انگلستان سے کیمسٹری میں اعلیٰ تعلیم مکمل کرکے بستی دائرہ آیا' اتفاق سے وہ بھی یکے از دشمنان صحابہ تھا' بہت خوبصورت نوجوان' ہلکی ہلکی داڑھی' گورا رنگ' تیکھے نقوش' آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور باتوں میں بلا کی کاٹ' نام اس کا الماس تھا' یہ نوجوان ایک جمعہ کی نماز میں شامل ہوا اور جب نمازی صلوٰۃ و سلام کے بعد اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے تو مسجد میں ہم صرف چار پانچ ساتھی مولانا محمد صدیق کے ساتھ موجود تھے' مولانا کو بہ حفاظت بستی دائرہ سے لے کر چوک شہیداں پہنچانا ہماری ڈیوٹی تھی' ابھی ہم چلنے کے لئے پر تول رہے تھے کہ وہ نوجوان ہمارے قریب آیا' حسن اتفاق کہ وہ عربی اور فارسی اچھی طرح جانتا تھا' وہ مولانا سے باتیں کرنے لگا' اس کی تان اس بات پر ٹوٹ رہی تھی کہ تم ملاؤں نے پوری قوم کو ان مذہبی جھگڑوں میں مبتلا کررکھا ہے' تمہارے پاس دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جس سے مسلمان ترقی کرسکیں۔

مولانا نے کہا الماس صاحب! آپ کو کچھ پڑھنا ہے تو میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں' الماس نے اسے مذاق جانا یا اپنی علمیت کا رعب جمانا چاہا اور کہا! آپ مجھے کیا پڑھائیں گے؟ میں تو لندن سے کیمسٹری میں اعلیٰ ڈگری لے کر آیا ہوں' اگر تم ملاؤں میں کوئی اس علم کی مبادیات بھی جانتا ہو تو میں اسے اپنا باپ تسلیم کرلوں گا۔

بات پانچ سات منٹ تک جاری رہی' پھر عصر کی نماز پڑھی' اس نوجوان نے اپنے طریقہ پر ہمارے ساتھ جماعت میں شامل ہوکر نماز پڑھی' فارغ ہوئے تو مولانا سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کردی' اس پر مولانا نے کہا کہ الماس میاں! تم اپنے کسی ساتھی کو بلالو اور میرے ساتھ چلو' اتفاق سے آج جمعہ کا روز ہے اور میرے گھر میں کچھ احباب آئیں گے' ان سے ملاقات کے بعد تم ملاؤں کے بارے میں جو نظریہ قائم کرنا چاہو تمہیں مکمل آزادی ہوگی۔

جب یہ نوجوان الماس' مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا تو اس ساری صورت حال میں ہماری دلچسپی بڑھی' ہم بھی چاروں ساتھی دو بائیسکلوں پر سوار ساتھ ہولئے' پرانے انوار العلوم کے سامنے کچہری روڈ کو عبور کرکے محلہ ہٹی شیر خاں میں مسجد بہرام والی بہت مشہور تھی' اس کے قریب ہی مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ کا مکان تھا' گھر پہنچتے ہی مولانا محمد صدیق نے ہمیں ایک شکستہ سے چبوترے پر ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود اپنی بائیسکل کھڑی کرکے مکان کے اندر چلے گئے' پھر ہمیں آواز دی' جب ہم اس مکان میں داخل ہوئے تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی

الف لیلوی سرائے میں آگئے ہیں' نیچے چٹائیں بچھی ہوئی تھیں' اداسی اور ویرانی بال کھولے ایک دوسرے کے گلے لگ کر بین کررہی تھیں اور دو ہم عمر بوڑھے بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے' دل دہل گیا' یا اللہ ہم کہاں آگئے' الماس تو بہت ہی گھبرایا' یوں لگ رہا تھا کہ وہ واپس بھاگنے کی سوچ رہا ہے کہ ایک بزرگ نے کھڑے ہوکر الماس سے مصافحہ کیا اور اس کا نام لے کر بیٹھنے کے لئے کہا۔

الماس سے زیادہ وہ بزرگ بے تکلف ثابت ہوئے' انہوں نے کسی تمہید کے بغیر بات کا آغاز کیا تو الماس کے حواس بحال ہوئے اور وہ واقعی علمی گفتگو کے لئے تیار ہوگیا' پھر کیا تھا صرف آدھ گھنٹے میں الماس صاحب پر "فارسی تمام شد" کی کیفیت طاری ہوگئی' وہ بزرگ اس خوبصورتی اور روانی سے علم کیمیا اور اس کی مختلف شاخوں پر بات کررہے تھے کہ الماس کو لندن والے انگریز استاد بھول گئے' ہمارے پلے تو کچھ نہیں پڑ رہا تھا' البتہ ہم الماس کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں اور حیرانی کی پرچھائیوں کا نظارہ کرکے احساس فتح سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

عشاء کی نماز سے کچھ لمحے قبل الماس صاحب نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ہر جمعہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرلیا کروں؟

ہاں ہاں' کیوں نہیں آپ شوق سے آئیں' آپ کے پاس دینی معلومات بھی ہیں اور دنیاوی علوم میں بھی ماہر ہیں' ہم آپ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں' اس بزرگ نے انتہائی انکساری سے کہا اور واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' الماس نے ان کے قدموں کو چھوا اور کافی دیر تک انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

یہ بزرگ تھے مفتی امید علی خاں گیاوی' آپ اردو' فارسی' عربی کے علاوہ انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اور دوسرے بزرگ جو ان کے ساتھ بیٹھے تھے وہ حاجی غلام قادر صاحب ملتانی تھے' جو بہت بڑے عالم' علم تکسیر' علم جفر اور علم الاعداد کے ماہر تھے۔ الماس نہ صرف حضرت مفتی صاحب کا باقاعدہ شاگرد ہوا بلکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بنا۔

مفتی سید شجاعت علی قادری مرحوم (المتوفی ۱۹۹۳ء) اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ!

مفتی امید علی خاں ولد سید دلاور حسین خاں (پٹھان) موضع سکھ ڈیرہ تحصیل شاہ آباد میں ضلع گیا (صوبہ بہار' بھارت) کے رہنے والے تھے۔

آپ کی ولادت تقریبا" ۱۳۰۱ھ میں ہوئی' کیونکہ میرے واجب التعظیم بزرگ مولانا سید حبیب احمد افق کاظمی امروہوی فرماتے ہیں کہ مفتی

صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ میں آپ سے دس سال بڑا ہوں، جب کہ سید حبیب احمد صاحب کی پیدائش ۱۳۱۱ھ کی ہے، لہٰذا وہی تاریخ متعین ہوتی ہے۔

ابتدا" شاہ آباد کے کسی اسکول میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ایک ڈاکخانہ میں کلرک ہوگئے، تھوڑے عرصہ بعد کسی صاحب نظر سے ملاقات ہوئی، جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور عربی کی تعلیم شروع کردی، بالآخر ذوق علم نے صوبہ بہار سے یوپی کی طرف رخت سفر باندھنے کا حکم دیا، یہاں آپ مدرسہ امداد الاسلام، میرٹھ میں داخل ہوگئے اور مولانا محمد رسول خاں ہزاروی صدر مدرس مدرسہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر امروہہ چلے آئے اور جامعہ اسلامیہ عربیہ میں مولانا محمد امین الدین صاحب سے کچھ درمیانی کتابیں پڑھیں اور آخر میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوکر مولانا فضل حق رامپوری، مولانا وزیر محمد، مولانا منور علی اور دیگر اساتذہ سے تکمیل کی، مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی کی صحبت و توجہ سے بھی مستفید ہوئے، بعض درجات میں مولانا سید محمد خلیل محدث امروہہ (برادر بزرگ سید احمد سعید کاظمی) بھی آپ کے ہم درس تھے، مفتی صاحب نے رامپور ہی میں قاری علی حسین رامپوری شاگرد قاری محمد عبدالرحمٰن پانی پتی سے تجوید و قرات کی مشق کی، بعض مسائل میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ سے استصواب رائے کے لئے بریلی تشریف لے گئے اور مستفید ہوکر واپس لوٹے۔

فروری ۱۹۴۶ء میں علامہ سید سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ کی دعوت پر بحیثیت مفتی و مدرس جامعہ انوار العلوم ملتان میں تشریف لائے اور تادم آخر اپنی خدمات سے تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے۔ یہ کوئی ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ میرے والد قبلہ مفتی مسعود علی علیہ الرحمہ نے مجھے مفتی امید علی خاں مرحوم کے پاس علم نحو کی ایک کتاب "نحو میر" پڑھنے کے لئے بٹھا دیا۔ مفتی صاحب مرحوم اونچے درجہ کی کتابیں پڑھاتے تھے، اس لئے مجھے بارہ بجے کے بعد کا وقت دیا گیا، میں اس وقت بچہ تھا، نہ تو مجھے نحومیر سے دلچسپی تھی اور نہ ہی یہ ضروری سمجھتا تھا کہ نحومیر پڑھنے کے لئے بارہ بجے تک بھوکا رہوں، جب کہ لوگ گھروں کو جاکر آرام کریں، اور پھر یہ کیا ضروری تھا کہ اتنے بوڑھے شخص سے یہ کتاب پڑھی جائے، مگر والد صاحب کا حکم تھا، بہرنوع پہلے دن پڑھنے کے لئے جب گیا تو ہدایہ آخریں کے طالب علم کمرے سے نکل رہے تھے، مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا کہ میاں ذرا ہوش سنبھال کر کمرے میں

داخل ہونا' گویا انہوں نے اندازے سے کام لیا' مگر ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ نہیں یہاں ڈرنے کی بات نہیں' ان سے پڑھو گے تو بہت قابل ہوجاؤ گے' میں نے کہا بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو' مگر مجھ پر تو کپکپی طاری ہوگئی' مفتی صاحب کی بارگاہ میں جانے والے ہر طالب علم پر یہ کیفیت ضرور طاری ہوتی تھی' غرض کہ میں آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور **جھجکتے** ہوئے سلام کیا' مفتی صاحب مرحوم نے آنکھیں قدرے کھول کر ارشاد فرمایا کہ "جو ہے خود ہی بولو' خود ہی سنو" آپ کو طلباء کے آہستہ بولنے سے سخت چڑ تھی' آہستہ بولنے کے بہت نقصانات ہیں' کیونکہ آہستہ بولنے والے کی غلطی استاد پر مخفی رہتی ہے' پھر آہستہ بولنے کے عادی طلبہ جب مسند تدریس پر بیٹھیں گے تو اور بھی زیادہ مصیبت ہوگی' اس لئے جب بھی کوئی طالب علم آہستہ عبارت پڑھتا' تو مفتی صاحب مرحوم اس کی طرف دیکھے بغیر فرماتے' ہم نے کچھ نہیں سنا' کچھ کہہ رہے ہو' مگر نہ معلوم کیا کہہ رہے ہو' جب تک طالب علم اتنے زور سے نہ پڑھتا جتنا وہ چاہتے تھے' آپ یہی کلمات دہراتے رہتے' حتی کہ دس دس اور پندرہ پندرہ سطر عبارت کو کالعدم قرار دے دیا جاتا۔

میں عرض کررہا تھا کہ جب میں مفتی صاحب مرحوم کے کمرے میں داخل ہوا اور سلام کیا تو انہوں نے سلام پر تنقید کر ڈالی' غرض یہ کہ میں نے زبان درست کرتے ہوئے نہایت ہی معتدل آواز سے سلام کیا' پھر قدم ناپ تول کر اٹھاتا ہوا آگے بڑھا' آپ نے مجھے تپائی کے پاس بیٹھ جانے کا حکم دیا' جس کی میں نے تعمیل کی اور نحومیر کا پہلا سبق پڑھا' جب واپس آنے لگا تو مجھے دو پیسے دیئے کیونکہ اس وقت میں واقعی مولف القلوب میں تھا' اگر اس وقت مجھے دو پیسہ نہ دیتے تو شاید میں دوسرے روز فرار کی کوئی نہ کوئی راہ ڈھونڈ نکالتا' مگر میں نے سوچا ان داموں میں نحومیر پڑھنے میں کچھ خسارہ نہیں۔

چند روز بعد میں نے نحومیر کے سبق میں پڑھا کہ "ضرب' ضربا"" مگر میں نے تثنیہ کا الف نہ بڑھایا بلکہ روانی میں یونہی پڑھ دیا' اب اگر کوئی اور استاذ ہوتا تو معاملہ چل جاتا' مگر یہ مفتی امید علی خاں مرحوم تھے' آپ نے حسب عادت خود پڑھایا' ضرب ضربا یعنی الف کو کھینچ کر پڑھا' مگر میں نے وہی تیزی سے پڑھ دیا' لیکن وہ کب چلنے والے تھے' پھر انہوں نے دونوں لفظوں کو صحیح ادا کیا' میں پھر بھی متنبہ نہ ہوا اور بڑا حیران ہوا کہ آخر کون سی غلطی ہے کہ آگے نہیں بڑھنے دیتی' اس دن مفتی صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے مجھے ایک چانٹا مارا یا کوئی پتلی سی کتاب جو ان کے

ہاتھ میں تھی، مجھے اچھی طرح یاد نہیں، الحمد للہ کہ مفتی صاحب مرحوم کے ہاتھ سے پٹنے کا شرف مجھ حقیر کے سوا شاید کسی طالب علم کو نصیب نہیں ہوا، یہ پہلی اور آخری پٹائی تھی۔

مفتی صاحب مرحوم کا سب سے بڑا کمال ان کا فن تدریس اور علم سے شغف تھا، آپ فرماتے تھے کہ میں "خوانین ثلاثہ" میں سے ایک کا شاگرد ہوں اور تینوں سے صحبت یافتہ ہوں، میں نے عرض کی حضرت یہ خوانین ثلاثہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا مولانا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ، مولانا ریاست علی خاں رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا حشمت علی خان لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ، آپ مولانا ریاست علی خاں جہانپوری رحمتہ اللہ علیہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے، خوانین ثلاثہ کی اصطلاح یا تو خود انہی کی ایجاد ہوگی یا پھر ہندوستان میں رائج ہوگی۔

مفتی صاحب مرحوم بہت سے علوم کے جامع تھے، مثلاً" صرف، نحو، لغت، تفسیر، فقہ، حدیث، ریاضی، میراث اور تصوف وغیرہ علوم میں مہارت رکھتے تھے، آپ کا طرز تدریس کئی خصوصیات کا حامل تھا۔

۱۔ چونکہ آپ بہت ہی بارعب تھے، اس لئے طلباء آپ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سمجھنے لگتے کہ گویا ہم کسی بادشاہ وقت کے دربار میں ہیں، سب دوزانو ہوکر بیٹھ جاتے، پھر کیا مجال جو کوئی بار بار پہلو بدلے یا ادھر ادھر دیکھے، اگر کوئی کمرے سے باہر دیکھتا تو اس کی تنبیہہ کے لئے آپ کا مخصوص جملہ تھا "جو ہے جاکر ملاقات کرلو پھر بعد میں پڑھ لینا" یہ جملہ آپ اس انداز سے فرماتے کہ دیکھنے والے کے پسینے چھوٹ جاتے، کوئی طالب علم تپائی کو پاؤں نہیں لگا سکتا تھا، اگر کوئی ایسا کرتا تو سخت ناراض ہوتے، داڑھی سے کھیلنے کی سخت ممانعت تھی اور منہ ڈھک کر بیٹھا بھی ممنوع تھا، کیونکہ اس طرح بیٹھنے والے نہ تو صحیح بول سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے طلباء سے مذکورہ بالا چیزوں کی پابند کرالے تو اس کے طلباء یقیناً" لائق ہوجائیں گے، کیونکہ طلباء اپنے استاد کے سامنے بیٹھ کر اس کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس کی وجہ سے درس کا تسلسل قائم نہیں رہتا اور یہی طلباء کی ناکامی کا راز ہے، مفتی صاحب مرحوم کی خصوصیت تھی کہ آپ اپنے اصولوں کے بہت پکے تھے، طلباء کو اس وقت تک تنبیہہ کرتے رہتے تھے جب تک وہ درست نہ ہوجائیں یا پھر مفتی صاحب کے پاس پڑھنا نہ چھوڑ دیں۔

۲۔ آپ طالب علم کو غلط عبارت کبھی نہ پڑھنے دیتے تھے، اگر کوئی غلطی ہوتی تو فوراً" نہیں بتاتے تھے بلکہ "ہونہہ" فرماتے، اگر اس سے طالب علم

متنبہ ہوجاتا تو ٹھیک ورنہ پھر وجہ اعراب بتاتے کہ مثلاً" فاعل ہے یا مفعول' اگر اس سے بھی متنبہ نہ ہوتا' تب آخر میں زیر و زبر پڑھ کر سناتے تھے' جو طالب علم مفتی صاحب کے یہاں عبارت پڑھنے کے اہل قرار پائے' ان سے عبارت پڑھنے میں کسی درس گاہ کا طالب علم مقابلہ نہیں کرسکتا' عبارت کی درستگی اشد ضروری تھی کہ اسی پر ترجمہ کا مدار ہے۔

۳۔ مفتی صاحب مرحوم ہمیشہ طالب علموں کو ہدایت کرتے تھے کہ سبق پڑھنے کا حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب کہ طالب علم ایک سبق پر " منازل خمسہ" کو طے کرلے' منازل خمسہ سے مراد یہ ہے کہ سبق کا مطالعہ کرنا' استاد کے سامنے سنانا' ساتھیوں سے تکرار کرنا' گھر جاکر سبق کو دہرانا' جب دوسرے دن مطالعہ کیا جائے تو پہلے سبق کو ملا کر پڑھنا۔

۴۔ آپ دوران تدریس غیر متعلقہ باتیں نہ کرتے تھے اور نہ سننے کے روادار تھے' آپ کا اصول یہ تھا کہ کلام ہمیشہ مختصر فرماتے تھے' حتی کہ کلام عرب میں جو اجزائے کلام کے حذف کی جو گنجائش ہیں ان پر آپ سختی سے عامل تھے' یہی وجہ تھی کہ کم وقت میں سبق کافی مقدار میں ہوجاتا تھا' اس لئے کتاب مکمل ختم ہوجاتی تھی' ورنہ عام مدرسین تو کتاب آدھی بھی نہیں پڑھاتے۔

۵۔ عبارت کے بعد طالب علم سے خود ترجمہ کراتے تھے اور اس انداز سے کہ جگہ جگہ روک کر چھوٹے چھوٹے نپے تلے تشریحی جملے فرماتے جاتے' لمبی چوڑی تقریر سے استاد کا تبحر علمی تو ثابت ہوسکتا ہے' مگر طالب علم کو ہرگز فائدہ نہیں پہنچ سکتا' کیونکہ مثل مشہور ہے "کثیر کلام کا بعض حصہ بعض کو بھلادیتا ہے۔

۶۔ کتاب پڑھاتے وقت اسی کتاب کی باتیں بتاتے تھے' آپ اس طرز تعلیم کے سخت مخالف تھے کہ کافیہ پڑھاتے وقت "شرح جامی" اور ""عبدالغفور" کی تقاریر ہوں' مفتی صاحب خود تو پرانے زمانے کے آدمی تھے مگر ان کا طرز تعلیم بالکل جدید اصولوں کے مطابق تھا۔

۷۔ مفتی صاحب مرحوم طلباء سے محبت ضرور کرتے تھے مگر اس کا اظہار کبھی اس طرح نہ فرماتے کہ طالب علم سر پر چڑھ جائے' بعض اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی تعریفیں کرکے ان میں تکبر پیدا کردیتے ہیں' مگر مفتی صاحب کے یہاں ایسا نہ تھا' مفتی صاحب کی رضا مندی کا پتہ اس طرح چلتا تھا کہ اگر کوئی ذی استعداد طالب علم پڑھتا یا پوچھتا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوجاتے' ورنہ ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے۔

۸۔ دوران سبق کوئی صاحب بھی آجاتے تو ان

کی طرف متوجہ نہ ہوتے' لیکن کبھی کبھار جب کسی عالم دین کو دوران درس آتا دیکھتے تو کہہ دیتے کہ اچھا اب آپ لوگ چھٹی کیجئے کیونکہ ہمارے ایک خاص دوست تشریف لا رہے ہیں۔

۹۔ مفتی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ کتاب کے وہ اوراق جو آپ نے ابھی نہیں پڑھے ہیں' وہ الٹ پلٹ کر نہ دیکھئے ورنہ برکت ختم ہوجائے گی' بہت سے طلباء کتاب پلٹ کر دیکھتے رہتے ہیں کہ ختم میں کتنی کسر رہ گئی ہے' اس سے ہمت پست اور بے دلی پیدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ مفتی صاحب مرحوم کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ باوجود یہ کہ آپ ہر کتاب بیسیوں مرتبہ پڑھا چکے تھے' مگر جب پڑھاتے مطالعہ کرکے پڑھاتے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی

علم بن گئی تھی' جس کا خلاصہ قاضی ابوالحسن جرجانی کے درج ذیل عربی اشعار میں ہے :

ترجمہ : "لوگوں سے میل جول رکھنے میں ذلت و خواری اٹھانی پڑتی ہے' اس لئے تم ان کو چھوڑ کر عزت و وقار کی زندگی بسر کرو' میں نے زندگی کے بہت سے مزے اڑائے' آخر کار گھر میں گوشہ نشین ہوکر کتاب کو میں نے اپنا ساتھی بنالیا' میرے نزدیک علم سے زیادہ کوئی چیز نہیں' تو پھر میں اسے چھوڑ کر انسانوں سے کیوں دوستی کروں۔"

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی سخاوت

پورے ملتان میں مشہو ہے' کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہ جاتا' آپ کے کمرے کا ایک دروازہ غربی جانب کھلتا تھا' وہاں شارع عام ہے' اس طرف سے فقراء دن بھر آتے رہتے تھے' ایک تپائی پر پیسے رکھے ہوتے' جو سائل آتا' آپ ایک طالب علم کو اشارہ فرمادیتے' وہ پیسے اٹھاکر سائل کو دے دیتا' ہم لوگوں کو یہی خواہش ہوتی کہ وہ جگہ مل جائے جہاں سے فقیروں کے لئے خیرات دی جاتی ہے' تاکہ اس ثواب میں ہم بھی شامل ہوجائیں۔

آپ کی تنخواہ بہت کم تھی اور کوئی ذریعہ معاش قطعاً" نہ تھا' اتنی کم تنخواہ تھی کہ مجھے اس کا ذکر کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے مگر وہ غالباً" فقراء پر ہی خرچ فرمادیتے تھے' غرض یہ کہ آپ کثرت صدقات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے تھے۔

مجھے سات سال سے زائد ان کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع نصیب ہوا' ان کی سیرت کے بہت سارے جزئیات میرے ذہن میں ہیں' ہاں ایک بات جو مجھے لکھ دینی چاہئے وہ یہ کہ ہمارے مفتی صاحب مرحوم میں ایک بات دوسرے کئی علماء سے جدا تھی' وہ یہ کہ آپ کسی کو اپنے ہاتھ نہ چومنے دیتے تھے اور نہ اپنا جوتا اٹھانے دیتے تھے' یہ دونوں کام حرام تو نہیں ہیں لیکن میں کیا عرض کروں' بہرحال مجھے تو حضرت

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔

خلاصہ یہ کہ علم و عمل کا یہ حسین پیکر' زہد و تقوی کا مقدس مجسمہ' بلند اخلاق و کردار کی تصویر یعنی حضرت مفتی امید علی خاں صاحب مرحوم علم دین کی خدمت کرتے ہوئے اس دارفانی سے دار باقی کو روانہ ہوئے' ان کی موت ایک شخص کی موت نہ تھی' وہ تو قوم کی بنیاد تھی جو منہدم ہوگئی۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک رسالہ "القول الفصیح فی اثبات حیات المسیح" میرے پاس موجود ہے' جو جامعہ انوار العلوم' ملتان سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا' یہ رسالہ آپ کے ماہر علوم ہونے کی پختہ شہادت ہے' اس کے مطالعہ سے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے علوم کی وسعتیں معلوم ہوتی ہیں۔

آپ کئی ماہ علیل رہ کر ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء میں بعمر ۸۲ سال واصل بحق ہوئے' ملتان ہی میں حسن پروانہ روڈ کے قبرستان میں میرے استاد مکرم مفتی عبدالحفیظ حقانی سابق مفتی آگرہ علیہ الرحمہ کے قریب ہی مدفون ہیں' اللہ تعالی ان سب پر اپنی رحمت کی بارشیں برسائے' آمین۔

پس ماندگان میں ایک صاحبزادہ' ایک صاحبزادی اور ایک بھائی چھوڑے' علامہ سید حبیب احمد میر افق کاظمی امروہوی علیہ الرحمہ نے وصال کی تاریخیں کہیں'

زجاجہ تاریخ بوصال علامہ امید علی مرحوم

۱ ۹ ء ۶ ۴

مفتی سابق مدرس باداب انوار العلوم ملتان

۱۹ ء ۶۴

واحسرتا از بزم مارفتہ سوئے دارالبقا
یک ماہر ہر علم و فن علامہ نادر زماں
رکن قدیم درس انوار العلوم و مفتیش
مولانا امید علی خاں فقیہہ نکتہ داں
آں عابد شب زندہ دار و زاہد گوشہ نشیں
آں عالم صوفی منش آزاد از فکر جہاں
بعد از دعائے مغفرت تاریخ نقلش گو افق
شد واصل حق مفتی امید علی والا مکاں

۱۳ ھ ۸۳

صد حیف شد از ما جدا ایک عالم دین متین
مفتی امید علی خاں عابد و زاہد ولی
تاریخ نقلش ازسر افسوس گفتم ای افق
واصل بحق شد مفتی علامہ امید علی

۱۳ ھ ۸۳

ماخذ و مراجع

☆ ماہنامہ السعید' ملتان' شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ء

☆ روزنامہ سعادت' لائل پور (فیصل آباد)' شمارہ ۶ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ/۲۲ مئی ۱۹۶۹ء

امام احمد رضا اور
علماء ڈیرہ غازی خان

پروفیسر ڈاکٹر مجیب اللہ قادری (اُستاذ شعبۂ ارضیات جامعہ کراچی)

امام احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری (۱) برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ابن علامہ مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ابن مولانا مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی (المتوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۰ء) پچھلی صدی ہجری میں عالم اسلام کے عبقری فقیہہ اور مفتی اعظم ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب عالم اسلام میں امام احمد رضا خاں قادری کے تعارف سے متعلق اپنی تالیف میں رقم طراز ہیں :

"امام احمد رضا کا عالم اسلام میں تعارف اس وقت ہوا جب وہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اپنے والد گرامی مولانا محمد نقی علی خاں بریلوی کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ اس موقع پر شافعیہ کے مفتی حسین بن صالح جمل اللیل مکی (م ۱۳۰۵ھ) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے امام احمد رضا کی پیشانی دیکھ کر بے ساختہ فرمایا:

"انی لاجد و نور اللہ من ھذا الجبین" (۳)

ترجمہ : میں اس پیشانی میں اللہ کا نور محسوس کررہا ہوں۔

آگے مزید رقم طراز ہیں :

"عالم اسلام میں اس مجمل تعارف کے تقریباً" ۲۲ سال بعد ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں قدرے تفصیلی تعارف اس وقت ہوا جب رد ندوہ (ندوۃ العلماء کے رد) میں امام احمد رضا کا فتویٰ تصدیق و توثیق کے لئے علمائے اسلام کے سامنے پیش ہوا اور انہوں نے اپنی تصدیقات عنایت فرمائیں۔ پھر چھ برس بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں پچھلے تعارفوں کی تکمیل ہوئی جب امام احمد رضا دوسری بار حج بیت اللہ کے لئے حرمین طیبین حاضر ہوئے اور وہاں

علماء نے آپ سے فتوے لئے اور سندیں حاصل کیں اور آپ کی عربی تصانیف

۱۔ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین
۲۔ المستند المعتقد بناء نجاۃ الابد
۳۔ الدولتہ الملکیتہ بالمادۃ الغیبیتہ
۴۔ کفل الفقیہہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم

پر تقاریظ لکھیں اور تصدیقات ثبت کیں اور آپ کو مجدد و مجتہد تسلیم کیا (۴)

عالم اسلام کی ایک جلیل القدر شخصیت حافظ کتب الحرم الشیخ اسمٰعیل بن خلیل مکی امام احمد رضا کی ایک تصنیف پر تقریظ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"بل اقول لوقیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا و صدقا" (۵)

الشیخ موسیٰ علی شامی الازہری الاحمدی درویری نے بھی ایک تقریظ میں امام احمد رضا کو امام اور مجدد ملت قرار دیا :

"امام الائمتہ المجدد ہذا لامتہ" (۶)

الشیخ حسین بن عبدالقادر طرابلسی نے بھی امام احمد رضا کو مجدد ماۃ حاضرہ تسلیم کیا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

"حامئی ملتہ المحمدیتہ الظاھرۃ و مجدد المائتہ الحاضرۃ" (۷)

امام احمد رضا خاں سنی حنفی قادری محدث بریلوی کی علم فقہ پر شہرہ آفاق تصنیف "کفل الفقیہہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کی وجہ ہے تصنیف بیان کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رقم طراز ہیں :

"قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں امام مسجد الحرام مولانا عبداللہ میرداد اور ان کے استاد مولانا حامد محمود جداوی نے (کرنسی) نوٹ کے متعلق ایک استفتاء امام احمد رضا کے سامنے پیش کیا۔ امام احمد رضا نے اس کے جواب میں ڈیڑھ دن سے کم مدت میں عربی میں رسالہ "کفل الفقیہہ الفاھم" تحریر فرمایا۔ جب یہ رسالہ علماء حرمین کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی نقلیں لیں۔ مثلاً"

--- شیخ الائمتہ احمد ابوالخیر میرداد حنفی
--- حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل بن خلیل حنفی
--- مفتی حنفیہ الشیخ عبداللہ صدیق وغیرھا۔

ڈاکٹر صاحب مزید رقم فرماتے ہیں :

امام احمد رضا سے قبل آپ کے استاذ الاساتذہ مفتی اعظم مکتہ المعظمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی سے بھی (کرنسی) نوٹ کے متعلق سوال کیا گیا تھا کہ اس پر زکوۃ ہے یا نہیں لیکن انہوں نے جواب سے اعراض کیا مگر امام احمد رضا نے اس کا شافی جواب دیا جس پر مفتی اعظم

مکتہ المعظمتہ پھڑک اٹھے اور بے ساختہ فرمایا:

"این کان شیخ جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح" (۸)

ترجمہ : شیخ جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب اسی دورانیہ کا ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اس **فقیہہ** اعظم امام احمد رضا کی علماء حرمین نے کس کس طرح پذیرائی فرمائی آپ لکھتے ہیں :

"امام احمد رضا کی اس **فقیہانہ** بصیرت دیکھ کر شیخ صالح کمال (سابق قاضی **مکہ معظمہ**) اپنے دور قضاۃ کے ایک ایک فیصلے کو امام احمد رضا کے سامنے سناتے اور اگر امام احمد رضا شیخ صالح کے دیئے ہوئے فیصلے کی توثیق فرماتے تو شیخ صالح خوش ہوجاتے اور اگر امام احمد رضا ان کے کئے ہوئے فیصلے کو رد فرماتے تو شیخ صالح افسوس کرتے کہ غلط فیصلے کیوں کئے۔" (۹)

الغرض مفتی اعظم امام احمد رضا خاں سنی حنفی قادری محدث بریلوی کے فتوؤں کی شان افتاء دیکھ کر مفتی مکہ حافظ کتب الحرام الشیخ اسمٰعیل بن خلیل حنفی مکی بول اٹھے :

"واللہ اقول و الحق اقول انہ لوراھا ابوحنیفتہ النعمان لا قرعت عینہ ولجعل مولفھا من جملتہ الاصحاب"

ترجمہ : قسم بخدا سچ کہتا ہوں کہ اگر ابوحنیفہ نعمان آپ کا فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے مولف کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے۔" (۱۰)

امام احمد رضا سنی حنفی قادری محدث بریلوی کے جد امجد مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی ابن حافظ کاظم علی خاں نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں شہر بریلی میں دارالفتاء کی بنیاد ڈالی۔ (۱۱) امام احمد رضا بریلوی نے اس مسند سے دین اسلام کی مسلسل ۵۵ برس خدمت انجام دی۔ اس مسند افتاء سے عالم اسلام کے علاوہ دیگر ممالک میں بسنے والے بھی امام احمد سے استفسار فرماتے اور وقت کا مفتی اعظم سب کو جواب دیتا۔ امام احمد رضا نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء میں ایک موقعہ پر کمیشن کے سامنے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اپنی خاندان کی سند افتا اور اپنی فتویٰ نویسی سے متعلق ارشاد فرمایا:

"میں آباؤ اجداد سے علوم دین کا خادم ہوں۔ چوہتر سال سے میرے یہاں سے فتویٰ جاری ہے۔ تمام ہندوستان (بشمول پاکستان) اور کشمیر اور برما سے مسائل کے سوالات آتے ہیں۔ ابھی چین (ملک) سے چودہ مسئلے دریافت کئے ہیں چنانچہ لفافۂ مرسلہ چین داخل کرتا ہوں۔ (۱۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی کی شان افتا کے متعدد پہلو ہیں اور ہر پہلو میں آپ کی انفرادیت

نمایاں ہے یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ۵۵ برس مسلسل دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے ہر علم و فن سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے اور اس نصف صدی میں قلم سے جو بھی لکھا گیا وہ اللہ کی بارگاہ میں ایسا مقبول ہوا کہ کبھی کسی فتویٰ یا عبارت کو واپس لینے کی نوبت نہ آئی اور نہ ہی آج تک کوئی محقق یہ کھوج لگا سکا کہ امام احمد رضا نے کسی مسئلے میں کوئی حدیث یا کوئی روایت یا کوئی قول فقہ غلط نقل کیا ہو یقیناً" یہ آپ کی امتیازی شان تمام مفتیان ہند میں بہت بلند ہے یہی وجہ ہے کہ آپ تمام عالم اسلام میں مرجع خلائق ہو گئے اور آپ کی تحریر حجت قرار پائی مگر امام احمد رضا اپنی اس فقیہانہ کمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے مجموعہ فتاویٰ کے خطبہ میں رقم طراز ہیں :

"سمیتها بالعطايا النبويته فی الفتاوی الرضويته" جعلها الله وسيلته لرضاه و نافعته فی الدارين لی ولعباده وجودا جاندا علی جميع بلاده""

ترجمہ : اس کا نام "العطایا النبویتہ فی الفتاویٰ الرضویہ" رکھا اللہ اسے اپنی رضا کا وسیلہ بنائے اور دونوں جہاں میں مجھے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور اسے اپنے سب شہروں پر نفع رسانی کے لئے برسنے والا عظیم باران بنائے۔" (۱۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے فتاویٰ مسلمانوں کے لئے باران رحمت ہیں اور دنیا کے بیشتر ممالک اور متعدد شہروں میں یہ باران رحمت آج بھی نفع پہنچا رہی ہے اور خود امام احمد رضا کی حیات میں برصغیر کے علاوہ متعدد ممالک اور ان کے شہروں سے پیاس کی صدائیں بلند ہوئیں اور پھر بریلی شریف سے رحمت الٰہی کے بادل اٹھے اور اس شہر میں بسنے والوں کی پیاس بجھائی اور ان کو خوب سیراب کیا۔

احقر پچھلے پانچ سال سے موجودہ پاکستان کے مختلف شہروں کا سراغ لگا رہا ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی سے کن پیاسوں نے اس باران رحمت کی التجا کی۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ چاروں ہی صوبوں سے استفسار کیا گیا چنانچہ اپنے اس کام کو احقر نے کئی حصوں میں تقسیم کیا اور اب تک چھ مقالات سپرد قلم کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً"

۱۔ امام احمد رضا اور علمائے کراچی۔ (۱۴)

۲۔ امام احمد رضا اور علمائے بھرچونڈی شریف سکھر۔ (۱۰)

۳۔ امام احمد رضا اور علمائے سندھ۔ (۱۴)

۴۔ امام احمد رضا اور علمائے ریاست بہاولپور۔

(١٧)

٥۔ امام احمد رضا اور علمائے لاہور۔ (١٨)

٦۔ امام احمد رضا اور علمائے بلوچستان۔ (١٩)

اس مقالہ میں ڈیرہ غازی خاں ڈویژن سے تعلق رکھنے والے **مستفتیان** کا تذکرہ شامل ہے ڈیرہ غازی خاں سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ کے اسماء ملاحظہ کیجئے جنہوں نے وقتاً فوقتاً" امام احمد رضا بریلوی سے مختلف مسائل میں رجوع کیا۔

١۔ مولانا غلام یٰسین علوی قادری ڈیروی
٢۔ مولانا احمد بخش صادق سلیمانی ڈیروی
٣۔ امام بخش فریدی جامپوری
٤۔ مولوی عبدالغفور جامپوری
٥۔ مولوی اللہ بخش سیمنہ ڈیروی
٦۔ مولانا عبداللہ چوٹی زیریں
٧۔ مولانا قاضی فضل حق ڈیروی

ڈیرہ غازی خاں موجودہ پاکستان میں صوبہ پنجاب کا ایک ڈویژن ہے جب کہ قیام پاکستان سے قبل یہ ایک ضلع تھا۔ ڈیرہ غازی خاں ڈویژن دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے اس کے مشرق میں مظفر گڑھ ڈویژن ہے جب کہ اس کا مغربی حصہ صوبہ بلوچستان کے لورالائی ڈویژن سے ملتا ہے۔ جو سلیمانی پہاڑی سلسلہ ہے اس ڈویژن کا شمالی حصہ صوبہ سرحد کے ڈویژن ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ملتا ہے اور اس ڈویژن کا جنوبی حصہ صوبہ سندھ کے سکھر اور جیکب آباد ڈویژن سے ملا ہوا ہے اس کو اگر یوں کہیں کہ ڈیرہ غازی خاں ڈویژن چاروں صوبوں کا سنگم ہے تو زیادہ مناسب ہوگا اس لحاظ سے یہ ڈویژن پاکستان کا دل قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈیرہ غازی خاں ایک قدیم ریاست ہے جو غالباً" چوتھی/پانچویں صدی ہجری میں قائم ہوئی تھی اس ریاست کے والی میرانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور غازی خاں اول اور دوم کے نام سے مشہور ہوئے۔ ریاست میں پٹھان، بلوچ، اور راجپوت آباد تھے اور زیادہ تر غیر مسلم تھے۔ پانچویں صدی ہجری میں صوفیاء اور علماء نے اس علاقے کو اپنا مسکن بنایا اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ڈیرہ غازی خاں میں سینکڑوں صوفیاء و علماء مدفون ہیں اور بعض کی قبریں اور خانقاہیں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ **مثلاً"** درگاہ حضرت پیر عادل، حضرت سلطان سخی سرور، حضرت راجن بلند شاہ، حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی، حضرت شیخ نور محمد نارو والا، حضرت پیر مٹھن شاہ درگاہ حضرت غلام فرید کوٹ مٹھن وغیرہ وغیرہ۔

ڈیرہ غازی خاں ڈویژن سے تعلق رکھنے والے اولیاء و صوفیاء کا ایک تذکرہ حال ہی میں جناب احمد بدر اقبال صاحب نے مرتب کرکے

شائع کیا ہے۔ اس کے چند اقتباس ملاحظہ کریں۔

"مظفر گڑھ' کوٹ ادو' ڈیرہ غازی خاں' تونسہ شریف' راجن پور' کوٹ مٹھن' علی پور' سیت پور' جام پور اور اس کے گرد و نواح کے دیہات و قصبات کے آثار بہت قدیم ہیں۔ ان بستیوں کو پٹھانوں' بلوچوں اور راجپوتوں نے آباد کیا۔ علماء کرام اور صوفیا عظام نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنایا اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے زندگیاں وقف کیں۔" (۲۱)

آگے چل کر رقم طراز ہیں :

"سرزمین ڈیرہ غازی خاں ڈویژن سے تعلق رکھنے والے اولیاء و صلحاء کی تاریخ ڈیرہ غازی خاں ڈویژن سے زیادہ قدیم ہے۔ یہ ابتدائے اسلام سے ایسی برگزیدہ ہستیوں کا مسکن چلا آرہا ہے جنہوں نے نہ صرف اس خطے بلکہ پوری برصغیر میں اسلام کی حقانیت کا ڈنکا بجایا اور کفر و ضلالت کی فضا میں ایمان کا نور پھیلایا۔ صوفیاء ڈیرہ غازی خاں کے اکثر مزارات کی تاریخ میں تحقیق کے علاوہ سینہ بہ سینہ روایات کا کافی عمل دخل ہے۔" (۲۲)

احمد بدر اقبال صاحب آگے صوفیا کے تذکرے میں ڈیرہ غازی خاں کی نام کی نسبت سے متعلق لکھتے ہیں :

"ڈیرہ غازی خاں ریاست کے والی کے نام پر منسوب ہے۔ غازی خاں اول کے زمانے میں یہاں اکثریت کافروں کی تھی۔ غازی خاں اول نے اوچ شریف میں پیدا ہونے والے بزرگ حضرت ارجن بلند شاہ کو یہاں تبلیغ اسلام کرنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی ریاست کا اعلی منصب بھی عطا کیا۔ غازی خاں اول اس علاقے کے قدیم ترین بزرگ سید غیاث الدین المعروف پیر عادل (م ۴۶۵ھ) کا مرید تھا اور اس کا اپنا انتقال (۴۹۴ھ) میں ہوا تھا۔ غازی خاں اول کا مقبرہ حضرت ملا شاہ قائد کے مزار کے احاطے میں ہے۔" (۲۳)

ڈیرہ غازی خاں سے تعلق رکھنے والے کئی علماء نے پچھلی صدی ہجری میں مختلف مسائل کے سلسلے میں موقعہ بہ موقعہ اس زمانے کے مرجع خلائق شیخ الاسلام و المسلمین' مفتی اعظم محدث کبیر' اور فقیہہ زمانہ امام احمد رضا خاں سنی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی سے استفادہ کیا۔ اس علاقے سے سب سے پہلا رابطہ' لگ بھگ ۱۳۲۰ھ میں شروع ہوا اور پھر امام احمد رضا بریلوی کے بعد ان کے صاحبزادگان مفتی حامد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱) سے بھی جاری رہا۔ امام احمد رضا کی شان افتا دیکھ کر یہاں کے علماء نے بھی برملا امام احمد رضا کو وقت کا مجدد دین و ملت تسلیم

کیا۔

حضرت مولانا قاضی غلام یٰسین علوی قادری (۲۴)

مولانا قاضی غلام یٰسین ڈیروی ابن حضرت علامہ عبدالرزاق ابن مولانا محمد ابن مولانا قاضی عبدالرحمٰن کا سلسلہ نسب سیدنا عباس علمدار تک پہنچتا ہوا حضرت سیدنا امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم پر منتہا ہوتا ہے اسی نسبت سے آپ علوی لکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش پنجاب کے ضلع قصور کے علاقے بہادر پورہ میں ۱۲۶۲ھ میں ہوئی تھی۔

قاضی غلام یٰسین ڈیروی نے ابتدائی تعلیم سمیت، تفسیر، فقہ، میراث اور حدیث کی تعلیم کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد سے کی۔ دورہ حدیث کے دوران قاضی صاحب کے ہم سبقوں میں مفتی نظام الدین، مفتی قمرالدین لاہوری اور مولانا صالح محمد بن غلام باہو بھی شامل تھے جب کہ آپ کے والد ماجد علامہ عبدالرزاق نے دورہ حدیث حضرت مولانا جان محمد لاہوری (م ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) سے مکمل کیا تھا۔ آپ کے والد ماجد علامہ عبدالرزاق کو خرقہ خلافت حضرت شمس الدین گیلانی (م ۱۳۱۲ھ) ابن سید نور اللہ گیلانی سے حاصل تھا۔

قاضی یٰسین علوی کے پردادا حضرت مولانا عبدالرحمٰن (م ۱۲۹۸ھ) ڈیرہ غازی خاں کے اول قاضی مقرر ہوئے تھے جن کو اس وقت کے والی ریاست ڈیرہ غازی خاں نے موضع اعوان قاری سے بلا کر اپنے شہر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلۂ نسب کے ایک چشم و چراغ سیدنا نور اللہ شاہ گیلانی علیہ الرحمہ کے مرید خاص تھے جن سے آپ کو خرقہ خلافت بھی حاصل تھا۔ یہ بزرگ صرف آپ کو اپنے سلسلے میں داخل کرنے کے لئے افغانستان سے یہاں تشریف لائے تھے چنانچہ بیعت و خلافت سے نوازنے کے بعد واپس افغانستان چلے گئے۔

قاضی یٰسین علوی نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی ضلع قصور میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا اس زمانے میں ڈیرہ غازی خاں کی ریاست میں آپ کے چچا زاد بھائی مولانا قاضی محمد بن قاضی قطب الدین ڈیرہ غازی خاں میں منصب قضا پر فائز تھے۔ جب مولانا قاضی محمد کا انتقال ہوگیا تو ڈیرہ غازی خاں کے لوگ اصرار کرکے قاضی یٰسین علوی کو ڈیرہ لے آئے اور منصب قضا آپ کے سپرد کیا آپ نے یہاں تدریسی خدمت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۰۷ء میں جب شہر ڈیرہ غازی خاں سیلاب کی نذر ہوگیا اور شہر مغربی کنارے پر آباد ہوا تو آپ نے جدید شہر کے بلاک ۳ میں رہائش اختیار

کی اور اس بلاک میں ایک مرکزی عید گاہ کی بنیاد بھی ڈالی اور اپنی ذاتی رقم سے ۱۰ مرلہ زمین خرید کر مرزائیوں کے عبادت خانے کے قریب مسجد اور درس گاہ تعمیر کروائی اور پھر مرزائیوں کا بھرپور رد بلیغ فرمایا۔

حضرت قاضی غلام یٰسین قادری علوی کو سلسلہ قادریہ گیلانیہ میں سید فضل الدین گیلانی القادری (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) ابن سید کمال الدین گیلانی قادری (م ۱۲۹۷ھ) مدفون ڈیرہ غازی خاں ابن سید نور اللہ شاہ گیلانی قادری (م ۱۲۱۶ھ) سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ قاضی صاحب نے میاں سجاول کو خرقہ خلافت عطا کیا۔

قاضی غلام یٰسین صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی جب کہ دوسری بیوی سے تین صاحبزادے تولد ہوئے قاضی عبید اللہ' قاضی عبدالرحمٰن اور قاضی احمد اللہ۔ آپ کے ایک پوتے مولوی حکیم شمس الدین علوی ابن قاضی عبید اللہ ابھی حیات ہیں اور ڈیرہ غازی خاں میں ہی مقیم ہیں۔ یہ تمام کوائف آپ ہی نے محترم خلیل احمد رانا اور محترم شہزاد احمد کو بتائے تھے۔

قاضی صاحب کا ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ میں ۸۰ سال کی عمر شریف میں وصال ہوا اور آپ کو ملا قائد شاہ کے احاطہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ نے قلمی یادگار زیادہ نہیں چھوڑی چند کتابوں پر حواشی تحریر کئے تھے مگر افسوس کہ آپ کے ایک پوتے نے آپ کا پورا کتب خانہ فروخت کردیا جس کے باعث حواشی بھی ضائع ہوگئے۔ چند حواشی حکیم شمس الدین علوی صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ ہی کے پاس امام احمد رضا کا ایک دستی خط اور فتویٰ بھی موجود ہے۔ امام احمد رضا کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خط و کتابت کافی عرصہ سے قائم تھی اب ملاحظہ کیجئے امام احمد رضا کے خط کی نقل جو آپ نے مولانا قاری یٰسین صاحب قادری علوی کو غالباً" ۱۳۲۰ھ میں ہی لکھا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

نحمده و نصلے علی رسول الکریم

بملاحظہ مولانا المکرم ذی **المجد** والکرم مولوی قاضی غلام یٰسین صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

لطف نامہ تشریف لایا' ممنون' یاد آوری فرمایا۔ مولانا! زمانہ غربت اسلام ہے "**بدا الاسلام غریبا" وسیعود کما بدا فطوبی للغرباء**" غربت کے لئے کسمپرسی لازم ہے' سینوں میں عوام کی توجہ لہو و لعب و ہزل کی طرف اور بد مذہب رافضی ہوں یا وہابی یا قادیانی یا آریہ یا نصاریٰ'

سب اپنے اپنے مذہب کی نصرت و حمایت و اشاعت میں کمربستہ ہیں' مال سے اعمال سے اقوال سے' سینوں کو کون پوچھتا ہے؟ وقت ہی شیوع ضلالت کا ہے' ان کو اگر کوئی آدھی بات کہے جامہ سے باہر ہوں' ماں باپ کو گالی دے اس کے خون کے پیاسے ہوں اس وقت تہذیب بالائے طاق رہتی ہے' ساری تہذیب اللہ عز و جل اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل برتی جاتی ہے کہ ان کو منہ بھر کر گالیاں دینے والے لکھ لکھ کر چھاپنے والے جو چاہیں بکیں' ان بکنے والوں کا نام ذرا بے تعظیمی سے لیا اور نامہذب درشت گو کا خلعت عطا ہوا' یہ حالت ایمان ہے **انا للہ و انا الیہ راجعون**

ایسوں کے نزدیک تو معاذ اللہ! قرآن عظیم بھی نامہذب ہے

ولا تطع کل حلاف مهین○ هماز مشاء بنمیم○ مناع للخیر معتد اثیم○ عتل بعد ذالک زنیم○ (سورہ القلم ۱۰-۱۳)

یاایها النبی جاهد الکفار و المنفقین واغلظ علیهم○ (التوبہ : ۷۳)

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظته○ (التوبہ : ۱۲۳)

ودوالو تدهن فیدهنون○ (القلم:۹)

و لا تاخذکم بهما رافته فی دین اللہ○ (النور:۲)

بات یہ ہے کہ اللہ و رسول کی عزت قلوب میں بہت کم ہوگئی ہے۔ ماں باپ کو برا کہنے سے دل کو درد پہنچتا ہے۔ تہذیب بالائے طاق رہتی ہے نہ اس وقت اخوت و اتحاد کا سبق یاد ہے' اللہ و رسول پر جو گالیاں برستی ہیں ان سے دل پر میل بھی نہیں آتا' وہاں نیچری تہذیب آڑے آتی ہے۔ اللہ اسلام دے اور مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون○** (الشعراء : ۲۲۷)

مہر انور جس کا ترجمہ ہے وہ فقہ اکبر نہیں ایک نامعتبر رسالہ مولوی صاحب مرحوم کو ہاتھ لگ گیا تھا' فقہ اکبر وہ ہے جس کی شرح علی قاری و بحر العلوم وابوالمنتہی وغیرہم نے کی۔

فقیر کی چار سو تصانیف میں سے شاید ابھی سو بھی طبع نہ ہوئیں' ان میں وہ بھی ہیں جو اس ضرورت کو باذنہ تعالیٰ پورا کرنے والی ہیں جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا طبع فتاوے کا سلسلہ بعونہ تعالیٰ پھر سے شروع ہوا ہے۔ **وحسبنا اللہ و نعم الوکیل○**

تار کی خبر پر افطار حرام محض ہے' افطار بالتحری' تحری غروب میں ہے نہ کہ تحری ہلال' یہاں تو یہ ارشاد ہے کہ **صوموا لرویته وافطروا لرویته** اور صاف ارشاد ہے کہ **"ان اللہ هناه للرویته"** آج تک تمام جہان میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ

نہ رویت ہو نہ شہادت، تحری کرکے عید کرلیں، **"جاء واحد من خارج المصر"** پر اس کا قیاس محض جہل ہے۔

اس رسالہ کے مصنف کون بزرگ ہیں؟ خیر کوئی بھی ہو مگر تار پر افطار کا حکم اختراع فی الدین ہے، مدت ہوئی کلکتہ میں ایک فتوے میرا اس بارہ میں طبع ہوا تھا ایک ہی نسخہ اس کا باقی ہے حاضر کرتا ہوں، رسید و خیریت سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

فتویٰ اب رہا نہیں رسالہ جب طبع ہوا تو اس میں اسے بھی شامل فرمالیں اس میں اور جگہ کی مہریں بھی ہیں۔ (فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ)"

امام احمد رضا خاں بریلوی کے خط میں کوئی تاریخ محفوظ نہ رہ سکی جس کے باعث اس خط کی تاریخ کا تعین مشکل ہے مگر خط کا ایک حوالہ کہ امام احمد رضا کی تصانیف ۴۰۰ سے زیادہ ہوچکی تھی تاریخ کے تعین میں مددگار ثابت ہوا اور یہ تاریخ ۱۳۲۰ھ یا ۱۳۲۱ھ ہوسکتی ہے کیونکہ آپ خود (۱۳۲۰ھ) کے ایک فتوے میں تصانیف کی تعداد ۴۰۰ سو سے تجاوز لکھتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس خط کے ساتھ ساتھ قاضی غلام یاسین صاحب کو اپنا ایک شائع شدہ رسالہ جو ۱۳۰۵ھ میں تحریر ہوا تھا اس کی نقل بھی بھیجی تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے رویت ہلال سے متعلق استفسار کیا ہوگا اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے ڈیرہ غازی خاں کے ایک عالم دین کا اس موضوع پر رسالہ بھی بھیجا تھا جس کا آپ نے رد فرمایا۔ جیسا کہ خط میں لکھا ہے :

"اس رسالہ کے مصنف کون بزرگ ہیں خیر کوئی بھی ہو مگر تار پر افطار کا حکم اختراع فی الدین ہے۔"

امام احمد رضا نے جو رسالہ اس خط کے ساتھ روانہ کیا اس کا نام تھا۔

ازکئی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امرالھلال (۱۳۰۵ھ)

ترجمہ : رویت ہلال کے بارے میں لوگوں کی ایجاد کردہ خبر (تار و خط) کو باطل کرنے میں عمدہ بحث۔

جو رسالہ قاضی صاحب نے بھیجا وہ مولانا احمد بخش صادق ڈیروی کا عربی رسالہ "ہدیتہ الاعزۃ والاشرف بجواز العمل **بخبر التلغراف**" تھا۔ اس وقت تک مولانا احمد بخش صادق کا امام احمد رضا سے کوئی تعارف نہ تھا اور حسن اتفاق سے غلام یٰسین صاحب کے نام امام احمد رضا کا یہ مکتوب ہی رابطہ کا ذریعہ بنا۔

مولانا احمد بخش صادق چشتی سلیمانی ڈیروی

مولانا احمد بخش بن مولانا دین محمد بن مولانا عطا اللہ بن مولانا حافظ محمد شفیع بن مولوی عبدالکریم بن مولوی عبداللہ کی ولادت ۱۲۶۲ھ میں شہرڈیرہ غازی خاں میں ہوئی آپ کے مورث اعلیٰ مولانا عبداللہ صوبہ سرحد کے علاقے بنوں سے سلطان شہاب الدین کے عہد خلافت میں ڈیرہ غازی خاں کی ریاست میں تشریف لائے۔ (۲۵)

مولانا احمد بخش ڈیروی نے دینی تعلیم اپنے والد کے علاوہ اپنے نانا مولوی رحمت اللہ (مرید خاص حضرت سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ) سے حاصل کی اور ۱۴ سال کی عمر شریف میں علوم نقلیہ و عقلیہ سے فراغت پائی۔ (۲۶) تعلیم سے فراغت کے بعد ڈیرہ غازی خاں میں ایک مسجد نواب احمد یار خاں خاکوانی کے تعاون سے تعمیر کروائی اور اس میں مدرسہ "چشتیہ نظامیہ" قائم کیا۔ آپ طویل عرصہ تک اس مدرسہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔ حضرت خواجہ محمود تونسوی (م ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۹ء) نے جب ۱۳-۱۹۱۲ء میں تونسہ شریف میں مدرسہ "سلیمانہ محمودیہ" قائم کیا تو مولانا احمد بخش صادق کی خدمات حاصل کیں اور آپ کو اس کا صدر مدرس بنادیا۔ (۲۷) آپ بحیثیت صدر مدرس اس مدرسہ کی ۴ سال خدمت فرماتے رہے اور پھر واپس ڈیرہ غازی خاں تشریف لے آئے۔

مولانا احمد بخش تونسہ شریف کے سجادہ نشین خواجہ اللہ بخش تونسوی (م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) ابن خواجہ گل محمد تونسوی ابن خواجہ محمد سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء) سے بیعت تھے آپ صاحب قلم بزرگ تھے۔ آپ نے چند تصانیف عربی، فارسی، اور اردو زبان میں یادگار چھوڑی ہیں جن میں چند طبع بھی ہوئی ہیں مثلاً"

۱- ارضا الجود اللکویم --- قصیدہ بزبان فارسی ۱۳۵۲ھ

۲- ہدیتہ الاعزہ والاشرف بجواز العمل بحجر التلغراف --- عربی زبان میں مطبوعہ۔

۳- مناسبہ وقت ۱۳۵۱ھ مطبوعہ

۴- نعتیہ قصیدہ زبان عربی غیر مطبوعہ

۵- رسائل رد وہابیہ

مولانا احمد بخش ڈیروی جب مدرسہ محمودیہ سے واپس اپنے شہرڈیرہ غازی خان آئے تو اپنے علاقے بلاک ۱۲ میں ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی اور اپنی تمام جائیداد فروخت کر کے اس مسجد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس مسجد کی تعمیر میں خواجہ محمود تونسوی نے بھی بھرپور مدد فرمائی یہ مسجد شہر کی قدیم مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ جو پہلے ان کے نام پر مولانا احمد بخش مسجد کہلاتی تھی۔ اور اب یہ جماعت اسلامی کی تحویل میں ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نذیر احمد مسجد کہلاتی ہے۔ (۲۸)

مولانا احمد بخش کا وصال ۹۰ برس سے زیادہ

کی عمر میں ۲ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ بروز بدھ بمطابق ۱۳ جون ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ مزار مبارک مولانا احمد بخش کی قائم کردہ مسجد کے احاطہ میں ہی ہے اور آپ کے مزار کے ساتھ آپ کے ایک بیٹے مولانا محمد شفیع (م ۱۹۸۶ء) کا مزار بھی ہے۔ مزار کی دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث کتبہ پر مرقوم عبارت مٹ گئی ہے۔ آپ کا خاندان آج بھی بلاک ۱۲ میں مقیم ہے۔ (۲۹)

مولانا احمد بخش صادق ڈیروی کے حالات کے سلسلے میں جناب خلیل احمد رانا صاحب نے محترم جناب اسد نظامی کی دو صفحات پر مشتمل نقل احقر کو روانہ کی تھی۔ یہ تحریر دراصل اسد نظامی نے بروز جمعہ ۱۴۰۱ھ میں مولانا احمد بخش کے صاجزادے مولانا محمد شفیع صاحب سے انٹرویو لینے کے بعد لکھی تھی۔ جناب مولانا محمد شفیع صاحب (م ۱۹۸۶ء) نے انٹرویو میں سینہ بہ سینہ روایت بیان کی کہ ان کے والد ماجد اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے تعلقات کس طرح قائم ہوئے آپ نے بتایا کہ :

"والد ماجد نے تار و ٹیلی فون کی خبر پر روزہ رکھنا اور یکم شوال المکرم کو عید پڑھانے کے جواز میں بزبان عربی ایک مبسوط رسالہ لکھا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں شائع شدہ کتاب ارسال کی تو جواب میں اعلیٰ حضرت نے نہ صرف اپنا قلمی فتویٰ ارسال کیا بلکہ فتاویٰ رضویہ جلد اول طبع اول بھی بھیجی جس میں تار و ٹیلی فون کی خبر کو غیر معتبر قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت کی علمی تحقیق دیکھ کر رجوع کرلیا لہٰذا اسی بنا پر اعلیٰ حضرت سے خط و کتابت شروع ہوگئی۔ تین بار والد ماجد بریلی شریف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں بھی حاضر ہوئے۔

اعلیٰ حضرت سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت حاصل کی۔

مولانا شفیع صاحب نے مزید بتایا کہ :

"آپ نے ایک عربی نعتیہ منظوم کلام لکھنے کا ارادہ کیا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہلا شعر (مطلع) لکھنے کی استدعا کی تو اعلیٰ حضرت نے عربی زبان میں پہلا شعر مولانا صادق کی خدمت میں لکھ کر ارسال فرمادیا اور پھر آپ نے طویل قصیدہ لکھ کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تصیح کے لئے ارسال کیا تو اعلیٰ حضرت نے زعفران کی سیاہی سے اس کی تصیح کرکے واپس ارسال فرمادیا۔

مولانا محمد شفیع صاحب نے مزید بتایا کہ :

اعلیٰ حضرت نے قصیدہ غوثیہ کی عربی شرح لکھ کر تقریظ لکھوانے کے لئے قلمی نسخہ ارسال کیا تھا اس پر مولانا صادق صاحب نے بزبان عربی تقریظ بھی لکھی تھی مگر یہ نسخہ ہمارے کتب خانے

سے مفقود ہو گیا۔

آپ نے مزید بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"اگرچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے متعدد مکتوب گرامی بنام مولوی احمد بخش علیہ الرحمہ موجود تھے مگر مرور زمانہ کی نذر ہو گئے اور اب صرف ۸ عدد مکتوب گرامی اور چند قلمی فتوے باقی رہ گئے نیز ایک مکتوب گرامی اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا مولانا احمد بخش کے نام بھی ہمارے پاس موجود ہے۔" (۳۰)

آخر میں آپ نے بتایا کہ والد ماجد نے اعلیٰ حضرت کی بعض تصانیف پر تقریظ لکھی تھی اور خود مولانا صادق صاحب نے رد وہابیہ کے سلسلے میں متعدد رسائل تحریر کئے تھے۔ (۳۱)

مولانا احمد بخش صادق ڈیروی کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں سے مراسم اس وقت قائم ہوئے تھے جب امام احمد رضا نے مولانا قاضی غلام یاسین قادری علوی کو مکتوب لکھا تھا جس میں آپ نے مولانا احمد بخش صادق صاحب کا نام لئے بغیر ان کے عربی رسالہ کا رد کیا تھا اور اپنا ایک رسالہ مولانا علوی صاحب کو بھیجا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا غلام یٰسین صاحب اعلیٰ حضرت کا مکتوب اور ان کا رسالہ "ازکی ھلال" لے کر ضرور مولانا احمد بخش صاحب کے پاس گئے ہوں گے مگر بقول مولانا محمد شفیع کہ ان کے والد ماجد (مولانا احمد بخش صادق) نے اپنا عربی رسالہ رویت ہلال کے مسئلے سے متعلق اعلیٰ حضرت کو بھیجا تھا یہ بھی ممکن ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مولانا یٰسین صاحب کے خط ہی میں اس کا ذکر کر دیا ہو لیکن دونوں صورتوں میں یہ خط اور اعلیٰ حضرت کا اپنا رسالہ مولانا صادق کے مطالعہ میں ضرور آئے کیونکہ ان کا ایک مکتوب بنام امام احمد رضا اس بات کی نشان دہی کر رہا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے رسالے سے اور اپنے رسالے کے رد کئے جانے سے خوش نہیں تھے اور غالباً" ابھی تک مولانا احمد بخش صاحب امام احمد رضا کی علمی وجاہت سے بھی پوری طرح پر آگاہ نہیں تھے چنانچہ ناراضگی میں جو آپ نے خط لکھا ہے اس کے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

از ڈیرہ غازی خاں

المستغنی عن التعریف والتوصیف مولانا المکرم دام مجدہ'

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

"آج جناب کا مراسلہ مبارک بنام غلام یٰسین مع ایک رسالہ کے جس میں ایک فتویٰ متعلق عدم جواز افطار بجز تار درج ہے نظر سے گزرا...... مراسلہ میں بعد اس کے کہ بدمذہب لوگوں پر تشنیع اور تغلیط اور مسلمانوں کی موجودہ حالت پر اظہار تاسف کیا گیا لکھا ہوا پایا کہ

تار کی خبر پر افطار حرام محض ہے۔ افطار کے بالتحری غروب میں ہے نہ تحری ہلال میں...... جاء واحد من خارج المصر پر اس کا قیاس محض جہل ہے۔ اس رسالے کے مصنف کون بزرگ ہیں خیر کوئی بھی ہوں مگر تار پر افطار کا حکم اختراع فی الدین ہے...... و نیز یہ کہ خاکسار کو بھی جناب کا یہ فتویٰ پہلے کبھی نہیں پہنچا بلکہ جناب کا نام بھی کم از کم ایک ماہ سے سنا گیا......

آخر میں اس قدر گزارش کرنے سے باز نہیں رہا جاسکتا کہ میں سنی حنفی چشتی سلیمانی ہوں اور جناب کے حنفی قادری ہونے کا تہہ دل سے شکر گزار اس لئے تحریر میں ہر وقت یہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ جناب اور خاکسار دونوں پابند قواعد و روایات فقیہہ کے ہیں اور ہم میں سے کوئی مجتہد نہیں......

پس اگر مناسب سمجھیں تو ہر ایک امر کے متعلق علیحدہ علیحدہ بحث کرنا پسند فرمادیں بدیں شرط کہ تا وقت کہ ایک امر طے نہ ہو دوسرے میں شروع نہ کیا جاوے......

عبدالضعیف احمد بخش عفی عنہ (۳۲)

مولانا احمد بخش صادق کے اس خط کا جو جواب امام احمد رضا نے دیا ہوگا وہ محفوظ نہ رہ سکا البتہ مولانا محمد شفیع کے انٹرویو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواب اتنا تسلی بخش تھا کہ والد ماجد نے اپنے رسالے سے رجوع فرمالیا اور امام احمد رضا کا تبحر علمی پڑھ کر ان کے ایسے متعقد ہوئے کہ جلد ہی بالمشافہ ملاقات کرنے کے لئے بریلی تشریف لے گئے اور پھر مزید دو دفعہ اور گئے۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ اعلیٰ حضرت کی حیات تک ہی جاری نہ رہا بلکہ ان کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے بعد بھی احمد بخش صاحب نے بریلی شریف سے امام احمد رضا کے صاحبزادگان سے تعلق قائم رکھے چنانچہ ایک مکتوب جو حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی (م ۱۴۰۲ھ) کا بنام مولانا احمد بخش صادق موجود ہے اس بات کی گواہی کے لئے کافی ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کا یہ مکتوب ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء کا ہے۔ (۳۳)

امام احمد رضا کے تمام خطوط کے متن کو یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا البتہ ایک دو مکتوب کا ذکر تفصیل سے کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجئے مکتوب رضا جو امام احمد رضا نے ۱۳۳۴ھ میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

جناب مولانا المولوی احمد بخش صاحب الچشتی النظامی ادام اللہ تعالیٰ علیہ فضلہ

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔

فقیر نے گزارش کی تھی کہ جب فتاویٰ (فتاویٰ رضویہ کی جلد اول) میں رسالہ ''اجلی

الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام" (۳۴)
چھپ جائے گا حاضر کرے گا مگر اتفاق کہ رجب
سے اور آخر شوال تک کوئی پریس مین نہ ملا چند
کاپیاں باقی تھیں کہ اب چھپیں لہٰذا اسی قدر صفحہ
۳۸۰ تک ہی حاضر کرتا ہوں اس کے بعد اجلی
الاعلام اور چھپن کاپیاں تیار رکھی ہیں۔ بحمد اللہ
تعالیٰ وقتاً" فوقتاً" ارسال کرے گا۔ الدولتہ المکیتہ
کا بقیہ ابھی کہاں طبع ہوا۔ حسب استدعا اجازت
نامہ حصن حصین شریف و کتب حدیث وسائر علوم
مرسل ہے اگرچہ فقیر کہاں اس قابل ہے۔ الکنز
الکرام حسان الظنون منتخب کنز العمال مستقل
کہیں طبع نہ ہوا یہی ہے جو ہامش مسند پر ہے
والسلام مع الاکرام

العبد الفقیر احمد رضا عفی عنہ ۲ ذیقعدہ
الحرام ۱۳۳۴ھ البتہ کنزالعمال مستقل ۸ جلد میں
حیدرآباد کے مطبع دائرۃ المعارف میں چھپ گئی
ہے اگر مطلوب ہو وہاں سے طلب فرمائیں اب ۱۷
روپے قیمت ہے میں نے ابتداء میں خریدی تھی
جب کہ اس کے تین روپے تھے والسلام"

(غیر مطبوعہ مکتوب)

امام احمد رضا نے اس مکتوب کے ساتھ ہی
مسند خلافت و اجازت روانہ کی تھی جس پر ۲
ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ تاریخ درج ہے اس سند کا عکس
مقالہ کے آخر میں شائع کیا جارہا ہے۔

مولانا احمد بخش صادق ڈیروی

مسائل پر استفتاء کی شکل میں بھی استف
چنانچہ صرف ایک استفتاء اور اس کا جواب مختصرا
یہاں منتقل کررہا ہوں باقی فتاویٰ رضویہ کی مختلف
جلدوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ **مثلاً**"

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۹۱
(۲) فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۹ صفحہ نمبر ۸۹ - ۹۲
(۳) فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۵ حصہ پنجم صفحہ نمبر ۳۸۶-۳۹۱

از تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں

مسئولہ : مولانا احمد بخش صاحب ساکن ڈیرہ
غازی خاں مہتمم مدرسہ محمودیہ

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

سیدی سندی اعتضادی و علیہ اعتمادی البحر
البحر العلامتہ الفہامتہ الالمعی اللوذعی حضرت مجدد
المائتہ الحاضرۃ ادام اللہ برکاتہم و القابہم الی یوم
الدین۔ آداب عجز و نیاز بے انداز بجا بجا لاکر
عرض کرتا ہوں کہ خاکسار کو ہر لحظہ عافیت مزاج
شریف و قضائے حاجات ذات مستجمع الصفات
اہم مادب و اعظم مطلب ہے۔ ان ایام میں ایک
واقعہ پیش آیا جس میں بعض ابناء الزمان مخالف
ہیں اور مفصل طور پر میری اس تحریر ناقص سے جو
بغرض استصواب ابلاغ خدمت اقدس ہے واضح
ہوگا۔ چونکہ جناب کے بغیر خاکسار کا کوئی محل اعتماد

نہیں اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ براہ بندہ نوازی جواب بالصواب سے جو مدلل مفصل ہو خاکسار کو معزز و ممتاز فرمائیں عین عنایت ہوگی اور اس تقریر کے آخر میں اپنی رائے صائب سے آگاہ فرما کر بدستخط خاص مزین فرمادیں۔ (۳۵)

مولانا احمد بخش ڈیروی صاحب نے مسئلہ بیان کرنے سے قبل اپنا عربی کا ایک شعر لکھا جس کے دوسرے مصرعہ میں اعلیٰ حضرت کی طرف اشارہ ہے۔

یارب بک الاعتصام و منک التوفیق
و یا شفیق یا رفیق نجنی من کل ضیق

ترجمہ : اے میرے رب کریم! تو ہی میرا آسرا ہے اور تجھ ہی سے توفیق ہے۔

اے شفیق و رفیق مجھے ہر تکلیف سے نجات عطا فرما۔

اس کے بعد مولانا احمد بخش صادق صاحب نے اپنا پورا مسئلہ اور اس کا جواب لکھ کر امام احمد رضا کو تصحیح کے لئے روانہ کیا سوال دراصل مقتدی کے سجدہ سہو سے متعلق ہے جیسا کہ مسئلہ کے شروع میں مولانا صادق صاحب نے تحریر کیا:

"اگر موتم سے سہو ہو تو اعادہ صلوۃ اس پر واجب نہیں کیونکہ جمع فقہائے نے متون اور شروع میں تصریح فرمائی ہے کہ موتم پر اپنے سہو سے سجدہ سہو لازم نہیں......

امام احمد رضا نے اس کا مدلل جواب دیا یہاں اس کے چند اقتباس ملاحظہ کیجئے :

الجواب!

وباللہ توفیق موئید السائل الفاضل دام بالفضائل (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سائل فاضل جن کے فضائل ہمیشہ رہیں) کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہوں۔

۱۔ بزاز مسند اور بیہقی سنن میں امیر المومنین سید ناعمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس علی من خلف الامام سھو فان سہا الامام فعلیہ وعلی من خلفتہ

ترجمہ : امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر سہو نہیں اگر امام بھول گیا تو اس پر اور اس کے مقتدیوں پر سجدہ سہو ہے۔ (۳۷)

امام احمد رضا نے مزید ۱۵ دلائل اور حوالہ جات سے اپنے فاضل دوست کی تائید فرمائی کہ فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقتدی کی سہو پر کوئی سجدہ سہو کا حکم نافذ نہیں۔

مولانا احمد بخش صادق ڈیروی صاحب نے اپنا ایک نعتیہ قصیدہ بزبان عربی ۱۱۴ اشعار پر مشتمل' امام احمد رضا کی خدمت میں تصیح کے لئے پیش کیا۔ امام احمد رضا ان دنوں کافی علیل

تھے اور نینی تال آرام وعلاج کے لئے گئے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود علمی اور قلمی مشاغل میں کوئی کمی نہیں آئی اس قصیدہ کے سلسلے میں امام احمد رضا نے مولانا صادق صاحب کو ۳ خطوط لکھے تھے جب تیسرا خط روانہ کیا تو اس کے ساتھ تصیح شدہ عربی قصیدہ کا مسودہ بھی تھا ان خطوط کے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

۱۔ بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد الاتم والفضل الکرم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

نامی نامہ بریلی سے واپس ہوکر یہاں (بھوالی نینی تال) آیا۔ فقیر ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس مبارک پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا کہ ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا۔ میں نے وصیت نامہ لکھوادیا بحمدہ تعالیٰ مولی عز و جل نے شفا بخشی ولہ الحمد۔ اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا تھا مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی۔ وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا۔ مجھے زیادہ ندامت اس کی تھی کہ جناب نے تحریر فرمایا تھا کہ اس کا مثنی یہاں نہیں۔ مگر الحمد للہ مہینوں کے بعد مل گیا۔ زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے...... (۳۸)

۲۔ دوسرا خط اس وقت لکھا جب مولانا احمد بخش صاحب نے ایک استفتاء میں اپنے قصیدہ کا ذکر کیا تو امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب ایک مکتوب میں دیا :

مولانا المکرم

...... قصیدہ مبارک انشاء اللہ تعالیٰ رجسٹری حاضر کروں گا میں نے کل سے اسے دیکھنا شروع کیا ہے۔ آج کا دن ایک بدمذہب گمراہ کے رد میں صرف، ہوا اور ظاہرا" کل بھی اس میں صرف ہو۔ یوں ہی انشاء اللہ تعالیٰ فرصت میں دیکھ کر جلد حاضر کروں گا۔ کل میں نے اس کا ایک ورق کامل دیکھ لیا بلکہ معنا" تین صفحہ پہلا صفحہ بنادیا تھا۔ اس میں بعض قافیے موسہ تھے اور بعض غیر موسہ۔ میں نے سب کو موسہ کردیا پھر جو آگے دیکھا تو اکثر غیر موسہ تھے۔ تمام قصیدے میں صرف ۲۸ قافیوں میں تاسیس دخیل تھے اور ۸۶ میں نہیں تو خیال ہوا کہ موسہ ہی کی تبدیلی چاہئے تھی لہذا پہلے صفحہ بنے ہوئے کو دوبارہ بنانا پڑا اور سب قافیوں کو بلا تاسیس کردیا۔ رسید مسائل سے مطلع فرمائیں والسلام فقیر احمد رضا غفرلہ شب ۲۶ ذیقعدہ' ۱۳۳۹ھ (از بھوالی ضلع نینی تال)

امام احمد رضا نے جب یہ قصیدہ پورا دیکھ لیا اور تصیح فرمادی تو اس کو رجسٹری کے ذریعہ ارسال کیا ساتھ میں ایک خط بھی تھا اس کا بھی اقتباس ملاحظہ کیجئے :

جناب مولنا المبجل المکرم دام بالمجد

والکرم

امتثال فرمائش کو قصیدہ مبارک دیکھ کر حاضر کرتا ہوں۔ فقیر نہ عروضی ہے نہ لغوی' فنون و ادب میں درسیات بھی نہ پڑھیں۔ نہ یہاں پہاڑ پر کوئی کتاب لغت و ادب و عروض کی حاضر۔ اپنے ذوق پر جو خیال آیا عرض کیا۔ میرے نزدیک حتی الامکان احتیاج تاویل سے بچنا چاہئے کہ حدیث میں فرمایا :

ایاک و ما یعتذر منہ

زحاف نامطبوعہ سے اگرچہ مجوز بلکہ عرب میں مروج بھی' حتی الوسع احتراز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فعلن ضرب میں بدلنا تو ضروری تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنا دیا ورنہ میرے مذاق پر ثقیل ہے۔ نظم عربی میں دخیل و تاسیس کی رعایت واجب ہے۔ ہوتا تو سب میں ہوتا حالانکہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے انہیں کو بدل دیا۔

جناب مولانا اصل مسودہ بوجہ تنگی باکثرت حواشی ترمیمات اس قابل نہ رہا تھا کہ پڑھنے میں آئے لہٰذا اسے صاف کراکر حاضر کرتا ہوں۔ اشعار سامی سیاہی سے ہیں اور ترمیمیں سرخی سے۔ مجھے کئی روز سے بشدت بخار تھا بفضلہ تعالیٰ آج اترگیا مگر کل سے درد پہلو ہے میں اس مبیضہ کو خود نہ دیکھ سکا ممکن کہ اغلاط رہ گئی ہوں وہ نظر سامی پر محول ہیں۔ (۳۹)

اب اس قصیدہ میں چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

جل العنا وقل خل سیال
ولا اخاف حیث انت الموئل
یامن علی کل علی اوعتلی
یامن من الکل ھوالا فضل
یامن بدی **فیما** بدی نورہ
اصل اصیل والسوی سائل
یارحمتہ للعالمین ومن
بہ امان لی اذا ازک

(۴۰)

مولانا احمد بخش صادق ڈیروی نے فارسی زبان میں بھی ایک منظوم قصیدہ "ارضا الجواد الکریم" کے نام سے تحریر کیا تھا جو ۱۳۴۹ھ میں شائع بھی ہوا اس کی دوبارہ اشاعت "لااذن سمت" ۱۳۵۴ھ کے تاریخی نام سے ہوئی تھی۔ اس فارسی قصیدہ شریف میں ۲۰۵ اشعار ہیں۔ جس زمانے میں اس کی اشاعت ہوئی تھی اس زمانے میں اہل دیوبند نے مسئلہ بشریت چھیڑا ہوا تھا اور اس علاقے میں مولوی غلام محمد گھوٹوی اور قاضی عبیداللہ پیش پیش تھے اور جگہ جگہ اس زمانے میں اہل دیوبند کے ساتھ علماء اہل سنت کے مناظرہ بھی ہورہے تھے۔ مولانا احمد بخش صادق صاحب نے اس سلسلے میں بریلی شریف سے رابطہ بھی کیا اور خود اس منظوم قصیدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی بشریت سے متعلق اشعار کہہ کر اپنے عقیدہ کا اظہار بھی کیا۔ اس قصیدہ میں چند اشعار ایسے بھی ہیں جو امام احمد رضا کی تعلیمات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اب چند اشعار ملاحظہ کیجئے مولانا احمد بخش ڈیروی نے جگہ جگہ خود اشعار کی مختصر شرح بھی لکھی ہے ملاحظہ کیجئے :

ای بہ طہ وبہ یس عجب ایں ناموری
چہ خوش ایں طیب اداؤ چہ خوش ایں مختصری

صادق عرض کرتا ہے کہ اے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت باری عزاسمہ کی جانب سے آپ کو طہ اور یس سے نام رکھنا اور آپ کا ان سے مشہور ہونا عجیب ہے۔ کیا خوش ہے یہ ادا اور کیا خوش ہے یہ اختصار۔ (۴۱)

اب وہ اشعار ملاحظہ کریں جس میں امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات کا ذکر ہے۔

مفتیان حرمین اند و رضا خواستہ اند
زندگی دادہ بہ تیغی زکرم گستری

حرمین شریفین کے حضرات مفتی رضا کے طالب ہیں۔ جنہوں نے اپنی کرم گستری سے تلوار کے اثر سے زندگی بخشی ہے۔ (نوٹ : لفظ رضا سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور تیغ سے کتاب "حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین" کی طرف اشارہ ہے۔ (۴۲)

نیز فرمودہ کہ لم یعرفنی من احد
غیر ربی الملک المالک فاستکثر

یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے اپنے پروردگار بادشاہ اور مالک کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ پس اس کو بہت دلائل کے برابر سمجھ لے۔

نوٹ: یہ حدیث شریف اعلیٰ حضرت مجدہ مائتہ حاضرۃ نے اپنے رسالے میں ذکر فرمائی ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

لم یعر فنی حقیقۃ غیر ربی (۴۳)

ایک اور شعر میں امکان نظیر کا رد کرتے ہوئے امام احمد رضا کی کتاب حسام الحرمین کی طرف اشارہ کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے :

گہ در امکان نظیرش نظر کج کر دی
شرف ختم نبوت توگہی منکری

اور کبھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظیر (مثل) ممکن ہونے میں نظر کو ٹیڑھا کرتا ہے اور کبھی خاتم النبین ہونے کے عزت اور شرف کا انکار کرتا ہے۔ نوٹ : اسماعیل دہلوی نے "صراط مستقیم" میں لکھ دیا کہ آپ کے بعد نبیوں کا آنا ممکن ہے اور نانوتوی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا جس کا ذکر اور اس پر مفتیان حرمین شریفین سے کفر کے فتوے لگنے کا بیان "حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین" میں مفصل درج ہے۔ (۴۴)

اس قصیدہ کا آخری شعر ملاحظہ کیجئے :

باد ہر وقت سلام و صلوات و برکات

برتوؤ ہر ہمہ زیشان کہ تو مستبشوی
ہروقت سلام اور صلوات اور برکات آپ
پر ہوں اور سب ان حضرات پر ہوں جن سے آپ
راضی اور خوش ہیں۔ (۴۵)

آخر میں مولانا احمد بخش ڈیروی کے ایک رسالہ "مناسب وقت" کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔ جس میں انہوں نے وہابیہ کا مسئلہ بشریت میں رد کیا ہے۔

"یہ وہابیہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بالکل خالی ہیں اور ان کے قدر اور رتبہ سے بالکل ناواقف اور جاہل ہیں۔ (۴۶)

آگے چل کر لکھتے ہیں :

آپ تجربہ کریں کہ جب ان میں سے خواہ کوئی بھی ہو یہ کہے کہ انکار بشریت انکار قرآن ہے تو تم اس کو یہ کہو کہ قرآن میں صرف بشر تو نہیں بلکہ "بشر مثلکم" ہے۔ پس کفار کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا تیرا دھرم میں فرض ہوا (۴۷)

امام بخشش فریدی جامپوری (۴۸)

مولانا امام بخش فریدی قوم قریش سے تعلق رکھتے تھے اور پیدائش فاضل پور ضلع راجن پور میں ہوئی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جام پوری کی مسجد جھگڑاں سے متصل مدرسہ میں ۳۶ سال مسلسل تدریسی خدمت انجام دی۔ کچھ عرصہ کوٹ مٹھن ضلع رحیم یار خاں کی جامع مسجد میں بھی امامت فرمائی۔ آپ کا سلسلہ بیعت حضرات خواجہ فرید علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) سے تھا اور خلافت آپ کو حضرت غلام فرید کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش المعروف خواجہ نازک (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۰ء) سے حاصل تھی۔ آپ کا وصال ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو ہوا اور جام پور کے قبرستان ہی میں آپ کی تدفین ہوئی آپ کے مزار پر ہر سال عرس کے موقع پر اجتماع ہوتا ہے اور مزار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس پر فارسی میں یہ اشعار کندہ ہیں۔

ہزار حیف کہ آقائے مولانا مبرور
فرید دھر تعلیم و بزہد بس مشہور
سہ شنبہ بست و چہارم جمادی الثانی
بخلد کرد مقر خود زما شد مستور
چو قاضی جست سند وصل ایں ندا آمد
خطاب کردہ بمرحوم بودہ مغفور

آپ کے دو صاحبزادے تھے اور دونوں ہی انتقال فرما چکے ایک کا اسم گرامی مولانا خادم حسین تھا اور دوسرے مولانا تصدق احمد ثاقب (م ۱۹۴۸ء)۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے اور علاقے میں آپ کی کئی کرامت مشہور ہیں ایک کرامت ملاحظہ کیجئے :

"مولانا نیاز احمد فریدی جو آپ کے داماد تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے گھبراتا تھا مگر حضرت امام بخش مجھے انتقال کے بعد ۱۲ سال مسلسل خواب میں آکر جمعہ کے خطبہ کی تیاری کرواتے رہے۔"

حضرت امام بخش فریدی علیہ الرحمہ نے چند کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں۔

۱۔ شرح کافی (نہ کوئی آدم نہ کوئی شیطان)

یہ کتاب دراصل امام بخش صاحب نے اپنے پیرو مرشد خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ کی کافی "نہ کوئی آدم نہ کوئی شیطان سب ہے کوڑ کہانی" پر اعتراضات کے جواب میں لکھی تھی۔ شرح کافی کہ مقدمہ میں اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اما بعد! کہتا ہے فقیر امام بخش فریدی جام پوری کہ جناب حضرت شیخ صاحب قطب الاقطاب خاتم ولایت محمدیہ علی صاحبہا الف تحیہ حضرت شیخ اکبر محمد بن علی محی الدین بن العربی قدس سرہ العزیز کی ایک رباعی عربی زبان میں اور میرے مرشد محقق فرد الافراد فرید فی التوحید حضرت خواجہ صاحب شیخ غلام فرید قدس سرہ العزیز کی ایک کافی ہندی زبان میں گنجینہ اسرار تھیں لیکن کند فہم نارسا طبع متعصب دونوں شیخوں پر زبان طعن دراز کررہے تھے۔ چونکہ فقیر مشائخ کرام "موحدین وجودیہ" میں سے ہے۔ دشمنوں کے طعن گوارا نہ کرسکا اور چاہا کہ اس کافی اور رباعی کے شرح کرکے زبان طعن کی دونوں شیخوں سے نیز ان کے کلام الملوک ملوک الکلام سے دور کر دے البتہ جو لوگ ضدی ہٹ دھرم ہیں ان سے کوئی چارہ نہیں۔" (۴۹)

مولانا امام بخش فریدی علیہ الرحمہ نے ایک رسالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سے متعلق اس زمانے میں لکھا جب ڈیرہ غازی خان میں یہ موضوع مناظرہ کا عنوان بنا ہوا تھا اس جامع رسالہ بعنوان "فیصلہ بشریت" کا یہاں خطبہ ملاحظہ کیجئے۔

"الحمد للہ ھادی البشر والصلوۃ علی سید نا محمد رسول الجن و البشر وعلی الہ و اصحابہ والذ ین جاھدو الکفرۃ و القائلتہ للرسول البشر اما بعد!

فقیر امام بخش شیخ نسبا" حنفی مذہبا" چشتی شربا" فریدی نسبتا" جام پوری وطنا" غفراللہ لہ والوالدیہ والاساتذہ والمشائخہ' اہل انصاف علماء کرام کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس زمانے میں عرصہ دراز سے لوگوں میں یہ جھگڑا ہورہا ہے سید الرسل علیہ السلام کو بشر کہنا جائز ہے یا نہ۔ بدیں وجہ بعض احباب نے اس فقیر کو مجبور کیا کہ اس امر کے فیصلہ میں کوئی تحریر شافی

کردیں...... لہٰذا فقیر نے قلم اٹھایا اور جو کچھ متقدمین کے کتابوں سے معلوم ہوا لکھ کر نام اس کا "فیصلہ بشریت" رکھا۔ (۵۰)

شیخ امام بخش فریدی جام پوری کا ایک رسالہ بعنوان "رسالہ جواز بوسہ طواف" بھی کافی مشہور ہے۔ امام بخش فریدی وحدۃ الوجود میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ غلام فرید کے مسلک پر سختی سے قائم تھے ایک موقع پر اس مسئلہ میں آپ نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز سے بھی رجوع کیا اور وحدۃ الوجود کے مسئلہ کے علاوہ دو اور مختلف مسئلوں کے بارے میں بھی دریافت کیا تینوں مسئلے ملاحظہ کیجئے تیسرا مسئلہ احقر کی نظر سے فتاویٰ میں نہیں گزرا اس لحاظ سے یہ قلمی فتویٰ ہے اور احقر اس کے لئے جناب خلیل احمد رانا کا مشکور ہے جن کے توسل سے یہ تینوں قلمی فتوے احقر کو دستیاب ہوئے۔

مسئلہ نمبر۔۱ :

امام بخش فریدی از جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں ۳ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

مسئلہ : وحدۃ الوجود حق ہے یا نہ؟

الجواب : توحید ایمان ہے لا الہ الا اللہ اور وحدت حق کل شئی ھالک الا وجھہ۔ سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کی

فاشھد ان اللہ لا شئی غیرہ
وانک مامون علی کل غائب

اور اتحاد باطل اور اس کا ماننا الحاد "ان کل من فی السموت والارض الا اتی الرحمٰن عبدا"" وجود واحد ہے اور موجود احد باقی سب ظل و عکوس "ھو الاول والاٰخر و الظاہر والباطن وھو بکل شئی علیم ○ (۵۱)

مسئلہ نمبر۔۲ :

امام بخش فریدی از جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں دوشنبہ ۳ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

مسئلہ : سماع فی نفسہ کا قطع نظر اس سے کہ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ میں نہیں سننے کا کیا حکم ہے۔

الجواب : سماع کے بے مزامیر ہو اور مسمع نہ عورت ہو نہ امرد (نوجوان لڑکا) اور مسموع نہ فحش نہ باطل اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پرست تو اس کے جواز میں شبہ نہیں۔ قادریہ، چشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے ورنہ سب کے نزدیک ناجائز۔ والتفصیل فی رسالتنا "اجل التحبیر فی حکم السماع المزامیر" (۵۲)

تیسرا سوال بوسہ قبر سے متعلق ہے اس کا جواب ملاحظہ کیجئے جو قلمی فتویٰ ہے کیونکہ احقر اس کو فتاویٰ رضویہ میں دوران مطالعہ نہیں دیکھ سکا۔

الجواب : بوسہ قبر علما میں مختلف فیہ ہے اور

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبر اطہر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بوسہ مسند امام احمد میں بسند حسن ثابت ہے۔ اور شیخ محقق نے لمعات وغیرہ میں منع کو ترجیح دی ہے اور دربار عوام یہی مسلک اسلم ہے۔ عالمگیریہ وغیرہ میں ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ادب یہ ہے کہ مزارات طیبہ سے کم از کم دو ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو پھر بوسہ کیونکر ممکن ہے۔ طواف تعظیمی کہ اس نفیس قول سے ادائے تعظیم مقصود ہے، غیر کعبہ معظمہ کے لئے حرام ہے۔ نص علیہ فی شرح اللباب وغیرہ من کتب الاصحاب، اور طواف تبرک کہ بعوض حصول برکت کو پھرنا ہو اور اسے فعل تعظیم کی نسبت سے نہ کرے، اس کے منع پر شرع دلیل نہیں۔

اشباہ شاہ ولی اللہ میں مزارات طیبہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے ترکیب میں لکھا ہے "ہفت مرت طواف کند۔" امام کمال الدین دمیری کامل سے نقل کرتے ہیں :

یعنی حجاج بن یوسف ظالم نے لوگوں کو اس وقت نہ تھے مگر صحابہ یا تابعی مزار اطہر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھا اس پر وہ ناپاک کلمہ کہا جس پر علماء کرام نے اس کی تکفیر کی تاہم عوام کے لئے سلامتی اس سے احتراز میں ہے کہ یہاں حرام و حلال ایسے ہیں جیسے آنکھ کی سپیدی سیاہی ومن اس کی تفصیل نام ہمارے فتاویٰ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۵۳)

مولانا اللہ بخش

مولانا اللہ بخش ابن میاں محمد یوسف ابن میاں اللہ بخش قوم کھرل سے تعلق رکھتے تھے مروجہ درسی تعلیم حاصل کی مگر فارسی زبان میں دسترس حاصل تھی۔ آپ ملتان شریف کے بزرگ حضرت حافظ نبی بخش ملتانی (م ۱۹۳۸ء) سے بیعت تھے اور خلافت بھی حاصل تھی۔ ڈیرہ غازی خاں میں رہتے ہوئے دربار حضرت شاہ باقر شاہ نقشبندی مجددی خلیفہ حضرت خواجہ معصوم ابن حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی مجاوری فرماتے اور ۷۰ سال کی عمر شریف پانے کے بعد ۱۹۵۵ء میں انتقال ہوا اور احاطہ دربار حضرت باقر شاہ صاحب (م ۱۱۰۰ھ) میں تدفین ہوئی۔ آپ متشدد صوفی، اور راسخ العقیدہ سنی حنفی مسلمان تھے اور مسلم لیگ سے بھی وابستگی رہی آپ کا قیام ڈیرہ غازی خان میں ڈاک خانہ سمینہ کے قریب رہا۔ آپ کے ہم عصروں میں مولانا فیض احمد شاہ جمالی (م ۱۳۶۴ھ)، مولانا غلام جہانیاں (م ۱۹۷۷ء) اور مولانا فضل حق ڈیروی (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۰ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ (۵۴)

مولانا اللہ بخش علیہ الرحمہ نے امام احمد

رضا خاں سنی حنفی قادری بریلوی کے وصال سے چند ماہ قبل ایک استفتاء نکاح سے متعلق بھیجا تھا ملاحظہ کیجئے :

مسئلہ! از سمینہ ڈاک خانہ دار پختہ تحصیل ڈیرہ غازی خاں

مسئولہ اللہ بخش ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عورت زینب پر عاشق ہوا باوجود اہل و عیال کے اس کے عشق میں مغلوب ہوکر اپنی دختر صغیرہ چار سالہ کا نکاح حق مہر زینب پر برادر زینب عمرو زوجہ دار سے کردیا بعد اس کے زید نے زینب سے عقد کرکے سرمیل کیا اور اسی وقت بیمار ہوا بعد ہفتہ کے فوت ہوگیا اب لڑکی بالغ ہوکر کہتی ہے کہ میرے باپ نے مرض عشق میں جو میرا نکاح اہل غیر پردہ دار سے کردیا مجھے منظور نہیں آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب !

صغیرہ کا نکاح کہ اس کے باپ نے کیا لازم ہے، صغیرہ کو بعد بلوغ، اس کے فسخ کا کوئی حق نہیں اور عذرات کہ سوال میں لکھے مہمل و بے معنی ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں درمختار میں ہے "لزم النکاح ولو بغبن فاحش او من غیر کفو ان کان المزوج ابا او جدا الم یعرف منہا سو الاختیار۔ (۵۵)

ترجمہ : (نکاح دینے والا باپ یا دادا ہو اگرچہ یہ نکاح غیر کفو یا انتہائی کم مہر پر کیا ہو تو بھی لازم ہوجائے گا بشرطیکہ باپ دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہو۔) (۵۶)

مولوی عبدالغفور جام پوری

مولوی عبدالغفور ابن مولوی علی محمد کے اسلاف ضلع جھنگ سے نقل مکانی کرکے لگ بھگ ۱۲۰۰ھ میں ضلع راجن پور کے قصبہ حاجی پور پہنچے اور پھر ڈیری غازی خاں کے ایک قصبہ جام پور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور پھر ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ آپ ڈیرہ غازی خاں کی دو مساجد میں یکے بعد دیگرے تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ مولوی خلیفہ غلام محمد دین پوری (م ۱۳۰۴ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ تحریک ریشمی رومال میں مولوی عبید اللہ سندھی کے معاون خاص تھے اور دیوبندی علماء نے ہجرت افغانستان کی طرف راجن پور کے راستے ہی سے کی تھی۔ آپ کے خاص تلامذہ میں مولوی عبداللہ درخواستی کا نام سرفہرست ہے۔ مولوی عبدالغفور سرائیکی، اردو اور فارسی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے اور مولوی دین پوری کے مرنے پر ایک طویل مرثیہ بھی قلمبند کیا تھا۔ آپ

نے ۱۹۴۹ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا انتقال ۲۸ صفر ۱۳۷۳ھ / ۷ نومبر ۱۹۵۳ء میں ہوا اور تدفین خواجہ نور محمد نارو والا (م ۱۲۰۴ھ) کے مزار کے احاطہ حاجی پور شریف میں ہوئی۔

یہ تمام کوائف محترم جناب شہزاد صاحب نے مولوی عبدالغفور کے پوتوں سے حاصل کئے جو ان دنوں ڈیرہ غازی خاں میں ہی مقیم ہیں ان کوائف سے ہٹ کر دو مشاغل کا بھی انہوں نے ذکر کیا جو یہاں بتانا ضروری سمجھتا ہوں ملاحظہ کیجئے :

۱۔ آپ جب ۱۹۴۹ء میں حج پر تشریف لے گئے اور جب مدینہ منورہ پہنچے تو مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنی داڑھی سے حرم شریف میں جاروب کشی کی اور خاک حرم کو اپنے پاس جمع کرلیا اور اپنے ساتھ لے آئے اور وصیت کی کہ انتقال کے بعد اس خاک کو میرے چہرہ اور سینہ پر مل دینا چنانچہ وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔

۲۔ آپ کے مشاغل میں یہ عمل تواتر سے شامل تھا کہ اپنے گھر ہر سال دو تقریبات کا اہتمام کرتے ایک دس محرم الحرام کو اور دوسری ۱۲ ربیع الاول کو اور اسی موقع پر لنگر کا اہتمام بھی ہوتا اور ساتھ ہی سلام و قیام کی محفل بھی ہوتی اور زندگی کے آخری سالوں تک یہ عمل جاری رہا لیکن پوتوں نے بتایا کہ اب ہمارے خاندان میں یہ عمل نہیں ہوتا ہے۔

مولوی عبدالغفور صاحب اگرچہ مسلکاً دیوبند سے تعلق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود وقت کے امام اعظم، مفتی اسلام مرجع خلائق امام احمد رضا محدث بریلوی سے مختلف مسائل میں استفسار فرمایا۔ یہاں صرف ایک فتویٰ ملاحظہ کیجئے :

از نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیری غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

مسئلہ : ایک مرزائی قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وتعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا۔" مرزا صاحب مجدد وقت ہے۔ عالی جاہ اس قوم نے لوگوں کو بہت خراب کیا ہے۔ ثبوت کے لئے کوئی رسالہ وغیرہ ارسال فرمائیں تاکہ گمراہی سے بچیں۔

الجواب : مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضروری ہے اور قادیانی کافر و مرتد تھا ایسا کہ تمام علماء حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ "من شک فی کفرہ عذابہ فقد کفر" جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔ لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی ہے جو گاندھی مشرک کو رہبر دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں۔ نہ گاندھی امام ہوسکتا ہے نہ قادیانی مجدد۔ "السواء العقاب و قہر

الدیان" وحسام الحرمین" مطبع اہلسنت بریلی سے منگائیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۵۷)

اس کے علاوہ دو استفتاء اور فتاویٰ رضویہ میں ملتے ہیں۔

۱۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ نمبر ۷۵۴ مطبوعہ کراچی

۲۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم صفحہ نمبر ۱۷۰۔ ۱۷۱

مولانا عبداللہ چوٹی زیریں

مولانا عبداللہ ڈیرہ غازی خاں کے علاقے چوٹی زیریں سے تعلق رکھتے تھے اور مسجد کلان سے وابستگی رہی۔ چوٹی زیریں کا علاقہ ڈیری غازی خاں کا انتہائی مغربی علاقہ ہے پھر صوبہ بلوچستان کا حصہ شروع ہوجاتا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب کے متعلق معلومات بالکل حاصل نہ ہوسکیں البتہ آپ کا بھی ایک استفتاء فتاویٰ رضویہ میں پایا جاتا ہے جو جانور کے ذبح سے متعلق پوچھا گیا ہے۔

ملاحظہ کیجئے : استفتاء میں تخاطب کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ امام احمد رضا کی شخصیت سے بھرپور واقف تھے۔

مسئلہ : از چوٹی زیریں مسجد کلان ضلع ڈیرہ غازی خاں

مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولانا و بالفضل اولنا جناب شمس العلماء و مفتی العصر سلامت حضور انور! مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے' آپ صاحب مہربانی فرما کر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرماکر دستخط فرمادے ویں تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب : اس مسئلہ میں تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا' جانور حلال اور اگر صرف دو ہی کٹیں' حلقوں و مری دونوں نیچے رہ گئے' ذبح نہ ہوا اور جانور مردار۔ یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے رد المختار میں ہے :

والتحریم للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدہ حصل قطع ثلثہ من العروق' فالحق ماقالہ شراح الھدایتہ تبعاللر ستعفنی والا فالحق خلافہ'......

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم (۵۸)

مولانا المولوی فضل حق ڈیروی

مولانا فضل حق ڈیروی ابن مولانا قاضی الشیخ محمد ابراہیم ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد ماجد ہی سے حاصل کی والد صاحب کے انتقال

کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے اکابر علماء و فضلا سے تعلیم حاصل کی اور بہت جلد علماء میں ایک نام پیدا کیا اور ڈیرہ غازی خاں میں آپ کا ڈنکا بجنے لگا آپ نے عربی زبان میں ایک رسالہ رؤیت ہلال سے متعلق لکھا جس میں آپ نے تار اور ٹیلی فون کی خبر پر افطار یا عید کرنے کے مخالف فتویٰ دیا۔ آپ نے یہ رسالہ ۱۳۲۲ھ میں لکھا یہ رسالہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی نظر سے بھی گزرا۔ اور آپ نے اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور غالباً" تقریظ بھی لکھی۔ مولانا فضل حق کے صاحبزادے مولانا محمد صدیق السلیمانی نے اس رسالہ کو جب شائع کروایا تو اس کے آخر میں اپنے والد کے حالات بھی ذکر کئے' اس میں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے دو رسالے فارسی زبانوں کے لکھے تھے ایک علم صرف پر اور دوسرا علم الفرائض پر اس کے بعد تحریر کرتے ہیں :
(۵۹)

"بلسان العربی۔ **ذب النبان عن ثیاب تعظیم جیب الرحمان۔ فی تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الممات کما کان فی الحیوۃ و تحقیق لفظ البشر و الحاضر و الناظر۔ وھذ ہ الرسالہ "الاستشراف لا ظہار الجزاف بجواز الافطار بخبر التلغراف" المویدۃ بتقریظات اکابر العلماء الفضلاء خصوصاً" بتقریظ الحضرتین الشیخین الجلیلین و الشریفین الامامین الہمامین السراجین المنرین الجامعین بین الشریعتہ والحقیقتہ و علوم المعقول و المنقول و التصوف والطریقتہ الشمین لسماء التحقیق المرکزین لدائرۃ التدقیق المرجعین للخاص و العام الملجائین لکافتہ الانام الحبین و النبین السیدین سید نا ال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الشیخ حضرت مخدومنا مہر علی شاہ طالب اللہ ثراہ و جعل الجنتہ مثواہ۔ قد اتفق فی اصل المسئلتہ وراتضاہ وسیدنا مستند اہل الایقان والایمان الشیخ حضرت مولانا مولوی احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ تعالی المنان وادخلہ اعلی الجنان فی اکثر الوجوہ قدو افقہ فی رسالتہ "ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال"۔ (۶۰)**

مولانا فضل حق ڈیروی سلیمانی کے اس رسالے پر حضرت پیر مہر علی شاہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علاوہ جن اور علماء و فضلا نے تقریظات لکھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں :

☆ مولانا اصغر علی روحی مدرس عربی دینیات مدرسہ نعمانیہ لاہور
☆ مولانا محمد اشرف مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور
☆ مولانا احمد بخش صادق ڈیروی ڈیرہ غازی خاں
☆ مولانا احمد ڈیرہ اسمٰعیل خاں (۶۱)

ماخذ و مراجع

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنے نام کے آگے محمدی سنی حنفی قادری لکھا کرتے تھے اور آپ کی مہر میں بھی نام اسی طرح لکھا ہے۔ امام احمد رضا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ سنی ہیں کہ سنتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور معاملات کے اندر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروکار ہیں جب کہ سلسلہ طریقت میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت رکھتے ہیں اور شہر بریلی میں پیدا ہوئے اس لئے نام کے آگے بریلوی لکھا ہوتا ہے۔ احقر سمجھتا ہے کہ امام احمد رضا کے نام کو اسی طرح لکھا جائے جیسا وہ خود لکھتے تھے اس سے بہت سارے فتنے خود بخود ختم ہوسکتے ہیں۔ مجید

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" صفحہ نمبر ۸۴ مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

۳۔ ایضاً "امام احمد رضا اور عالم اسلام" ص ۱۲ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۳ء

۴۔ ایضاً " " " " " ص ۱۳ " " " " "

۵۔ ایضاً " " " " " ص ۱۳ " " " " "

۶۔ ایضاً " " " " " ص ۱۳ " " " " "

۷۔ ایضاً " " " " " ص ۱۴ " " " " "

۸۔ ایضاً " " " " " ص ۲۲ " " " " "

۹۔ ایضاً " " " " " ص ۵۸ " " " " "

۱۰۔ ایضاً " " " " " ص ۵۹ " " " " "

۱۱۔ مولانا محمد شہاب الدین "مفتی اعظم اور ان کے خلفاء" صفحہ نمبر ۴۷ رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۰ھ

۱۲۔ امام احمد رضا خاں "اظہار الحق الجلی" صفحہ نمبر ۸ مطبوعہ انڈیا ۱۹۸۶ء

۱۳۔ امام احمد رضا خاں "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جلد اول صفحہ نمبر ۸۸ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۰ء

۱۴۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علماء کراچی" معارف رضا شمارہ نمبر ۱۴ صفحہ نمبر ۱۴۷ تا ۱۶۶ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۱۵۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علماء بھرچونڈی شریف" مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۳ء صفحہ نمبر ۷۷۔۸۳

۱۶۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علماء سندھ" المختار پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۵ء

۱۷۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علمائے بہاولپور" معارف رضا شمارہ ۱۵ صفحہ نمبر ۱۰۳۔ ۱۲۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

نوٹ : یہ رسالہ الگ کتاب کی شکل میں بھی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا اس پر ڈاکٹر سید محمد عارف کا مقدمہ بھی

ہے۔

۱۸۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علماء لاہور" معارف رضا شمارہ ۱۶ صفحہ نمبر ۱۶۴۔ ۲۱۵ مطبوعہ ۱۹۹۶ء

نوٹ : یہ رسالہ کتابی شکل میں اضافے کے ساتھ لاہور سے پروگریسیو بکس والے شائع کر رہے ہیں اس پر مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کا مقدمہ بھی ہے۔

۱۹۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علماء بلوچستان" معارف رضا شمارہ نمبر ۱۷ صفحہ نمبر ۱۷۰۔ ۱۹۱ مطبوعہ ۱۹۹۷ء

۲۰۔ احقر نے جب یہ مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا تو علماء ڈیرہ غازی خاں کے حالات و افکار کتابوں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملے صرف مولانا احمد بخش ڈیروی خلیفہ اعلیٰ حضرت کے مختصر احوال مل سکے جب کہ بقیہ چھ علماء کا تذکرہ ہی حاصل نہ ہو سکا۔ پچھلے سال محترم جناب خلیل احمد رانا صاحب ساکن جہانیاں منڈی (خانیوال) بانی "نعمان اکاڈی" اور مولف قطب مدینہ جب کراچی تشریف لائے تو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں پہلی مرتبہ بالمشافہ ان سے ملاقات ہوئی ان کے استفسار پر احقر نے بتایا کہ علماء ڈیرہ غازی خاں کا تذکرہ درکار ہے جنہوں نے امام احمد رضا سے استفسار کیا تھا تاکہ احقر اپنا مقالہ مکمل کر سکے آپ نے وعدہ فرمایا کہ وہ ضرور اس سلسلے میں مدد کریں گے چنانچہ انہوں نے پچھلے چھ ماہ میں ڈیرہ غازی خاں کے ان تمام علماء کے کوائف اور افکار سے احقر کو آگاہ کیا آپ نے سب سے قیمتی قلمی یادگار جو تلاش کے بعد احقر کو بھیجیں ان میں ۹ عدد مکتوبات رضا بنام مولانا احمد بخش صادق صاحب اور مولانا صادق ڈیروی صاحب کا عربی نعتیہ قصیدہ (غیر مطبوعہ) معہ تصحیح امام احمد رضا شامل ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب یا فوٹو اسٹیٹ مواد مختلف علماء ڈیرہ کا مجھے ارسال کیا۔

اس سلسلے میں دوسری شخصیت جس نے احقر کو اس رسالے کے لئے مواد فراہم کیا ان کا تعلق ڈیری غازی خاں شہر سے ہے۔ آپ کا اسم گرامی شہزاد کریم فریدی ہے۔ آپ اسکول میں ایک سینئر سائنس کے استاد ہیں کئی دفعہ احقر سے ملنے کراچی تشریف لا چکے ہیں آپ نے بھی اپنے دوست حافظ عبدالخالق' خالد کے ساتھ مل کر علماء ڈیرہ غازی خاں کے افکار حاصل کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی اور اکثر حال احوال ان علماء کے موجود پوتوں یا پڑپوتوں سے زبانی حاصل کئے ہیں۔

احقر ان تینوں حضرات کا انتہائی مشکور ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ مقالہ احقر صرف ترتیب دے رہا ہے ورنہ محنت ان تینوں حضرات کی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بزرگوں کی نظر عنایت ان کو نصیب فرمائے آمین۔ مجید

۲۱۔ احمد بدر اخلاق "مزارات اولیائے ڈیری غازی خاں ڈویژن" صفحہ نمبر ۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

۲۲۔ " " " " " صفحہ نمبر ۶ " "

۲۳۔ "" " " " " صفحہ نمبر ۲۵ " "

۲۴۔ مولانا قاضی غلام یٰسین قادری کے تمام احوال جناب خلیل احمد رانا کے ایک مضمون بعنوان "فاضل بریلوی اور

مولانا قاضی غلام یٰسین علوی قادری" سے اخذ کئے ہیں جو ماہنامہ "احوال و آثار" شمارہ جنوری ۱۹۹۸ء میں صفحہ نمبر ۸ اور ۹ پر شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے ساتھ امام احمد رضا کا ایک خط بھی شائع ہوا ہے جو مولانا قاضی غلام یٰسین صاحب کے نام لکھا ہوا تھا اس سے قبل اس خط کا عکس مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے اپنی تالیف "ندائے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صفحات میں شائع کیا تھا یہ کتاب مجلس رضا لاہور نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی تھی۔

جناب شہزاد کریم صاحب نے بھی قاضی صاحب کے متعلق مزید معلومات بھیجی تھیں خاص کر قاضی کے پر دادا مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے احوال وغیرہ۔

۲۵۔ محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری "خلفائے اعلیٰ حضرت" ص ۱۲۴، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۹۲ء

۲۶۔ ایضا" " " "صفحہ نمبر ۱۲۴ " " " "

۲۷۔ ایضا" " " "صفحہ نمبر ۱۲۵ " " " "

۲۸۔ ہاشم شیر خاں "روزنامہ نوائے وقت ملتان" مضمون امام احمد رضا کے خلیفہ حضرت مولانا احمد بخش صادق"

۲۹۔ احمد بدر اخلاق "مزارات اولیاء ڈیرہ غازی خاں ڈویژن" صفحہ نمبر ۱۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

۳۰۔ جناب خلیل احمد رانا صاحب نے احقر کو ان تمام خطوط کی فوٹو کاپی کے علاوہ قلمی فتووں کی کاپیاں بھی بھیج دی ہیں۔ جناب محترم رانا صاحب نے مولانا احمد بخش صادق کا عربی نعتیہ منظوم قصیدہ کا وہ مسودہ احقر کو بھیجا ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تصحیح کرنے کے بعد مولانا کو بھیجا تھا اس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے :

اس عربی قصیدہ میں ۱۱۴ اشعار مصنف (مولانا صادق) کے ہیں جس کی امام احمد رضا نے تصحیح فرمائی ہے۔ امام احمد رضا نے اس میں ۲۸ اشعار کا اپنی جانب سے اضافہ بھی فرمایا ہے جب کہ اس کا مطلع اعلیٰ حضرت کا لکھا ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جگہ جگہ حواشی بھی تحریر کردیئے ہیں۔

مکتوبات رضا کی تفصیل :

مکتوبات رضا بنام مولانا احمد بخش صادق صاحب، ان میں ۳ خطوط ہیں، ۴ پوسٹ کارڈ ہیں اور ۳ عدد استفتاء اور ان کے جواب ہیں تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ ۳۰ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

۲۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ

۳۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

۴۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۸ء پوسٹ کارڈ کی تاریخ

۵۔ ۹ نومبر ۱۹۱۸ء ۴ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

۶۔ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

۷۔ ۱۳۳۷ھ

۴۔ ۷ پوسٹ کارڈ ہیں اور تمام پوسٹ کارڈ میں ٹکٹ کو الٹا رکھ کر پتہ لکھا گیا ہے تاکہ انگریز بادشاہ کا سر نیچے رہے۔ اور پتہ ان کارڈ پر تونسہ شریف کا ہے۔

قلمی استفتا اور ان کے جواب

۱۔ از تونسہ ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء

۲۔ از تونسہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

۳۔ از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ ۸ صفر ۱۳۳۹ھ

۴۔ از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

۵۔ ایضاً " " " " " " "

۶۔ خط بنام امام احمد رضا منجانب مولانا محمد صادق ڈیروی ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء

یہ تمام فتوے فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

۳۱۔ یہ انٹرویو اسد نظامی صاحب نے مولانا محمد شفیع ابن مولانا احمد بخش سے لیا تھا جس کو آپ تحریری شکل میں لے آئے یہ دو صفحات کا انٹرویو اصل تحریر کے ساتھ احقر کے پاس ہے۔ جس کے لئے احقر رانا صاحب کا ممنون ہے۔

۳۲۔ مکتوب منجانب مولانا احمد بخش صادق بنام امام احمد رضا خاں بریلوی (قلمی)

۳۳۔ جناب مولانا احمد بخش صادق نے غالباً ۱۳۵۱ھ میں مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کو ایک خط لکھا جس میں اس بات کی استدعا کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر اعلیٰ حضرت کے رسائل ان کو روانہ کردیئے جائیں کیونکہ ان دنوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر عبید اللہ نامی شخص گستاخیاں کررہا تھا۔ مولانا احمد بخش کے علاوہ حافظ حبیب اللہ صاحب نے بھی ڈیرہ غازی خاں سے حضور کی بشریت سے متعلق استفتا بنا کر بھیجا تھا جس کا آپ نے مدلل جواب دیا جو فتاویٰ مصطفویہ جلد اول کے صفحہ نمبر ۷۶۔ ۷۷ پر موجود ہے۔ مفتی اعظم نے جو جواب مولانا صادق کو دیا اس کا متن ملاحظہ کریں یہ خط پوسٹ کارڈ پر ہے اور آپ نے بھی پتہ پوسٹ کارڈ پر موجود تصویر کو الٹا کر کے لکھا ہے۔

جناب مولانا المکرم ذی الکرام دام بالاکرام

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یہ پہلا گرامی نامہ جناب کا مجھے ملا ہے۔ حافظ حبیب اللہ صاحب تاجران کتب ڈیری غازی خاں کا بھیجا ہوا ایک لفافہ جس میں چند استفتا تھے یکم جنوری کو آیا تھا جس کا جواب رمضان میں جب ہی لکھ دیا تھا۔ ان میں ایک استفتاء بشریت سرکار علیہ الرحمہ المولی العزیز الغفار سے متعلق بھی تھا.....

کوئی شخص عبیداللہ ہے اس کا چھپا ہوا رسالہ آیا ہے غالباً" یہ آپ کا مخالف ہے۔ بے شک حضور بشر ہیں مگر" لاکالبشر" بے شک حضور انسان ہیں مگر"انسان کامل"...... اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا کوئی رسالہ اس بارے میں میرے خیال میں نہیں ہے آپ کو اس کے لئے بھائی صاحب (برادر مولانا مفتی حامد رضا خاں قادری بریلوی) ہی کے نام خط لکھنا چاہئے آپ کا یہ کارڈ بھی ان کے پاس بھیج دوں گا۔ حضرت قدس سرہ العزیز (اعلیٰ حضرت) کی کتب و رسائل انہیں کے قبضہ میں ہیں اگر کوئی ایسا رسالہ ہوگا تو اسے نقل کر کے بھیج سکیں گے والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہ ۱۳۵۱ھ بریلی۔

۳۴۔ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً" علی قول الامام" ترجمہ! اس امر کی تحقیق کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام (امام اعظم) پر ہے۔ یہ رسالہ فتویٰ رضویہ کی جلد اول میں صفحہ نمبر ۳۸۱ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ نمبر ۴۰۷ پر ختم ہوتا ہے اور

اعلیٰ حضرت اپنے مکتوب میں فرما رہے ہیں کہ ابھی یہ کاپیاں نہیں چھپیں لیکن بعد میں چھپیں اور فتاویٰ جلد اول میں ان ہی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس عربی رسالہ کا اردو ترجمہ بھی جدید فتاویٰ رضویہ کی جلد اول میں شائع ہوگیا ہے مگر اب اس رسالے کو تمام رسالوں سے قبل اول ہی میں شائع کیا گیا ہے۔ مجید

۳۵۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "فتاویٰ رضویہ" جلد سوم صفحہ نمبر۶۳۹ مطبوعہ کراچی

۳۶۔ ایضاً" صفحہ نمبر۶۳۹

۳۷۔ " " " "صفحہ نمبر۶۴۱۔ ۶۴۴

۳۸۔ ایضاً" جلد نہم صفحہ نمبر۹۲ مطبوعہ کراچی

۳۹۔ مکتوب رضا بنام مولانا احمد بخش صادق ۱۳۳۹ھ

۴۰۔ مولانا احمد بخش صادق "عربی قصیدہ" غیر مطبوعہ قلمی صفحہ نمبر۱

۴۱۔ مولانا احمد بخش صادق ڈیروی "ارضا الجود الکریم" صفحہ نمبر۳ مطبوعہ ڈیرہ غازی خاں ۱۳۵۲ھ

۴۲۔ ایضاً" صفحہ نمبر۲۹۔ ۳۰ " " "

۴۳۔ ایضاً" صفحہ نمبر۴۷ " " " "

۴۴۔ ایضاً" صفحہ نمبر۶۰ " " " "

۴۵۔ ایضاً" صفحہ نمبر۷۶ " " " "

۴۶۔ ایضاً" "مناسب وقت" صفحہ نمبر۱۰ مطبوعہ ڈیرہ غازی خاں

۴۷۔ ایضاً" " " "صفحہ نمبر۱۲" " " "

۴۸۔ امام بخش فر[illegible] کے تمام تر حالات جناب شہزاد کریم [illegible] تاریخی پیدائش اور

اساتذہ کا معلوم نہ ہوسکا البتہ تاریخ وصال حاصل ہوگئی۔

۴۹۔ امام بخش فریدی "شرح کافی" نہ کوئی آدم نہ کوئی شیطان" صفحہ نمبر۲ اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور

۵۰۔ امام بخش فریدی "فیصلہ بشریت" مقبول عام پریس لاہور صفحہ نمبر۲

۵۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "فتاویٰ رضویہ" جلد ششم صفحہ نمبر۱۲۲ مطبوعہ کراچی

۵۲۔ " " " " " " "جلد دہم حصہ دوم صفحہ نمبر۱۳۳ مطبوعہ کراچی

۵۳۔ " " " " " " "قلمی فتویٰ بنام امام بخش فریدی ڈیرہ غازی خاں ۱۳۳۵ھ

۵۴۔ مولانا اللہ بخش کے یہ کوائف بھی جناب شہزاد کریم فریدی صاحب نے حاصل کرکے ارسال کئے تھے۔

۵۵۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "فتاویٰ رضویہ' جلد پنجم (حصہ سوم) صفحہ نمبر۱۰۲ مطبوعہ کراچی

۵۶۔ " " " " "جدید فتاویٰ رضویہ" جلد یازدہم صفحہ نمبر۶۸۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور

۵۷۔ " " " " ""فتاویٰ رضویہ" جلد ششم صفحہ نمبر۸۱ مطبوعہ کراچی

۵۸۔ " " " " " ""فتاویٰ رضویہ" جلد ہشتم صفحہ نمبر۳۱۸ مطبوعہ کراچی

۵۹۔ مولوی فضل حق "الاستشراف الاظہار الجزاف بجواز الافطار بخبر التلغراف صفحہ نمبر۸۲ مطبوعہ ملتان

۶۰۔ ایضاً" صفحہ نمبر۸۲۔ ۸۳

۶۱۔ ایضاً" صفحہ نمبر۷۶۔ ۷۸

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم اليك اسناد الحمد؛ ونهاية سلاسل الحمد؛ نسل على حبلك الموصول المتصل الغير المنقطع؛ ومرسلك المرفوع بوصلات فوق كل مرتفع؛ وعلى اله وصحبه خير آل وصحب؛ رواة علمه وحديثه طرق الوصول الى ساحته الرحب؛ **وبعد** فسلام عليك ورحمة الله وبركاته ايها الفاضل الكامل؛ القرم الحلاحل؛ مولنا المولوى احمد بخش الجشتى النظامى السليمانى ابن الفاضل الفقيه المفتى دين محمد المرحوم بحرم الرحمن؛ من اجلة ديرة غازيخان؛ ادام الله تعالى علينا وعليك ديم النعم وشآبيب الاحسان؛ بمنه وكرمه انه حنان؛ سألتنى اجازة الحصن الحصين؛ وسائر مروياتى عن المشايخ المسندين؛ وانت بنعمة الله اهل لذلك؛ وان لم اكن مستاهلا لما هنالك؛ **فاجزتك** على بركة الله تعالى وبركة رسوله الكريم؛ عليه وعلى آله افضل الصلاة والتسليم؛ **اولا بالحصن الحصين** كما اجازنى به حضرة شيخى ومرشدى؛ وكنزى وذخرى ليومى وغدى؛ مجمع الطريقين؛ ومرجع الفريقين؛ امام الباطن والظاهر؛ ملحق الاصاغر بالاكابر؛ حضرة السيد الشاه **آل الرسول** الاحمدى المارهرى رضى الله تعالى عنه قال اجازنى استاذى المعظم مولنا عبد العزيز الدهلوى رحمة الله تعالى عليه قال سمعت الكتاب المذكور بقرأة اخى الشيخ محمد على والدى الاستاذ الشاه ولى الله احمد ابن الشيخ عبد الرحيم الدهلوى قال اجازنى به الشيخ ابو طاهر ابن الشيخ ابرهيم المدنى عن ابيه عن القشاشى عن الشناوى عن الشمس الرملى عن الزين زكريا عن الحافظ تقى الدين محمد بن محمد بن فهد الهاشمى المكى عن [illegible] الخير محمد بن محمد الجزرى رحمه الله تعالى ح واجازنى عاليا بدرجة بمكة المعظمة فى ذى الحجة سنة ١٢٩٥ مفتى الحنفية بلد الله الحرام حضرة مولنا الشيخ عبد الرحمن السراج ابن مفتى الحنفية الشيخ عبد الله السراج عن مفتى الحنفية بمكة المحمية الشيخ جمال بن عبد الله بن عمر المكى عن الشيخ عابد السندى عن الشيخ يوسف بن محمد بن علاء الدين بن محمد المزجاجى عن ابيه عن الشيخ حسن العجيمى عن الشيخ ابى الوفا احمد بن محمد الملقب بالعجل عن يحيى بن مكرم الطبرى المكى عن جده الحافظ محب الدين محمد بن محمد الطبرى عن مؤلفه ح وانبأنا الشيخ المدنى عن الشيخ صالح الفلانى عن الشريف سليمن الدرعى والشيخ محمد بن سنة كلاهما عن الشريف محمد بن عبد الله عن السراج الجانى والشيخ بدر الدين الكرخى والشمس محمد بن عبد الرحمن العلقمى كلهم عن الامام الحافظ السيوطى عن ابى القاسم عمر بن فهد وابنه تقى الدين محمد بن فهد كلاهما عن مؤلفه رحمة الله تعالى عليهم وعلينا معهم امين **وثانيا بالصحاح الستة** وسائر كتب الحديث والفقه والتفسير والاصول والعقائد والكلام وغير ذلك مما صحت لى روايته عن اشياخى الكرام رضى الله تعالى عنهم فى دار السلام **وثالثا بالعلوم الخمسة** والاربعين التى منحنى مولى سبحنه وتعالى ختاما منهما وقد فصلتهما فى اجازتى لعلماء الحرمين الكريمين حين حلولى بهما سنة ١٣٢٣ و١٣٢٤ فبارك الله لى ولك وعلى وعليك ابدا؛ كل ذلك بشرطه المقرر عند اهله السعداء؛ والاستقامة على طريقة اهل السنة والجماعة؛ وحماية الدين ونكاية المفسدين حسب الاستطاعة؛ وارجوان لا تنسانى من دعائك الصالح؛ ولك على مثله ان شاء الله الكريم الفاتح؛ وكان ذلك لليلتين خلتا من ذى القعدة؛ سنة ١٣٢٤ زين الله تعالى سعده؛ واسعد ما بعده؛ وحسبنا الله ونعم الوكيل؛ وصلى الله تعالى وبارك وسلم بالتبجيل؛ على المولى الجليل الجميل؛ واله وصحبه؛ وابنه وحزبه؛ وعلينا بهم يا كريم امين والحمد لله رب العلمين؛

فقير احمد رضا عفى عنه

[seal: illegible]

غیر مطبوعہ عربی قصیدہ مولانا احمد بخش ڈیروی نے لکھا
اور امام احمد رضا نے تصحیح فرمائی (اول اور آخری صفحہ کا عکس)

(بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب جہانیاں منڈی خانیوال)

7. Tables at Page No. 571, 572.
8. Fluid mechanics with Engineering Aplication by Robert L. Daughters.
9. Sound waves in air. Page No. 268 F.Sc. Physics Part-I
10. Waves as Carriers of Energy. Page No 254. F.Sc. Physics Part-I
11. Laplace Correction. Page NO. 273. F.Sc. Physics Part-I
12. Physics by Halliday/Resnich. Page No. 450
13. Physics for scientists & Engineers. Page No. 435.

A BASELESS BLAME

(A critical View of the Blame on Imam Ahmed Raza Khan of being a Pro-British)

A HISTORICAL REALITY

BY

Prof. Dr. Muhammed Masood Ahmed

Translated into English

by

Prof. M.A. Qadir

Ex-Principal Govt: Degree College, Sukkur, Sindh (Pakistan)

Idara-I-Tahqeeqat-e-Imam Ahmed Raza (Regd.)
25, Japan Mansion, 2nd floor,
Raza Chowk(Regal)
Saddar, Karachi.

TABLE 1 SOME INTENSITIES AND SOUND LEVELS

Sound	*Intensity* (W/m²)	*Relative Intensity* (I/I_0)	*Sound Level* (dB)
Threshold of hearing	1×10^{-12}	10^0	0
Rustle of leaves	1×10^{-11}	10^1	10
Whisper (at 1 m)	1×10^{-10}	10^2	20
City street, no traffic	1×10^{-9}	10^3	30
Office, classroom	1×10^{-7}	10^5	50
Normal conversation (at 1 m)	1×10^{-6}	10^6	60
Jackhammer (at 1 m)	1×10^{-3}	10^9	90
Rock group	1×10^{-1}	10^{11}	110
Threshold of pain	1	10^{12}	120
Jet engine (at 50 m)	10	10^{13}	130
Saturn rocket (at 50 m)	1×10^8	10^{20}	200

quoted a unique description about a grand communication system among the whole world by giving the comprehensive example of Quran.

The fundamental teachings of Islam is based on observations, forming ideas, experiments, reasonings and verifications as the Modern Science now favours. The importance given by Quran and Hadith (قرآن وحدیث) to reading, writing and scientific knowledge is clear from many verses.

In short, it was the result of Quranic injunctions and the Holy Prophet's (صلی اللہ علیہ وسلم) pronouncement that the spirit of research spread rapidly throughout the Muslim world. And the science (Latin word - means knowledge equivalent to Arabic word- علم) with experimentation became well established in the Islamic era.

SUMMARY OF ACHIEVEMENTS OF MUSLIM SCIENTIST IMAM AHMAD RAZA KHAN

1. Communication of sound in air / water medium.
2. Both air and water medii transmit energy / sound waves by forming their wave forms.
3. A reasonable wave form/amplitude in medium is necessary for hearing of sound.
4. Sound waves have more amplitude in air medium as compared to water medium.
5. Sound waves have more loudness in air medium as compared to water medium.
6. the damping of sound amplitude, intensity and loudness in a medium of air medium.
7. Quran - Grand Islamic Communication System.

REFERENCES

1. Fatawa Rizawyya Xth. Vol.
2. Mulfuzat-e-Ala Hazrat
3. Physics by Holiday & Resnich/Krane-4th. Edition, vol. 1
4. Physics for Scientists & Engineers-Extended version
5. Intensity & Loudness of sound. Page 274. F.Sc. Physics, part-I
6. Waves as Carriers of Energy. Page No. 253. F.Sc. Part-I

square of the amplitude of particles of the medium/wave. According to law:

$$I = 1/2\, V\, f\, \omega^2\, r^2\, m$$

OR $\quad I \; \alpha \; r^2_m$

Here I is the intensity of the sound and r_m is amplitude of the sound wave. Now we can hear in a specified intensity range. If the amplitude of sound wave is so small that it produces sound of intensity below that energy/intensity level, then sound produced will be fairly poor and cannot be heard to us. For convenience, this can be shown diagramatically and tabulated form:
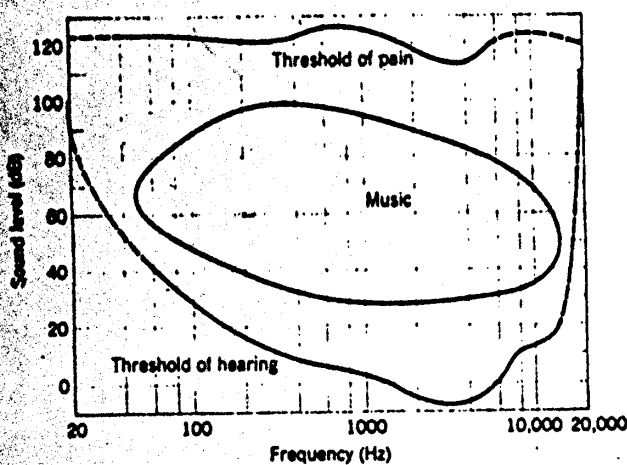
Figure The average range of sound levels for human hearing. Note the dependence of the threshold levels on frequency. A sound that we can just hear at 100 Hz must have 1000 times the acoustic power (30 dB greater sound level) than one we can just hear at 1000 Hz, because our ear is that much less sensitive at 100 Hz.

TABLE SOME INTENSITIES AND SOUND LEVELS

Sound	Intensity (W/m²)	Relative Intensity (I/I_0)	Sound Level (dB)
Threshold of hearing	1×10^{-12}	10^0	0
Rustle of leaves	1×10^{-11}	10^1	10
Whisper (at 1m)	1×10^{-10}	10^2	20
City street, no traffic	1×10^{-9}	10^3	30
Office, classroom	1×10^{-7}	10^5	50
Normal conversation (at 1 m)	1×10^{-6}	10^6	60
Jackhammer (at 1 m)	1×10^{-3}	10^9	90
Rock group	1×10^{-1}	10^{11}	110
Threshold of pain	1	10^{12}	120
Jet engine (at 50 m)	10	10^{13}	130
Saturn rocket (at 50 m)	1×10^8	10^{20}	200

SECOND PRELUDE

In the second prelude the Muslim Scientist Imam Ahmad Raza Khan Discussed:

1. Existence in the eyes. وجود فی الاعیان
2. Existence in the mind. وجود فی الاذہان
3. Existence in the print. وجود فی العبارۃ
4. Existence in the book. وجود فی الکتابہ

The Muslim Theologian and Scientist Imam Ahmad Raza Khan has

where I = Intensity of sound
R = The distance between the sound source and sound detector.
It means if the distance R is increased, the intensity of sound is decreased.

Again another law states: $X_m \propto \frac{1}{R}$

where X_m is amplitude of the wave and R is the distance between the sound source and sound detector.

It means if the distance is increased, amplitude of the wave is decreased. And this wave form of sound tends to attain a conical shape as amplitude/intensity of sound decreased and focuses to a single point (equilibrium position). Hence a cone is formed which is also pointed out by the Muslim Scientist Imam Ahmad Raza Khan 90 years back, he quoted : "یہ تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔"

POWER AND INTENSITY OF SOUND WAVES

The Muslim Scientist, Imam Ahmad Raza Khan has discussed about power and intensity of sound waves in his First Prelude - 4th. point.

"(آواز) اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے۔"

English Translation

"After its production, whether it remains or it disappears?"

Also the Muslim Physicst has quoted his conclusions as:

"انقطاع تموج انعدام سماع کا باعث ہو سکتا ہے کہ کان تک اس کا پہنچنا بذریعہ تموج ہی ہوتا ہے نہ انعدام صوت کا بلکہ جب تک وہ شکل باقی ہے صوت باقی ہے۔"

"یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ اور تموج حادث ہو تو اس سے تجدید سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جبکہ تشکل وہی باقی ہے۔"

English Translation

"The decline in wave form/amplitude may cause no threshold of hearing of sound as sound reaches to ear by forming the wave shape/amplitude. But it cannot terminate the production of sound. However, the amplitude of sound is decreased below a reasonable limit. Hence a sound is present with the fairly small amplitude."

"It is evident from here that if we offer another stimulus, there will be re-hearing of sound, not a new sound will be produced as the same wave shape/amplitude remains."

MODERN DESCRIPTION

The combination of ear and brain acts as a very sensitive instrument with many interesting properties. Its suffices to note that the combination can detect pitch and loudness. Pitch is a measure of frequency. The human ear can hear frequencies ranging from about 20Hz to 20,000 Hz. Loudness is a measure of power carried in a wave.. Because sound waves form two dimensional fronts, it is appropriate to define not the total power in the wave, but the average power per unit area which is called the intensity. The intensity measures energy per unit time per unit area.

We know that the intensity of sound is directly proportional to the

Explanation

The explanation in the light of latest research is,:

The air medium does not possess modulus of rigidity, a property essential for the propagation of transferase wave motion. Air can only withstand volume strain and therefore, only compressional waves are possible in it.

THE MUSLIM PHYSICST IMAM AHMAD RAZA KHAN & DAMPED HARMONIC MOTION

Nearly 90 years back, the Muslim Physicst Imam Ahmad Raza Khan has discussed damped harmonic motion, in his book "FATAWA RAZAWYYA" Xth. vol. Page No. 303.

"عالم اسباب میں حدوث آواز کا سبب عادی یہ قرع و قلع ہے اور اس کے سننے کا وہ تموج و تجدد و قرع و طبع تا ہوائے جوف سمع ہے متحرک اول کے قرع سے ملاء مجاور میں جو شکل و کیفیت مخصوصہ بنی تھی کہ شکل حرفی ہوئی تو وہی الفاظ و کلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز اس کے ساتھ قرع نے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش بھی دی اس کی جنبش نے اپنے متصل کو قرع کیا اور وہی پھٹا (Wave form / Harmonic Motion) کہ اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا یونہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں اگرچہ جتنا فصل بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج و قرع میں ضعف آتا جاتا اور ٹھپا ہلکا پڑتا ہے ولہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف صاف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد پر تموج کہ موجب قرع آئندہ تھا ختم ہو جاتا ہے اور عدم قرع سے اس تشکل کی کاپی برابر والی ہوا میں نہیں اترتی آواز یہیں تک ختم ہو جاتی ہے یہ تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے جس کا قاعدہ اس متحرک و محرک اول کی طرف ہے اور راس * اس کے تمام اطراف مقابلہ میں جہاں تک کوئی مانع نہ ہو۔

Explanation

Sound wave travels in medium in a fashion that sound source produces sound. This energy is taken by a molecule and it exhibits simple harmonic motion. This molecule collides with the other molecule to transfer energy to other molecule. The second molecule now collides with the third molecule and this process of collusion carries on. Finally the molecule receives the energy released by the source of sound and transmits this energy to the sound detector which may be human ear.

In case of damped harmonic motion, actually the amplitude of the oscillation gradually decreases to zero with passage of time as a result of friction forces. This motion is said to be damped by friction and is called damped harmonic motion. Often the friction arises from air resistance or internal forces. This can be shown by graphical representation.
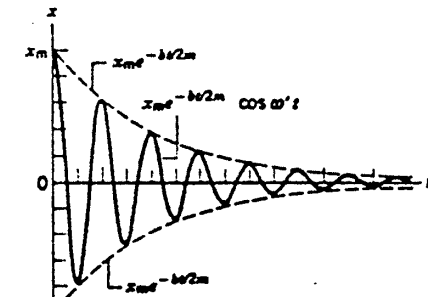
Figure Damped harmonic motion. The displacement x is plotted against the time t with the phase constant ϕ taken to be 0. The motion is oscillatory, but the amplitude decreases exponentially with time.

According to law: $I \propto \frac{1}{R^2}$

of their wave motion.

SOUND

Sound may be defined psychologically and physically.

Psychologically, it is the sensation produced in EAR.

Physically, it is said to be the stimulus, due to a sounding body, capable of producing sensation of hearing.

The Muslim Scientist Imam Ahmad Raza Khan has discussed more comprehensively about sound and wave motion in his Book "FATAWA RAZAWIYYA" Xth. Vol.

(الکشف شافیا حکم فونو جرافیا 1909ء)

In the beginning, Imam Ahmad Raza Khan explained the difference between Photography and Phonography. He has written two preludes discussing Phonology.

First Prelude:

In the first prelude he discussed:

1. What is sound?
2. How it is produced?
3. How it is heard?
4. After its production, whether it remains or disappears?
5. Whether it exists outside the ear or originates within the ear?
6. What is its relation to the soniferous (one that makes sound)? Whether it is intrinsic property or extrinsic?
7. Whether it continues to exist or not after its disappearance?

BRIEF DESCRIPTION ABOUT WAVE PROPAGATION

The Muslim Scientist, Imam Ahmad Raza Khan writes:

When two bodies strike against eachother (قرع) or separate strongly (قلع), in the medium Air/Water, vibration occurs and sound is produced. The propagation of sound is in the form of waves, compressing the air in front of it. This layer of Air compresses in turn the layer beyond it and so on. After compression, pressure is decreased causing rare-faction. With vibration, compressions and rare-factions are sent out in regular successions. These waves at least reach the ear (external ear) having air, strike the membrane (Tympanic membrane/ear drum) and the muscle (Tensor Tympani muscle) and produce the sensation of hearing. This can be shown by graphical representation.
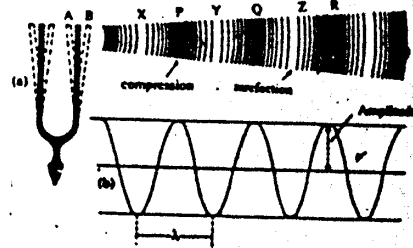
Production and representation of sound waves.

The Muslim Scientist, Imam Ahmad Raza Khan has stated in his Book الکشف شافیا 1909ء in 1909 that sound waves produced in air medium are compressional waves which the latest research has proved now. A compression and the following rarefaction, make compressional wave.

$$V_2 = V_1\sqrt{\frac{T_2}{T_1}}$$

$$V_2 = 331.3 \times \sqrt{\frac{288.15}{273.15}}$$

$$V_2 = 340.27 \text{ m/s}$$

Velocity of sound at 15C⁰ in air medium

$$V_a = 340.27 \text{ m/s}$$

Velocity of sound at 15C⁰ in water medium

$$V_w = 1450.0 \text{ m/s}$$

The ratio is

$$\frac{V_a}{V_w} = \frac{340.27}{1450.0}$$

$$= 1/4.26$$

$$\frac{V_a}{V_w} \approx 1/5 \quad \text{(approx.)}$$

From the above ratio, it has been calculated that the velocity of sound in water medium is approximately five times greater in water medium as compared to the air medium.

Note : Velocity (speed) of sound in water medium is greater due to modulus of elasticity i.e.

$$V = \sqrt{\frac{E}{f}} \quad \text{or} \quad V \propto \sqrt{E}$$

$$\text{and } V \propto \sqrt{\frac{1}{f}}$$

V = Velocity of sound

E = Modulus of elasticity

f = Density of medium

Because velocity is directly proportional to square root of elasticity i.e. greater the elasticity, greater the velocity and vice versa. And velocity is inversely proportional to the square root of density, greater the density, lower the velocity and vice versa.

So in case of water medium, due to greater elasticity, velocity of sound is greater as compared to air medium.

Finally it is concluded that:

Physical quantity of sound	Air Medium	Water medium
Amplitude	Greater	Lesser
Intensity	Greater	Lesser
Loudness	Great	Lesser
Velocity	Lesser	Greater

RESEARCH ACHIEVEMENTS OF MUSLIM SCIENTIST

The Muslim Scientist, Imam Ahmad Raza Khan has some conclusions about sound propagation in the light of various experiments:

1. in cemented and raw buildings, sound will propagate through pores.
2. in mirrors (glasses) there will be no propagation of sound waves because of no pores and wave motion.
3. The air and water medium transport energy / sound wave by means

water medium, so intensity of sound wave will be greater in air medium as compared to water medium.

Loudness of a sound wave is the autditory sensation produced by sound on sound detector such as ear.

Weber - Fechner Law suggests that:

Loudness is directly proportional to the logarithm of intensity:

$$L \propto \log I.$$

So due to greater intensity in the air medium, more loudness will be heard as compared to feeble loudness in water medium due to less intensity.

The great scientist, Imam Ahmad Raza Khan has proved his observation about loudness by an experiment in air/water medium. He suggested that if one person produces sound in air medium and then in water medium he will feel more loudness of sound in air medium as compared to water medium.

RIZWI EXPERIMENT

The experiment of Muslim Scientist is quoted as under:

"تالاب میں دو شخص دونوں کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ مارے، دوسرے کو آواز پہنچے گی مگر نہ اتنی کہ ہوا میں۔"

English Translation

"Two persons dive in water from bank of the Tank. One of them, strikes one brick against the other, the second person will hear the sound but not so much as in air."

The above experiment shows that the loudness of sound is more in air medium as compared to water medium, proved from previous discussion.

Since calculated values of velocity of sound in air/water medium are used in previous discussion about amplitude of sound in air and water medium. So velocity of sound is discussed as:

VELOCITY OF SOUND

Velocity of sound is defined as velocity of a wave is the rate of change of displacement covered by a wave. It is denoted by V (velocity)

On mathematical basis:

Velocity of sound in air medium at

$0C^0$ = 331.3 m/s.

V_1 = 331.3 m/s

T_1 = (0 + 273.15) = 273.15 K^0

at $15C^0$ temperature.

Temp. (T_2) = 15 + 273.15 = 288.15 K^0

Velocity of sound at $15C^0$ $V_2 = ?$

We have relation:

$$\frac{V_1}{V_2} = \sqrt{\frac{T_1}{T_2}}$$

or

$$\frac{V_2}{V_1} = \sqrt{\frac{T_2}{T_1}}$$

the sound wave in air medium is many times (60 times) greater than the amplitude of sound wave in water medium.

This increase in amplitude of sound waves is due to the density factor of both air/water medium.

The wave form of displacement wave in air medium is given by:
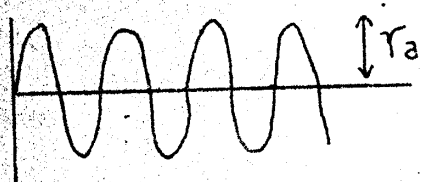
Displacement:

The wave form of displacement wave in water medium is given by:

Displacement:
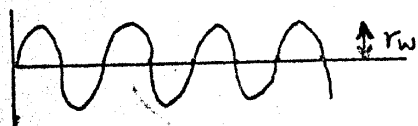
and $r_a > r_w$

This shows the fact that $r_a > r_w$ due to the lower density of air medium as compared to the high density of water medium.

ANALYSIS

It is interesting to note that Imam Ahmad Raza Khan Bareilvi, the Muslim Scientist, was familiar to these facts that:

1. Both air and water medium transport energy/sound wave by forming their wave forms and he quoted in fashion:

”آب و ہوا خود اپنے تموج سے (آواز) پہنچاتے ہیں۔“

2. The amplitude of sound wave is many times greater in air medium than the amplitude of sound wave in water medium due to its lower density of air medium as compared to high density of water medium. so he quoted:

”ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی سے الطف ہے۔“

3. The muslim scientist Imam Ahmad Raza Khan has stated:

”وہ (ہوا) زیادہ پہنچاتی ہے اور پانی کم۔“

It means loudness of sound is more in air medium as compared to the water medium.

COMPARISON FOR INTENSITY AND LOUDNESS

Physically discussing: Intensity of a sound wave is defined as the energy transmitted per second through a unit area. In the previous discussion we have used the relation, total energy transported by the wave per second through a unit area is known as intensity of the wave i.e.

$$\frac{\text{T.E (j)}}{1\text{(s)}\ (1\text{m}^2)} = I = 1/2\ V\ f\ \omega^2\ r^2$$

This relation shows that the intensity of a sound wave is directly proportional to the square of amplitude of sound wave.

As amplitude of sound wave in air medium is many times greater than the amplitude of sound wave in

So intensity is equal to :

$$I = \frac{5(\text{watts})}{m^2}$$

We have the relation:

$$\frac{T.E}{1(s) \times 1\ (m^2)} = I = 1/2\ vf\ \omega^2\ r^2$$

Here :

V = Velocity of sound
f = Density of medium
w = Angular frequency of sound wave.
r = Amplitude of wave or amplitude of medium molecule.

For air medium

$$I = 1/2\ V a\ f a\ w^2\ r^2 a$$

OR

$$r_a = \sqrt{\frac{2 \times I}{V_a\ f_a\ w^2}}$$

at 15C⁰ temperature

$$I = \frac{5\ \text{watts}}{m^2}$$

Velocity of sound in air

V_a is = 340.27 m/s.

Density of air (f_a) = 1.2265 Kg/m³.

Angular frequency of sound source or sound wave (w) = 3216.896 Rad/sec.

$$r_a = \sqrt{\frac{2 \times 5}{340.27 \times 1.2265 \times (3216.896)^2}}$$

$$r_a = 4.812 \times 10^{-5}\ m$$

For Water Medium

$$r_w = \sqrt{\frac{2 \times I}{V_w\ f_w \times w^2}}$$

at 15 C⁰ temp.

$$I = \frac{5\ \text{watts}}{m^2}$$

Velocity of sound and water

(v_w) = 1450.0 m/s

Density of water :

(dw) = 999.1 Kg/m³

Angular frequency of sound source or sound wave

W = 3216.896 Rad/sec.

$$r_w = \sqrt{\frac{2 \times 5}{1450 \times 999.1 \times (3216.896)^2}}$$

$$r_w = 8.167 \times 10^{-7}\ m.$$

The ratio is :

$$\frac{r_a}{r_w} = \frac{4.812 \times 10^{-5}}{8.167 \times 10^{-7}} \doteq \frac{58.92}{1}$$

$$\frac{r_a}{r_w} \approx \frac{60}{1} \quad \text{(approx.)}$$

Conclusion

Hence the ratio between the amplitude of sound wave in air/water medium shows that the amplitude of

of latest research. When one particle of medium starts vibrating, it produces disturbance or wave motion in the medium. The disturbance travels in all directions. The velocity of the sound waves depends upon the density of the medium. The lighter the medium, the more quickly will the disturbance (or sound wave move from point to point in the medium).

Example

The sound wave travels faster in Hydrogen (H_2) than in Oxygen (O_2); as Hydrogen is lighter than Oxygen.

Comparison for Amplitude

The above statement can be proved by comparing the amplitudes in air and water medium.

Physically speaking, amplitude of a wave is the maximum distance covered by the molecule of medium or layer of medium on either side of the original equilibrium position. As we know that the air medium is light as compared to dense water medium and molecules of air medium are spaced at longer distances as compared to the water molecules due to the difference in densities. When a sound wave is produced in air medium, the air molecules transfer energy/sound wave from one point to the other after covering the distance between the molecules. Similarly, water molecules transfer energy/sound waves from one molecule to the other molecule. But the inter-molecular distance in air medium is larger as compared to water molecules. Hence, the air molecules vibrate to longer distances as compared to shorter inter molecular distance cover by the water molecules. Therefore, we conclude that the air molecules vibrate/oscillate between longer distances as compared to the water molecules. Hence the amplitude of the sound wave is greater in air medium as compared to the dense water medium.

ON MATHEMATICAL BASIS

Suppose we have a source of sound (tuning fork)

Frequency of sound wave

$$(f) = 512 \text{ Hz.}$$

Angular frequency of sound source

$$(\omega) = 2\pi f$$
$$= 2 \times 3.1415 \times 512$$
$$\omega = 3216.896 \text{ Rad/sec.}$$

We assume that the sound source transmits energy 5 jouls per second through a unit area in both air and water medium.

Also we know that energy transmitted per second through unit area is called intensity of sound.

So intensity of sound (I) = Total energy (T.E) per second through unit area.

$$I = \frac{\text{T.E (J)}}{1 \text{ (s)} \times 1 \text{ (m}^2)} = \frac{5 \text{ J}}{\text{Sm}^2}$$

Also one watt (w) is $= \frac{1 \text{ J}}{1 \text{sec.}}$

OR

$$1 \text{ w} = \frac{1 \text{ J}}{1 \text{ s}}$$

Ahmad Raza Khan introduced the wave theory of sound and proved experimentally that following things are necessary for hearing of sound:
1. Vibrating organ (sources)
2. Medium e.g. Air/Water
3. Propagation of waves
4. Receiver (detector) like ear (Ear drum/Tympanic membrane)

RIZWI LAW

The Muslim scientist Imam Ahmad Raza Khan states:

"آواز پہنچنے کیلئے ملاء فاضل میں تموج چاہئے۔"

For propagation of sound, medium and wave motion are necessary.

Now the Modern Physics favours his statement.

RIZWI EXPERIMENT

The Muslim scientist Imam Ahmad Raza Khan has proved his law with experiment in 1909.
"Suppose there is a room of glasses having no ventilator. If the two persons adjacent to outer/inner wall of glasses, call loudly, sound from inside will not be heard out side and vice-versa."

Conclusion
(i) No medium
(ii) No wave motion
(iii) No propagation and hearing of sound.

The same experiment is also discussed in Physics Book for Matriculation 1991, Page No. 214.

Experiment

A bell jar (Glass) with vacuum pump having bell connected to electric battery. If switch is on, there will be ringing of the bell and sound will be heard outside the bell jar. Now with the help of vacuum pump, complete vacuum is produced inside the jar. Now if current is passed, one can visualize the bell ringing but not hear the sound.

This experiment shows that for propagation of sound, medium is necessary and without medium sound cannot propagate.

Conclusion

No medium, no propagation and hearing of sound.

Analysis

The Muslim scientist Imam Ahmad Raza Khan, in 1909 has more comprehensively proved in his above experiment that for hearing of sound following things are necessary:
(i) Medium (2) Wave motion.

RIZWI LAW

The Muslim Physicist Imam Ahmad Raza Khan has stated in his Mulfuzat, Part-1; Page No. 117-118:

"ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی سے الطف ہے۔ وہ زیادہ پہنچاتی ہے اور پانی کم۔"

Explanation

The Muslim scientist Imam Ahmad Raza Khan has discussed two things:

"ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی سے الطف ہے۔"

It means amplitude of a wave is more in Air Medium.

Explanation

It can be explained in the light

Your needs depend upon that Resources you access. The basic resources are E-mail, IFAQ, FTP, GOPHER, NEWS GROUPS & World wide web (WWW).

CONTRIBUTIONS TO PHYSICAL SCIENCE BY THE MUSLIM SCIENTISTS

Research is not a privilege of individual scientists rather it is the age of Group Research. So many scientists who never receive recognition for their work, have contributed to the development of science.

Such a great name in Science is IMAM AHMAD RAZA KHAN BARELVI (1856 to 1921). He was a great genius the world ever produced, was born in Indo-Pak (U.P. Bareili). He was a leading Mathematician of his time. He wrote a number of books on Arithimatics, Algebra, Geometry, Particularly Triangles & Spheres, Logarithm, Mensuration, Almanacs and Calendars (vis: appearance of new Moon, Timing of "SALAT", the Sehri & Aftari, the Salat of MECCA MUKERRAMA and comparative calendars of Hijri, Christian and Roman, Astronomy, Astrology and Numerology).

The Muslim Scientist Imam Ahmad Raza's monumental work is "FATAWA RAZAWIYYA" (12000 pages in all - having a bright streamline of discussions, full of scientific knowledge and out look particularly the principles of Biology, Physiology, Medical Science (viz: Genertics, Modern Embryology especially fetal develepment within three layers), Fractions, timings, Phonetics and Phonology, Chronometery, Chemistry and Physics, Geo-physics, Solar and Lunar system, Meteorology, hydrodynamics, Physical optics, Wave Theory and sound and other sciences alongwith all branches of Islamic Sciences.

Physics is one of the oldest and most highly organized of all the sciences. Discoveries of natural laws have been made by dedicated efforts of many Scientists. The contribution of Muslim Scientists, Imam Ahmad Raza Khan about physics especially wave theory and sound will be discussed here.

CONTRIBUTION TO MODERN COMMUNICATION SYSTEM BY IMAM AHMAD RAZA KHAN

WAVE THEORY

The Muslims Scientists, Imam Ahmad Raza Khan Bareilvi has discussed about the Wave Theory & Sound nearly 90 years back in his books like (i) "MULFUZAT-E-ALA-HAZRAT" Part 1. 1919. (ii) "FATAWA RAZAWIYYA" Xth. vol. Al-Kashif-i-Shafia — Hukm-i-Phonographia, 1919.

Wave is a form of energy and it can transport energy from one point to another point. Sound is also a form of wave and by the type sound wave is the mechanical longitudinal wave.

The Muslim Physicst, Imam

example, tele-communication system like Radio, Transistor, Television, Radar system, Satellite system, Mirco-Electronics, Laser technology, Fibre Optics, is based on Wave Theory (Wave Motion).

DISH ANTENNA

With the help of Dish Antenna, one can visualize the whole world on various channels sitting in a room with remote control - is based on Wave System.

FAX MACHINE

Another achievement is Fax Machine. The message (in the same documented form) is conveyed and received in the remotest areas of the world within very short time. The basic mechanism is based on Wave System.

INTER-NET (COMPUTER NET WORK)

The Inter-net (Computer Network) is man's most wonderful discovery in computer technology. the Inter-net is also named as Information Super Highway. If you have an Inter-net connection with proper equipment (Computer modem connected with phone line and Macintosh with C.P.U. plus PC), then you are able to communicate with a person in any corner of the world having inter-net connection.

IMPORTANCE OF INTER-NET

The International importance of the Wave system is that you can use the Inter-Net to assess the vast amount of information of any type i.e. text, graphics, sound, video, to search a book in catalough at some library, send E-mail, Fax a message and chat with other on-line.

BRIEF HISTORICAL ORIGIN OF INTER-NET. COMPUTER NET WORK

Inter-net (Computer net work) was originated in many years before in late sixties (60's) by American Scientists.

The first on-line commercial service COMP SERVE was originated in 1969. The scientist made more research and the project mushroomed. The net work expanded throughout in 70's.

In 1986, the National Science Foundation (N.S.F.) created N.S.F. Net. After two years, N.S.F. Net was completely converted to ARPA Net. In 1991 the programme further expanded and renamed it National Research & Education Net work (N.R.E.N.). This bill also allowed businesses to purchase part of the net work for commercial uses. The mass commercialization of today's Inter-Net is the direct result of this legislation.

An Inter-net Service Provider (I.S.P) is a company who provides to the Inter-net; some companies provide E-mail additionally. The best known ISPs are American on-line, Microsoft net work (MSN), MCI and AT&T. Approximately there are 2500 Inter Service Providers in the U.S.

IMAM AHMAD RAZA KHAN & MODERN COMMUNICATION SYSTEM

BY Dr. Muhammad Maalik
M.B.B.S.

Today Science is in full bloom. Man has conquered the vacuum. He has measured the depth of the Seas and has changed the direction of insurgent rivers. Man has firm grip on planets like Moon and the Stars. Now man is thinking about life-spending pattern on the Planets like Mars. The distance has abolished and a grand inter-collection within the whole world has been created. If there happens some incidence anywhere, it spreads all over the world within no time. So man is subjugating the world and this development is pure scientific.

Science is an organized knowledge. It has its own rules and regulations. It depends upon experiments and observations. The research is carried on matter and laws are regulated. Today the various spheres of knowledge about matter are included in science, for example, Geological Science, Chemical Science, Space Science, Engineering and Technological Science and Medical Science etc.

Science is subjugating the world in the light of intellect and probing the secrets. Man whatever thinks, speaks, hears, and looks, - the recording of all these pictures and actions is stored in the hypothalamus of the brain and this video film is completed in regular fashion.

In short, man is a mobile Encyclopedia who predicts the gestures, actions, and thoughts.

Today, modern technology has progressed in such a way that some scientific instruments have been prepared, with the help of those, we can hear the sound and visualize from a very long distance. We can convey the message in any corner of the World within few moments. Now, all these scientific development do not feel astonishing. On the other side, there is also a spiritual/Islamic Science which is more powerful and does not depend on material mediums.

WAVE MOTION AND SOUND

Wave Theory or Wave System is a process of exchange of energy i.e. waves transmit energy, so acts as carriers of energy. One kind of wave is changed into another wave and with the help of carrier waves, messages are conveyed on the Receiver set. For

IMAM AHMED RAZA AND REFUTAL OF BID'AT AND MUNKARAT.

DR. A NAIM AZIZI - 104, Jasoli, Bariely

Imam Ahmed Raza besides with correcting, purifying and illuminating the beliefs of the Muslims has corrected their acts and guided them to the path of worship and prayer and has refuted all Bid'at and Munkarat (Heresies and stranges or disapproved faiths and acts). This is a blame of Wahhabis and Deobandis that Imam Ahmed Raza has popularised the Bid'at and Munkarat.

Here few examples are given to remove this mis-understanding -

(1) **Women are not allowed to Visit the Graves :**

(a) The women are prohibited to visit the graves. Relating to this there is a Hadith, " the Curse of allah be upon those women who go to the visit the graves " Men should be the attendants of the shrines. This is a very bad heresy that the woman being the attendant of a shrine mix up with the man. The Shariah has ordered them staying indoors and not to mix up with the men as there are few chances to have loneliness with them and this is Haram (unlawful). And Allah knows better.
[Fatawa Razvia - VOL IV, Page 165]

(b) Both the graves of Muslims and the Mazars of Aulia (Holy Shrines of the Favourites of Allah) are prohibited to visit by the women. Of course they can make the Aulia and their mazars as the mediation.
[Ahkame Shariat Part II, page 18]

(c) The women are not allowed to go the graves, and Allah knows better.
[Fatawa Razvia IV. page 165]

(2) **Prostration, circumambulation and kissing of the grave is not allowed.**

(A) Undoubtedly the circumambulation of any shrine other than Kaba is illegal and the prostration to any one other than Allah is Haram according to our Shariah. About kissing the grave Ulema has differences but as a caution it should not be kissed.

(b) To walk round the mazar even as an intention of honour is illegal that is why only Ka'ba deserves this honour of circumambulation. The mazar should not be kissed. Ulema have different opinions in this matter but it is better to abstain from this. But kissing the shrine and treat it reverently by touching is not Haram but legal as the Shariah has not prohibited these acts.
[Fatawa Razvia IV. page 8]

(3) **Pardah from the Peer (Going about veil from the spiritual teachers)**

(a) The pardah from the peer is Wajib if he is not the Mehram i.e. a close relation from that the women need not to go into hiding.

Q. (b) A Buzurg (spiritual guide) causes to perform the Halqa of the women unvieled and he himself sits in the centre of this Halqa and pays such attention that they become senseless and leap and Jump and their voice go far from the house. Is such oath of allegiance is legal ?
Ans :- This is anti - Shariah and a modesty. One should not become the disciple of such a peer. And Allah knows better. [Ahkame Shariat II, page 4]

Imam Ahmad Raza

In my mind there is certainly nothing but madness for you.
My heart sobs when I listen to a poem written by you.
And my soul thrills and, as a consequence, I am lost in you.
Man of the century, may I always and ever love but you !

Any man who is far from you is lost.
He shivers for he is in a sort of frost.
May I know a fate totally different :
And may I be in your circle, with head low bent.
Disclose you secret, oh kind Ahmad, full of scent !

Rich with experience, many words you pen with much pleasure.
And, to the whole world, you thus bequeath an immense treasure.
Zealous are you in your search for beloved Muhammad (s.a.w.).
And, because of pure love, people, like Majnoo, would go mad !

M.K. (August 1996)

his issue in-
rticle titled
Khan And
System" el-
Muhammad
der of Raza
, Dera Ghazi

provoking
lodern Sci-

r Net Work)
s of Sound.
Motion
mmunication
by Islamic
d Raza

ful to Dr.
or this fine
pe that this
n of other
will pave the
rch on Imam
of his contri-
ce and other

ible effort has
t to make this
ble one, how-
egrettable and
estions of our
velcome.

IMAM AHMAD RAZA'S RELIGIOUS POETRY

In honour of the Prophet of Islam,
Muhammad
(may Allah's peace and blessings be
upon him)

1 When the Prophet walked along any street,
The entire earth became fragrant and sweet.

گزرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر

2 Bedazzled by the radiance of your complexion;
The moon kissed your feet as a token of devotion

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رَہ گیا بوسہ دِہِ نقشِ کفِ پا ہو کر

3 Alas ! this year again it all ended in dismay;
I accompanied the pilgrims but was left in the way.

وائے محرومیٔ قسمت کہ پھر اب کی برس
رَہ گیا ہمرہِ زوارِ مدینہ ہو کر

4 So distinguished is the position of Taybah's garden,
Its nightingales are the birds of the highest heaven.

چمنِ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہو کر

5 When the flower of my heart blossomed merrily,
I remembered the lovely garden of Madinah suddenly.

صَرصرِ دشتِ مدینہ کا مگر آیا خیال
رشکِ گلشن جو بنا غنچۂ دل وا ہو کر

6 The ears of the Prophet signify to us their support;
That they would recommend our case in Allah's court.

گوشِ شہ کہتے ہیں فریادرسی کو ہم ہیں
وعدۂ چشم سے بخشائیں گے گویا ہو کر

7 Your poor Raza humbly hopes. O merciful master !
You will save your servant from hell's disaster.

ہے یہ اُمید رضاؔ کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانیٔ دوزخ ترا بندہ ہو کر

Translated by Prof. G. D. Qureshi

This is the aim and objective of Idara-e-Tahqueeqat-E Imam. Ahmad Raza that this message of Imam Ahmad Raza should also reach to those people who do not understand Arabic, Urdu or Persian but can be communicated through English Medium.

In persue of that, this year also, we have received some articles in English as usual. However in view of shortage of space we are unable to put all of them in print.

Our English section is beginning with the 'Naat' of Imam Ahmad Raza rendered in to English by D. G. Qureshi (Late, May Allah Bless him). We are thankful for this 'Naat' to Maulana Ibrahim Khashtar Siddiqui of Sunni Razavi Society International Mauritius.

Second in order is the poem written in praise of Imam Ahmad Raza, with complement from same personality. The name of the poet is not mentioned in the original pamphlet "Tears of Love and Friends of Allah".

Dr. Abdul—Al-Naeem-Azizee is a respected name amongst the research scholars and writers of India. He has been conferred Ph.D. on the Thesis written on Imam Ahmad Raza's Naatia Poetry from Rohail Khand University, Beriely, India. We have included his article "Imam Ahmad Raza And Refutal of *Bida't* and *Munkarat*" with the courtesy of Quarterly 'Afkar-e- Raza' International, Bombay, India.

Last but not least, this issue includes a new research article titled as "Imam Ahmad Raza Khan And Modern Communication System" elegantly pen down by Dr. Muhammad Maalik (M.B.B.S.), Founder of Raza Islamic Centre, Block-16, Dera Ghazi Khan (Pakistan).

This is a thought provoking research paper on Modern Science covering topics of :

— Wave Theory
— Sound
— Inter-net (Computer Net Work)
— Physical Quantities of Sound.
— Damped Harmonic Motion
— Grand Islamic Communication System as proposed by Islamic scientist Imam ahmad Raza

We are thankful to Dr. Muhammad Maalik for this fine contribution. We hope that this will catch attention of other scholars of science and will pave the way for further research on Imam Ahmad Raza in terms of his contribution towards Science and other branches of knowledge.

While every possible effort has been made on our part to make this publication a memorable one, however any mistake is regrettable and comments and suggestions of our readers will be most welcome.

Foreword

Ahmad Raza Khan (1856-1921) is the name of such a genius personality which attracted a large number of men of letters from each field of knowledge through out the subcontinent and the Muslims World at large.

In viewing his scholarly command over more than seventy subjects of Islamic studies and other branches of knowledge like, Philosophy, Mathematics, Geometry, Trignometry, Logic, Physics & Chemistry and other social sciences, he became a central figure at the end of 19th & beginning of 20th century. Whenever a problem cropped up___ religious, academic, political, social or economic —— one had to refer to Imam Ahmad Raza Khan, at Berrilly.

In the words of Dr. Sayyid Abdullah, Chairman of Deptt. of Encyclopaedia of Islam, University of Punjab, Lahore, "Scholar is said to be the mind and spokesman of the nation specially that scholar who derives inspiration, thought and vision from Holy Quran and Prophet's (Allah's Grace and Peace be upon him) traditions, is a narration of divine knowledge and exponent of divine scheme. His is the voice of creator, a benefactor of mankind. It is not an over statement or exageration but the acceptance of truth to call that Imam Ahmad Raza is such a scholar."

Indeed it is a pleasant surprise to have a look at his multidimensional personality and multifarious services rendered by him towards Islam. He appears to be a reformer, an interpreter and innovator at the same time and above all a great devotee of the Holy Prophet (Sallal-laaho aliaihe wasallam) from the deepest chambers of his heart, so much so that whatever literature he has produced___ prose or poetry____ that bears clear impression of this love. He exerted all his capabilities and efforts and used all his faculties as well as available resources to popularize this attitude among the Muslims of the Subcontinent; as correctly recoginsed by Prof. Dr. Abdul Wahid Halipota, Ex-Chairman, Council of Islamic Ideology, Islamic Republic of Pakistan "His greatest deed is that he beautified the hearts of the Muslims with the love [illegible] he Holy Prophet (Salla laaho alaihe [illegible]allam) through his academic won[illegible] sweet speeches and most valu[illegible] Naatiya Kalam' (Poetry in pr[illegible] [illegible]f the Holy Prophet (sallal [illegible] [illegible]asallam)."

CONTENTS

IDARA-I-
TAHQEEQAT-E-
IMAM AHMAD RAZA (Regd)
25, 2nd Floor, Japan Mansion, Raza Chowk (Regal)
Saddar, Karachi-74400. P.O. Box 489 Karachi-74200.
Phone: 7725150-7771219 Telegrams "ALMUKHTAR" (PAKISTAN)

فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

OBEY ME ALLAH WILL LOVE YOU

Ma'arif-e-Raza

Vol - XVIII
1998

IDARA-I-
TAHQEEQAT-E-
IMAM AHMAD RAZA (Regd)
25, 2nd Floor, Japan Mansion, Raza Chowk (Regal)
Saddar, Karachi-74400. P.O. Box 489 Karachi-74200.
Phone: 7725150-7771219 Telegrams "ALMUKHTAR" (PAKISTAN)